www.CSSExamPoint.com

Caravan

اسلامیات

CSS 2016

برائے سی ایس ایس و دیگر امتحانات

کتاب کی خصوصیات:

سی ایس ایس کے نظرِ ثانی شدہ نصاب کے عین مطابق

جامع تعریفیں اور مستند حوالہ جات

ابوابِ کتاب

1. تعارفِ اسلام
2. سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم بطور کامل نمونہ
3. اسلام میں انسانی حقوق اور اداروں کا نظام
4. اسلامی تہذیب و ثقافت
5. اسلام اور دنیا
6. پبلک ایڈمنسٹریشن اور اسلامی طرزِ حکمرانی
7. اسلامی ضابطۂ حیات

حافظ کریم داد چغتائی

کاروان بک ہاؤس، لاہور

Css Aspirants ebooks & Notes
Rules of the group.
No irrelevant text/pic Islamic pic
No Smiley No Pm otherwise Removed
Personal text with Mutual consent

اسلامیات (لازمی)

برائے سی ایس ایس و دیگر امتحانات

حافظ کریم داد چغتائی

JOIN ME FOR EASY ACCESS TOEBOOKS & NOTES
+92-310-545-450-3
Css Aspirants ebooks & Notes
Css Aspirants Forum
Rules of the group.
*No irrelevant text/pic Islamic pic/videos
*No Smiley No Pm otherwise Removed + Blocked
*Personal text w/o Mutual consent Consider harassment.
Separate Group For Females with verification

کاروان بک ہاؤس

2-Kutchery Road, New Anarkali Lahore. Ph: 042-37212091, 37122955, 37352296
e.mail:caravanbookslhr@gmail.com

www.CSSExamPoint.com

نصاب اسلامیات (لازمی) برائے سی ایس ایس

نظر ثانی شدہ

1- تعارف اسلام

- تصور اسلام
- انسانی زندگی میں دین کی اہمیت
- دین اور مذہب میں فرق
- اسلام کے نمایاں پہلو
- اسلامی عقائد کے انفرادی واجتماعی زندگی پر اثرات اور اساس دین/دین کی بنیادیں
- اسلامی عبادات کے روحانی، اخلاقی اور سماجی اثرات

2- سیرت طیبہ کا مطالعہ بہ حیثیت نمونہ عمل

- انفرادی زندگی
- سفارت کار
- معلم انسانیت
- سپہ سالار اور جنگی منصوبہ ساز
- پیغمبر امن

3- اسلام میں انسانی حقوق اور خواتین کا مقام ومرتبہ

- انسانی حقوق اور اسلام میں خواتین کا مقام ومرتبہ
- وقار انسانی (مرد وخواتین کا انسانی وقار، عزت واحترام)

4- اسلامی تہذیب وثقافت

- معانی اور اہم اجزا
- سماج اور انسانی شخصیت کی تعمیر میں تہذیب کا کردار
- اسلامی تہذیب کے نمایاں اوصاف

(توحید، تزکیہ نفس، انسانی عزت ووقار، مساوات، سماجی انصاف، اخلاقی اقدار، صبر وبرداشت، قانون کی حکمرانی)

www.CSSExamPoint.com

5- اسلام اور دنیا

- اسلامی تہذیب کے مغرب اور مغرب کے اسلامی تہذیب پر اثرات
- جدید دنیا میں اسلام کا مقام
- اسلام اور عصر حاضر کے چیلنجز
- انتہا پسندی کا فروغ

6- پبلک ایڈمنسٹریشن اور اسلامی طرز حکمرانی

- پبلک ایڈمنسٹریشن کا اسلامی تصور
- اچھے طرز حکمرانی کے لئے قرآنی تعلیمات
- قرآن وسنت اور فقہ کی روشنی میں طرز حکمرانی کا تصور اور عمل درآمد کا طریقہ کار
- اسلامی نظام حکمرانی کا ڈھانچہ (شوری، مقننہ، اسلامی قانون کے ماخذ)
- خلفاء راشدین کا طرز حکمرانی
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکومتی عہدے داروں کے نام خطوط
- سرکاری ملازمین کی ذمہ داریاں
- اسلام میں احتساب کا نظام

7- اسلامی ضابطۂ حیات

- اسلامی نظام کی نمایاں خصوصیات
- سماجی نظام، سیاسی نظام، اقتصادی نظام، عدالتی نظام، انتظامی نظام
- اجماع اور اجتہاد کے اصول وضوابط

www.CSSExamPoint.com

فہرست

(ابواب کے مطابق)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	تعارف اسلام	01-108
2	سیرت طیبہ کا مطالعہ بحیثیت نمونۂ عمل	109-171
3	انسانی حقوق اور اسلام میں خواتین کا مقام	172-204
4	اسلامی تہذیب اور ثقافت	205-239
5	اسلام اور دنیا	240-286
6	پبلک ایڈمنسٹریشن اور اسلامی طرز حکمرانی	287-405
7	اسلامی ضابطۂ حیات	406-490

JOIN ME FOR EASY ACCESS TO EBOOKS & NOTES
+92-310-545-450-3
Css Aspirants ebooks & Notes
https://m.facebook.com/groups/458184410965870
Css Aspirants Forum
Rules of the group.
*No irrelevant text/pic Islamic
*No Smiley No Pm otherwise Removed + Blocked
*Personal text w/o Mutual consent Consider harassment.
Separate Group For Females with verfication
The CSS Group does not hold any rights on shared the Books & Notes
I,m not Responsible for Copyrights.
This book/notes downloaded from the internet.

تفصیلی فہرست

(عنوان کے مطابق)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	باب اول: تعارف اسلام	1
	اسلام کا تصور	2
	انسانی زندگی میں دین کی اہمیت	3
	مذہب اور دین میں فرق	7
	اسلام کے نمایاں پہلو	13
	اسلامی عقائد کے انفرادی و اجتماعی زندگی پر اثرات	21
	توحید اور اس کے اثرات	24
	عقیدہ توحید اور اس کے اثرات	29
	عقیدہ رسالت اور ختم نبوت	32
	عقیدہ آخرت اور اس کے اثرات	58
	ارکان اسلام	62
	اسلام میں عبادات کا تصور	62
	روحانی، اخلاقی اور سماجی اثرات	63
	نماز اور اس کے اثرات	64
	زکوٰۃ اور اس کے اثرات	72
	روزہ اور اس کے اثرات	82
	حج اور اس کے اثرات	92
2	باب دوم: سیرت طیبہ بحیثیت نمونہ عمل	106
	انفرادی زندگی	107
	بطور سفارت کار	121

www.CSSExamPoint.com

	میثمر امن	130
	سپاہ سالار اور جنگی منصوبہ ساز	136
	معلم انسانیت	152
3	باب سوم: انسانی حقوق اور اسلام میں خواتین کا مقام	171
	اسلام میں انسانی حقوق	172
	حجۃ الوداع	172
	انسانی تاریخ میں پہلا انسانی حقوق کا منشور	172
	اسلام میں بنیادی حقوق	175
	اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق	180
	اسلام میں خواتین کے حقوق	185
	وقار انسانی (مرد اور خواتین کا انسانی وقار، عزت واحترام)	193
4	باب چہارم: اسلامی تہذیب وثقافت	203
	تہذیب کے معانی اور اہم اجزاء	204
	سماج اور انسانی شخصیت کی تعمیر میں تہذیب کا کردار	211
	اسلامی تہذیب کے نمایاں اوصاف	213
	توحید	221
	تزکیہ نفس	222
	انسانی عزت ووقار	224
	مساوات	227
	سماجی انصاف	232
	اخلاقی اقدار	233
	صبر وبرداشت/رواداری	236
	قانون کی حکمرانی	237
5	باب پنجم: اسلام اور دنیا	239
	اسلامی تہذیب کے مغرب اور مغرب کے اسلامی تہذیب پر اثرات	240

www.CSSExamPoint.com

	جدید دنیا میں اسلام کا مقام	259
	تہذیبوں کا تصادم	270
	اسلام اور عصر حاضر کے چیلنجز	275
	انتہا پسندی کو فروغ	281
6	باب ششم: اسلام میں پبلک ایڈمنسٹریشن کا تصور اور اسلامی طرز حکمرانی	288
	پبلک ایڈمنسٹریشن سے کیا مراد ہے؟	289
	پبلک ایڈمنسٹریشن کا اسلامی تصور	290
	اچھے طرز حکمرانی کے لئے قرآنی تعلیمات	291
	قرآن وسنت اور فقہ کی روشنی میں طرز حکمرانی کا تصور اور عمل درآمد کا طریقہ کار	291
	اسلامی نظام حکمرانی کا ڈھانچہ (شوریٰ، مقننہ، اسلامی قانون کے ماخذ)	298
	خلفائے راشدین کا طرز حکمرانی	356
	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طرز حکمرانی	364
	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکومتی عہدیداروں کے نام خطوط	387
	1- عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (گورنر مصر) کے نام خط	387
	2- عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (گورنر مصر) کے نام خط	387
	3- ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (گورنر کوفہ) کے نام خط	387
	4- ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ (سپہ سالار شام) کے نام	388
	5- ابوعبیدہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما (سپہ سالاران شام) کے نام	389
	6- عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ (گورنر عراق) کے نام	389
	7- معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (گورنر شام) کے نام	389
	8- سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (گورنر عراق) کے نام	389
	9- ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ (سپہ سالار شام) کے نام	389
	10- ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ (سپہ سالار شام) کے نام	389
	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طرز حکمرانی	390
	حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکومتی عہدیداروں کے نام خطوط	392

www.CSSExamPoint.com

	-1 مالک الاشتر رضی اللہ عنہ (گورنر مصر) کے نام	392
	-2 اپنے ایک عامل کے نام	401
	-3 زیاد بن ابیہ (نائب گورنر بصرہ) کے نام	401
	-4 زیاد بن ابیہ (نائب گورنر بصرہ) کے نام	401
	-5 عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (گورنر بصرہ) کے نام	401
	-6 ایک عامل زکوۃ کے نام	402
	-7 قثم بن عباس رضی اللہ عنہ (گورنر مکہ) کے نام	402
	-8 عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (گورنر بصرہ) کے نام	402
	-9 محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ (گورنر مصر) کے نام	403
	سرکاری ملازمین کی ذمے داریاں	404
	اسلام میں احتساب کا نظام	405
7	باب ہفتم: اسلامی ضابطۂ حیات	408
	اسلام کا سماجی نظام	415
	سیاسی نظام	424
	اسلامی نظام کی نمایاں خصوصیات	430
	اقتصادی نظام	452
	عدالتی وقانونی نظام	464
	اخلاقی نظام	465
	اجماع اور اجتہاد کے اصول وضوابط	480
	اجماع کے اصول وضوابط	482
	اجتہاد کے اصول وضوابط	483
	سابقہ CSS پیپرز 2016-2006	491

www.CSSExamPoint.com

باب 1: تعارف اسلام

آؤٹ لائن

- تصور اسلام
- انسانی زندگی میں دین کی اہمیت
- دین اور مذہب میں فرق
- اسلام کے نمایاں پہلو
- اسلامی عقائد کے انفرادی و اجتماعی زندگی پر اثرات اور اساس دین/ دین کی بنیادیں

توحید اور اس کے انسانی زندگی پر اثرات

رسالت اور ختم نبوت

آخرت اور اس کے انسانی زندگی پر اثرات

- اسلامی عبادات کے روحانی، اخلاقی اور سماجی اثرات

نماز اور اس کے اثرات

زکوٰۃ اور اس کے اثرات

روزہ اور اس کے اثرات

حج اور اس کے اثرات

www.CSSExamPoint.com

تصورِ اسلام

اسلام کے لغوی معنی اطاعت، جھکنے، سرِ تسلیم خم کرنے اور مکمل سپردگی کے ہیں۔ اس کے دوسرے لفظی معنی امن، سلامتی اور آشتی کے ہیں۔ اسلام وہ دین ہے جو خدا کی حاکمیت کی بنیاد پر ایک پورا ضابطۂ زندگی پیش کرتا ہے، اور انسان سے مطالبہ کرتا ہے کہ اسے قبول کرے اور اس کی پیروی کرے کیوں کہ خدا کے قانون کے آگے جھکنے اور اس کی اطاعت کرنے کا نام اسلام ہے اور اس میں یہ حقیقت بھی پوشیدہ ہے کہ خدا کی بندگی اور اطاعت کے نتیجے میں زندگی کا جو نقشہ ابھرے گا وہ امن، سلامتی اور آشتی کی نعمتوں سے مالا مال ہوگا، اس میں قلب کو اطمینان حاصل ہوگا اور انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں حقیقی امن اور سکون قائم ہوگا نیز اس زندگی کے بعد بھی انسان کو اس ابدی زندگی میں سلامتی اور آشتی میسر آئے گی۔

Syed Ameer Ali elaborates the concept of Islam as: "The essence of the ethical principles involved and embodied in Islam is thus summarized in the second chapter of the Koran :

> "There is no doubt in this book -- a guidance to the pious, who believe in the Unseen, who observe the prayers, and distribute (charity) out of what We have bestowed on them and who believe in that which We have commissioned thee with, and in that We commissioned others with before thee, and who have assurance in the life to come; -- these have received the direction of their Lord."

The principal bases on which the Islamic system is founded are:

a. A belief in the unity, immateriality, power, mercy, and supreme love of the Creator;
b. Charity and brotherhood among mankind;
c. Subjugation of the passions;
d. The outpouring of a grateful heart to the Giver of all good; and
e. Accountability for human actions in another existence.

The grand and noble conceptions expressed in the Quran of the power and loves of the Deity surpass everything of their kind in any other language. The unity of God, His immateriality, His majesty, His mercy, form the constant and never-ending theme of the most eloquent and soul-stirring passages. The flow of life, light, and spirituality never ceases. But throughout there is no trace of dogmatism. Appeal is made to the inner consciousness of man, to his intuitive reason alone."

اسلام کسی ایسے مذہب کا نام نہیں ہے جو صرف انسان کی نجی اور انفرادی زندگی کی اصلاح کا داعی ہو اور جس کا کل سرمایۂ حیات کچھ عبادات، چند اذکار اور مٹھی بھر رسوم پر مشتمل ہو بلکہ یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو خدا اور اس کے آخری نبی ﷺ کی ہدایت کی روشنی میں زندگی کے تمام شعبوں کی تعمیر اور صورت گری کرتا ہے اور زندگی کے ہر پہلو کو ہدایت الٰہی کے نور سے منور کرتا ہے خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، معاشرتی ہو یا تمدنی، مادی ہو یا روحانی، معاشی ہو یا سیاسی اور ملکی ہو یا بین الاقوامی۔ اسلام کی اصل دعوت یہ ہے کہ خدا کی زمین پر خدا کا قانون جاری و ساری ہو اور دل کی دنیا سے لے کر تہذیب و تمدن کے ہر گوشے تک خالق حقیقی کی مرضی پوری ہو۔

علامہ اقبال "اسلامی ثقافت کی روح" پر گفتگو کرتے ہوئے محدود مذہبی نقطۂ نظر اور اسلام کے انقلابی نقطۂ نظر کا فرق بڑی خوبی سے واضح کرتے ہیں۔ ایک صوفی بزرگ واقعۂ معراج کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

www.CSSExamPoint.com

محمد عربی بر فلک الافلاک رفت و باز آمد واللہ اگر من رفتمے ہرگز نیامدمے۔

محمد عربی ﷺ آخری آسمان پر گئے اور واپس آ گئے۔ قسم خدا کی اگر میں (اس معرفت و بلندی پر) گیا ہوتا تو کبھی واپس نہ آتا۔

یہ ایک جملہ محدود مذہبی نقطۂ نظر اور انبیا کے انقلابی نقطۂ نظر کے فرق کو واضح کر دیتا ہے۔ جس شخص کے پیش نظر صرف اپنی ذات کی اصلاح اور خود کو روحانی رفعتوں اور بلندیوں سے آشنا کرنا ہو وہ حق باری تعالیٰ تک پہنچنے کو اپنا منتہی سمجھے گا اور اس اونچے مقام کو حاصل کرنے کے بعد دنیا کی طرف لوٹنا اور زمانے کے تلاطم میں داخل ہونا گوارا نہیں کرے گا۔ لیکن اس کے برعکس نبی کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس بلندی پر پہنچنے کے بعد آب و گل کی دنیا کی طرف واپس آتا ہے اور جو معرفت اور روشنی اسے حاصل ہوتی ہے اس کی مدد سے ایک نئی دنیا تعمیر کرتا ہے۔ وہ تاریخ ساز قوتوں پر غلبہ حاصل کرتا ہے اور انسانی تہذیب و تمدن کی تشکیل جدید کا انقلابی کام انجام دیتا ہے۔ خدا نے اپنے انبیا اس لیے بھیجے کہ وہ ہدایت ربانی کے نور سے پوری دنیا کو منور کر دیں اور دین حق کی راہنمائی میں ایک نیا انسان اور ایک نیا معاشرہ قائم کریں۔ تمام انبیا اسی مشن کو لے کر آئے اور اس کام کو اپنی آخری، مکمل ترین اور معیاری شکل میں ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے انجام دیا۔ اسلام زندگی سے فرار کی نہیں، زندگی کی تعمیر کی تعلیم دیتا ہے اور پوری زندگی کو سنوارنے کے لیے ہدایت کا ایک مکمل نظام بھی پیش کرتا ہے۔ ہدایت کے اسی نظام کا نام دین اسلامی نظریۂ حیات یا اسلامی آئیڈیولوجی ہے۔

انسانی زندگی میں دین کی اہمیت

۱۔ فطری ضرورت:

مذہب ایک فطری اور جبلی ضرورت ہے جیسے کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا

"اپنا منہ سب سے موڑ کر دین حنیف کی طرف کر لو یہی وہ فطرت ہے جس پر اللہ نے انسان کو پیدا فرمایا۔"

حدیث شریف میں آیا ہے:

کل مولود یولد علی الفطرۃ

ہر بچہ مسلم فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔

۲۔ روحانی ضرورت:

انسان اپنی پیدائش کے لحاظ سے روح اور جسم کا مرکب ہے ایک طرف جسم اور روح کے رشتے کو قائم رکھنے کے لئے مادی ضروریات اور جسمانی وسائل پیدا فرمائے تو دوسری طرف روحانی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء بھیجنے کا انتظام کیا اور انسان کو اس سلسلے میں اکیلا نہیں چھوڑا کہ وہ اندھیرے میں گمراہ پھرے۔ فرمایا:

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ

"اور کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا ہادی نہ آیا ہو۔"

www.CSSExamPoint.com

۳۔ معاشرتی ضرورت:

انسان فطرتاً مدنی الطبع ہے لہٰذا بہتر معاشی زندگی بسر کرنے کے لیے اسے درست قوانین وضوابط کی ضرورت ہے اگر معاشرتی زندگی کے لیے کوئی اصول اور ضابطہ نہ ہو تو معاشرہ انتشار وخلفشار کا شکار ہو جاتا ہے لہٰذا مذہب انسان کی معاشرتی ضرورت بھی پوری کرتا ہے۔

۴۔ حیات کائنات کے مسائل:

ہر سمجھ دار انسان زندگی کی حقیقت، زندگی بعد الموت کی حقیقت، کائنات کی ماہیت، اس کا آغاز اور اختتام غرض پوری کائنات میں انسان کی حیثیت اور مرتبہ کے متعلق کوئی نہ کوئی تصور ضرور رکھتا ہے لیکن مذہب نے ان مسائل کا حل پیش کیا ہے وہ حقیقت پر مبنی اور درست ہے مذہب نے زندگی کے مسائل کا مکمل حل بتایا ہے۔

۵۔ سکون قلب کا ذریعہ:

مذہب سے دوری اور دینی اقدار سے بیزاری نے آج تہذیب یافتہ اور ترقی پسند انسان کو دماغی اذیت اور پریشانی سے دوچار کیا ہے۔ انسان امن وآرام تلاش کرنا چاہتا ہے مذہب نے ایک ہی بات میں اس پریشانی کا حل پیش کر دیا ہے:

"اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ"

"بے شک دلوں کو اطمینان اللہ کی یاد سے ہوتا ہے۔"

۶۔ انسانیت کی فلاح:

"قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ"

"تحقیق کامیاب ہو گئے وہ لوگ جو اپنی نمازوں میں عاجزی کرتے ہیں۔"

۷۔ رہنمائے عقل:

دین عقل کی رہنمائی کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا"

"کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے ہیں۔"

حدیث پاک میں ہے:

"دین المرء عقله ومن لا دین له لا عقل له"

۸۔ بعد الموت کا تصور:

دین بعد الموت کا تصور بھی پیش کرتا ہے، فرمان الٰہی ہے:

كُلَّمَا اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَا اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ فَكَذَّبْنَا"

"جب بھی ڈالی جائے گی اس میں فوج تو پوچھے گا ان سے ان کا رب کہ کیا تمہارے پاس ڈرانے والے نہ آئے تھے کہیں گے ہاں مگر ہم نے ان کو جھٹلا دیا۔"

www.CSSExamPoint.com

۹۔ توحید کا تصور:

قرآن پاک میں ہے:

"وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ"

ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ہم نے وحی اس کی طرف کی یہ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم میری ہی عبادت کرو۔

۱۰۔ شرف انسانیت:

قرآن مجید بیان کرتا ہے:

"وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ"

"ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔" یعنی اسلام نے انسان کو اس کے مقام سے روشناس کرایا۔"

۱۱۔ وحدت انسانیت:

قرآن مجید بیان کرتا ہے:

"کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً"

سب لوگ ایک ہی جماعت اور امت میں تھے۔

حدیث پاک میں ہے:

"الخلق عیال اللہ"

"ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔" (بیہقی۔ کتاب الایمان)

۱۲۔ مساوات:

حدیث شریف میں آتا ہے:

"لا فضل لعربی علی عجمی"

"عربی کو عجمی پر شرف نہیں"

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ.

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے عزت والا وہ ہے جو تقوی والا ہے۔

۱۳۔ رواداری:

اسلام رواداری کا قائل ہے، اس لیے فرمایا: "لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ"

"دین میں زبردستی نہیں"

www.CSSExamPoint.com

۱۴۔ امن عالم:

مذہب اسلام امن وآشتی کا پیغام دیتا ہے، فرمان الٰہی ہے:

"وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ"

"اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔"

۱۵۔ نفس کا تزکیہ:

قرآن مجید میں تزکیہ نفس کرنا بھی دین کا کام بتایا گیا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان کیا ہے کہ ان میں انہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیا جو انہیں آیات پڑھ کر سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی علیم دیتا ہے۔" (آل عمران۔۱۶۴)

۱۶۔ علم کی ترقی:

علم کو عروج اور ترقی بخشنا بھی دین کا کام ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

"وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ"

"ہم نے تمہارے لیے شب و روز اور سورج چاند کو مسخر کر دیا۔"

۱۷۔ ادیان عالم میں اسلام کی عظمت:

اسلام دین فطرت ہے اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اسلام دین رحمت ہے اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اس لیے اس دین کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے اللہ پاک فرماتے ہیں:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ

بے شک اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے اور فرمایا

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ

"کہ جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو تلاش کرے گا اس کے اس دین کو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔"

خلاصہ یہ کہ اسلام ہی وہ دین ہے جو لوگوں کے لیے امن وآشتی کا پیامبر بن سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مذہب ہر انسان کی ضرورت ہے اس لیے پوٹارک (POTARK) کہتا ہے:

"کسی انسان نے کوئی بستی نہیں دیکھی جس میں مذہب نہ ہو"

www.CSSExamPoint.com

دین اور مذہب میں فرق

مذہب کا ارتقا

مذہب کے آغاز کے بارے میں اس وقت دو تصورات پائے جاتے ہیں۔ ایک ارتقائی تصور اور دوسرا وہ تصور جو خود مذاہب نے پیش کیا ہے۔

مذہب کے ارتقائی تصورات کی رو سے انسان کی ابتدا گمراہی اور لاعلمی سے ہوئی اور پھر رفتہ رفتہ انسانوں نے مشرکانہ خدا پرستی اور توحید پرستی اختیار کر لی۔ اس عمل کی تفصیلات میں کافی اختلافات ہیں مثلاً کچھ کا خیال ہے کہ اس کی ابتدا آباؤ اجداد کی محبت سے ہوئی اور کچھ دوسرے مذہب کی ابتدا مظاہر فطرت مثلاً رعد و برق کے خوف سے کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ انسان نے ابتدا میں اپنی جہالت کی وجہ سے مظاہر فطرت کی پرستش شروع کر دی اس لیے کہ ابتدا میں اس کی زندگی و موت کا دارومدار بہت حد تک ان پر تھا؛ مثلاً زلزلے، طوفان، سیلاب، آتش فشانیاں وغیرہ۔ لیکن جیسے جیسے اس کا علم بڑھتا گیا اس نے محسوس کرنا شروع کر دیا کہ یہ خدائی قوتیں نہیں رکھتے۔ ابتدا میں لوگوں نے ہر چیز کو دیوتا بنا لیا تھا لیکن علمی ترقی کے ساتھ ساتھ خداؤں کی تعداد کم ہونے لگی یہاں تک کہ صرف ایک خدا رہ گیا۔

اس کے برخلاف مذہبی نقطۂ نظر یہ ہے کہ خدا نے جب انسان کو اس دنیا میں بھیجا تو ساتھ ہی اس کی تمام جسمانی ضروریات کی طرح اس کی روحانی ضروریات (ہدایت) کا بھی سامان کیا۔ پہلا شخص جسے خدا نے بھیجا ہدایت یافتہ بلکہ پیغمبر تھا۔ اس کے بعد بھی لوگوں میں جب گمراہی پھیلی تو خدا نے پھر پیغمبر بھیجے جنہوں نے دنیا کو راہ ہدایت دکھائی۔ اس اعتبار سے توحید قدیم ہے اور شرک جدید۔ اس وقت دنیا میں جتنے بڑے بڑے مذاہب ہیں (عیسائیت، یہودیت، اسلام وغیرہ) ان کے داعی خدا کے پیغمبر ہی تھے اور اس بنا پر ابتداً ان کی تعلیمات، جزوی فرق کو چھوڑ کر، یکساں تھیں۔ بعد میں (اسلام کو چھوڑ کر) ہر مذہب کے پیروؤں نے اپنے اپنے مذہب میں ترامیم کر لیں۔

علم الانسان کی جدید تحقیق کے بعد بہت سے مغربی ماہرین بھی اب ارتقائی نقطۂ نظر کو چھوڑ کر مذہبی نقطۂ نظر کو ماننے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ پروفیسر شمٹ کے کہنے کے مطابق:

> ''علم شعوب و قبائل انسانی کے پورے میدان میں اب پرانا ارتقائی مذہب بالکل بے کار ہو گیا ہے۔ نشوونما کی مرتب کڑیوں کا وہ خوش نما سلسلہ جو اس مذاہب نے پوری آمادگی کے ساتھ تیار کیا تھا اب ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے اور نئے تاریخی رجحانوں نے اسے اٹھا کر پھینک دیا ہے۔''

یہی مصنف ایک اور جگہ لکھتا ہے:

> ''اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انسان کے ابتدائی تصور کی اعلیٰ ترین ہستی فی الحقیقت توحیدی اعتقاد کا خدائے واحد تھا اور انسان کا دینی عقیدہ جو اس سے ظہور پذیر ہوا وہ پوری طرح ایک توحیدی دین تھا۔''

مذہب کی تعریف

مذاہب عالم کی کثرت اور ان میں عقائد و اعمال کے تنوع کی وجہ سے مذہب کی کوئی جامع مانع تعریف کرنا مشکل ہے۔ اس کی مختصر اور سادہ ترین تعریف ای۔ بی۔ ٹیلر نے کی ہے: ''مذہب روحانی موجودات پر اعتقاد کا نام ہے''۔ اس تعریف کی رو سے ہم دنیا کے بے شمار مذاہب کا جوہر سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن کئی مذاہب ایسے بھی ہیں (مثلاً ابتدائی بدھ مت اور کنفیوشی مت) جن میں ایمان و عقائد کی چنداں

www.CSSExamPoint.com

اہمیت نہیں اور جن کو ہم زیادہ سے زیادہ ایک با اخلاق زندگی گزارنے کا ضابطہ کہہ سکتے ہیں۔ غالباً اسی کے پیش نظر میتھیو ارنلڈ نے مذہب کو جذبات سے متاثر اخلاق یا جذباتی اخلاق کہا ہے۔ پروفیسر وائٹ ہیڈ لکھتے ہیں ''مذہب اعتقاد کی اس قوت کا نام ہے جس سے انسان کی اندرونی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ مذہب ان صداقتوں کے مجموعہ کا نام ہے جن میں یہ قوت ہوتی ہے کہ وہ انسانی کردار میں انقلاب پیدا کر دیں یہ شرط ہے کہ انہیں خلوص کے ساتھ قبول کیا جائے اور بصیرت کے ساتھ سمجھا جائے۔''

دین اور مذہب

جواب: مذہب کے لغوی معانی:

مذہب عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں راستہ، طریقہ، اعتقاد، مسلک، مشرب۔

مذہب کے مترادفات:

ہندی میں مذہب کے مترادف پنتھ، دھرم اور مت وغیرہ کے ہیں۔ انگریزی میں اسے Religion کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

مذہب مغربی مفکرین کے نزدیک:

مغربی مفکرین نے مذہب کی تعریفات یہ کی ہیں:

1- کانٹ کا کہنا ہے:

''ہر فریضہ کو خدائی حکم تصور کرنا مذہب ہے۔''

2- کال ورٹن کے نزدیک:

''انسان نے قوت کا نام مذہب رکھ لیا ہے جس کے متعلق اس نے یہ عقیدہ بنا لیا ہے کہ اس مذہب کے زور سے وہ کائنات کو مسخر کرے گا۔''

3- پروفیسر وائٹ ہیڈ کہتا ہے:

(ا) انسان جو بھی اپنی ذات کی تنہائی سے کرتا ہے ''مذہب کہلاتا ہے۔''

(ب) مذہب عقیدہ کی اس طاقت کا نام ہے جس سے انسان کو روحانی پاکیزگی ملتی ہے۔

4- بقول شوپنھار:

''مذہب موت کے تصور سے وابستہ ہے۔''

5- ولیم جیمز کا خیال ہے:

''انفرادی اشخاص کے عالم انتہائی کے وہ جذبات، اعمال اور تجربات، جن کے ذریعے وہ خیال کریں کہ ان کا رشتہ اس چیز سے ہے جسے وہ اپنی دانست میں خدا کہتے ہیں، مذہب کہلائے جاتے ہیں۔

6- ہاف ڈنگ کی سوچ ہے:

''مذہب اقدار کی مداومت کا نام ہے۔''

www.CSSExamPoint.com

7- برونائٹ ہیڈ کہتا ہے:

''مذہب عقیدہ کی اس طاقت کا نام ہے جو نہ صرف انسان میں بلکہ اس کے کردار میں انقلاب پیدا کر دیتی ہے، مگر شرط یہ کہ اس کو خلوص کے ساتھ قبول کر لیا جائے اور بصیرت کے ساتھ سمجھ لیا جائے۔''

8- اوسپسکی کہتا ہے:

مذہب ایک انسانی تصور ہے، جس قسم کی انسان کی اپنی سطح ہوگی، اس قسم کا اس کا مذہب ہوگا۔''

9- سالمن رینش کے نزدیک:

''مذہب ان اعتقادات کے مجموعہ کا نام ہے، جو ہماری قدرتی استعداد کے آزادانہ استعمال میں حائل ہوں۔''

10- پروفیسر جیمز ایچ لیوبا کہتا ہے:

(ا) مذہب اس کوشش کا نام ہے جو انسان زندگی کے حقیقی مقاصد کے ادراک کے لیے کرتا ہے۔

(ب) مذہب اس احسان کا نام ہے، جو کسی پاک، بلند تر اور ان دیکھی ذات کا وجود انسان کے دل و دماغ میں پیدا کرتا ہے۔

(ج) مذہب ایک روحانی اور نفسی حالت ہے جس کی بنیاد یہ عقیدہ ہے کہ انسان اور کائنات میں باہم ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

11- میکس کلر کے نزدیک:

مذہب ایک ایسی ذہنی صلاحیت کا نام ہے جس سے انسان غیر محدود طاقت کا ادراک کر سکتا ہے۔

12- فرانڈرچ کے نزدیک:

ہر انفرادی چیز کو ایک عظیم کل کا جز و تصور کرنا اور ہر محدود شے کو لامحدود کا نمائندہ قرار دینا مذہب ہے۔

مذہب کا اصطلاحی مفہوم:

مذہب ایک ایسا راستہ ہے جس پر چل کر منزل مقصود تک رسائی حاصل کر لی جاتی ہے۔ (A PATH TO WALK ON IT)

مذہب کی قرآنی تعلیمات:

مذہب ان ہدایات اور احکامات کا نام ہے جو ضرورتوں کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے اپنے بندوں پر اتارے جس پر چل کر انسان اس دنیا اور آخرت کی زندگی کے کام سنوار سکتا ہے۔ یعنی مذہب انسان کی روح اور جسم کے تمام تقاضوں کی تکمیل کا نام ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ.

''اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں اور آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔''

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ مذہب کا تعلق روح و جسم دونوں سے ہے۔ اسلام میں دین اور دنیا کی دوئی (Dhality) کا تصور بالکل غلط ہے۔ اللہ کا دین انسانی زندگی کا ایک مکمل دستور حیات ہے۔ نظام زندگی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے قرآن مجید نے اس مطلب کو دین، ملت، سبیل، شریعت، ہدایت، صراط اور طریق کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔''

www.CSSExamPoint.com

دین کے لغوی معانی:

عربی لغت کے اندر دین کے مندرجہ ذیل معانی بیان کیے گئے ہیں:

-1	بدلہ	-2	مہتر وغلبہ	-3	تدبیر	-4	مجبوری
-5	گناہ	-6	پرہیزگاری	-7	نافرمانی	-8	فرمانبرداری
-9	ذلت	-10	حساب	-11	قدرت	-12	ملکیت
-13	حکم	-14	مذہب	-15	ملت	-16	حالت
-17	عادت	-18	سیرت				

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ اور دین:

مولانا فرماتے ہیں ''سامی زبانوں کا ایک پرانا مادہ ''دان'' اور ''دین'' ہے جو بدلہ اور مکافات کے معنوں میں بولا جاتا تھا اس کے علاوہ آئین وقانون کے معنوں میں بھی بولا جانے لگا۔ چنانچہ عبرانی اور آرامی میں اس کے کئی مشتقات ملتے ہیں۔ آرامی زبان ہی سے غالباً یہ لفظ قدیم ایران میں بھی پہنچا اور پہلوی میں ''دینیہ'' نے شریعت وقانون کا مفہوم پیدا کرلیا۔ خورداوستا میں ایک سے زیادہ موقع پر یہ لفظ مستعمل ہوا ہے اور زردشتیوں کی پرانی ادبیات میں انشاء وکتابت کے آئین وقواعد کو بھی ''دین دبیرہ'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ زردشتیوں کی ایک مذہبی کتاب کا نام ''دین کارت'' ہے جو غالباً نویں صدی مسیحی میں عراق کے ایک موبد نے مرتب کی پس عربی میں ''الدین'' کے معنی بدلہ اور مکافات کے ہیں خواہ اچھائی کا ہو خواہ برائی کا۔

قانون اور مذہب کے لئے بھی ''الدین'' کا لفظ مستعمل ہوا کیونکہ مذہب کا بنیادی اعتقاد مکافات عمل کا اعتقاد ہے اور قانون کی بنیاد تعزیر وسیاست پر ہے۔ سورۂ یوسف میں جہاں پر واقعہ بیان ہوا کہ ''حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے چھوٹے بھائی کو اپنے پاس روک لیا تھا وہاں فرمایا''

مَا كَانَ لِيَأْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ''

یہاں پر بادشاہ مصر کے دین سے مقصود اس کا قانون ہے۔

لہٰذا ''دین ایک مکمل قانون کا نام ہے جو کسی انسان کا قائم کردہ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ نے وحی کے ذریعے حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا ہو اس دین کا نام اسلام ہے اسلام ایک نظام حیات ہے اس لیے اس کو دین کہنا ہی درست ہے۔

لفظ دین کا قرآن میں استعمال:

-1 اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ قف

بے شک اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے۔ اور فرمایا:

-2 هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ لا

وہی ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث کیا تا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے۔

www.CSSExamPoint.com

3- اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط

آج کے دن میں نے تم پر اپنا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا۔

مذہب اور دین میں فرق:

مغربی مفکرین نے مذہب کی جو تعریفات کی ہیں وہ اسلامی نقطہ نظر سے مختلف ہیں اسلام کے نزدیک دین اور مذہب دو مختلف اشیاء ہیں ان میں سے دین کو کل کی حیثیت حاصل ہے اور مذہب اس کی جزو ہے دین ایک مکمل قانون ہے جو انسانی زندگی کے لئے ضابطہ حیات مقرر کرتا ہے دین ایک ایسا قانون ہے جو حضرت محمد ﷺ پر بذریعہ وحی لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے نازل ہوا یہ دونوں زندگیوں کے لئے مشعل راہ ہے اس پر چل کر انسان دنیا و آخرت میں کامیاب ہو سکتا ہے جبکہ

مذہب ایک شاخ کا نام ہے جو فقہ پر مشتمل ہے دین اسلام میں مہارت رکھنے والے اور قانون کی تشریح کرنے والوں نے قرآن و سنت کی روشنی میں جو اصول مقرر کیے ان کا نام مذہب ہے۔ اسلام میں چار مذاہب مشہور ہیں:

1- حنفی 2- مالکی 3- شافعی 4- حنبلی

مختصر یہ کہ ہر فقیہ کا اپنا مسلک مذہب کہلاتا ہے۔

دین کا مفہوم:

مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ:

دین کا لفظ کلام عرب میں مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے لیکن اس کے سارے استعمالات کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ چار بنیادی تصورات کی ترجمانی کرتا ہے، یعنی

(ا) غلبہ و تسلط، کسی ذی اقتدار کی طرف سے۔

(ب) اطاعت اور بندگی، صاحب اقتدار کے آگے جھک جانے والے کی طرف سے۔

(ج) قاعدہ و ضابطہ اور طریقہ جس کی پابندی کی جائے۔

(د) محاسبہ اور فیصلہ اور جزا و سزا۔ قرآن کی زبان میں لفظ دین ایک پورے نظام زندگی کی نمائندگی کرتا ہے جس کے اجزائے ترکیبی یہ چار ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اس کا اقتدار اعلیٰ؛

۲۔ اس حاکمیت کے مقابلے میں تسلیم و اطاعت؛

۳۔ وہ مکمل نظام فکر و عمل جو اس حاکمیت کے زیر اثر ہے؛

۴۔ جزا و سزا جو اقتدار اعلیٰ کی طرف سے اس نظام کی وفاداری و اطاعت یا اس سے سرکشی و بغاوت کے صلے میں دی جائے۔

قرآن 'دین' کو ایک جامع اصطلاح کی حیثیت سے استعمال کرتا ہے اور اس کی زبان میں اس سے مراد ایک ایسا نظام زندگی ہے جس میں انسان کسی کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کر کے اس کی اطاعت و فرماں برداری قبول کرے۔ اس کے حدود و ضوابط و قوانین کے تحت زندگی بسر کرے۔ اس کی فرماں برداری پر عزت، ترقی اور انعام کا امیدوار ہو اور اس کی نافرمانی پر ذلت و خواری اور سزا سے ڈرے۔ حاکمیت کا یہ مقام خدائے واحد کو حاصل ہے اور اسلام وہ دین ہے جو اس حاکمیت کی اساس پر قائم ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے صحیح طریقہ زندگی قرار دیا ہے۔

www.CSSExamPoint.com

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً ط (المائدہ۔۳)

ترجمہ: ''آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے 'اسلام' (بحیثیت) دین پسند کیا۔''

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران۔۹۹)

ترجمہ: ''بے شک خدا کے نزدیک تو اصل دین 'اسلام' ہے۔''

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْناً فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ ج (آل عمران۔۸۵)

ترجمہ: ''اور جو 'اسلام' کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا اس سے وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔''

www.CSSExamPoint.com

اسلام کے نمایاں پہلو
تصورِ اسلام کی امتیازی خصوصیات
اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات

اسلامی نظریۂ حیات کیا ہے؟

مکمل ضابطۂ زندگی کی حیثیت سے اسلامی تعلیمات کے دو پہلو ہیں: ایک طرف اسلام زندگی کی بنیادی حقیقتوں پر روشنی ڈالتا ہے اور ہمیں بتاتا ہے کہ اس کائنات کی حقیقت کیا ہے، اس میں انسان کا اصل مقام کیا ہے، زندگی کا مقصد کیا ہے اور جو اساسی قانون اس میں کارفرما ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ اسلام بنیادی عقائد کی شکل میں زندگی کی حقیقتوں سے انسان کو روشناس کراتا ہے اور کائنات اور حیات کے بارے میں اسے صحیح زاویۂ نظر عطا کرتا ہے۔ دوسری طرف اسلام زندگی کا مفصل قانون پیش کرتا ہے تاکہ انسان افراط اور تفریط سے بچ کر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اعتدال و توازن کی بنیادوں پر استوار کرے اور کامیاب و کامران رہے۔ عقائد اور ضابطۂ عمل کے اس مجموعے کا نام 'اسلامی نظریۂ حیات' ہے اور علوم عمرانی کی اصطلاح میں عقائد اور ضابطۂ عمل کے اسی مجموعے کو 'آئیڈیولوجی' کہا جا سکتا ہے۔ جدید عمرانی لٹریچر میں یہ لفظ ایک ایسے ضابطۂ فکر و عمل اور اجتماعی پروگرام کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے جو اپنی فکری اور فلسفیانہ بنیادیں رکھتا ہو اور سیاست اور تمدن و معاشرت کے لیے بھی ایک واضح لائحۂ عمل پیش کرتا ہو۔ 'لغت فلسفہ' میں ڈاکٹر جارج بواس اس کی یہ تعریف کرتے ہیں:

''عام نظریات کا کوئی ضابطہ یا کوئی ایسا پروگرام جس کی اساس فکر و فلسفہ پر ہو۔''

اس طرح مشہور ماہر لسانیات ویبسٹر اس کی یہ تعریف کرتا ہے:

''کسی تہذیبی، سیاسی یا معاشرتی تحریک کے عام منصوبے یا لائحۂ عمل کا علمی بیان۔''

ان تعریفات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نظریۂ حیات سے کسی تحریک یا نظامِ تمدن کی فکری بنیادیں اور ان سے ماخوذ تہذیبی، سیاسی اور معاشرتی پروگرام و لائحۂ عمل مراد ہے اور جب ہم 'اسلامی نظریۂ حیات' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو اس سے وہ نظامِ فکر اور وہ تہذیبی اور تمدنی لائحۂ عمل مراد ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے۔ نظریۂ حیات کی اصل خصوصیت ہی یہ ہے کہ وہ اپنے خاص نظامِ فکر کی روشنی میں زندگی کے مختلف شعبوں کے متعلق رہنمائی کرتا ہے اور جس طرح ہار کے موتیوں کو ایک سرِشتہ باہم منسلک کر دیتا ہے اسی طرح ہر نظریۂ حیات کی ایک مشترک روح زندگی کے تمام شعبوں کے پروگراموں کو جوڑ کر ایک وحدت بنا دیتی ہے۔ ہر شعبے میں یہی ایک روح اور فکر کارفرما ہوتی ہے۔ اس طرح ایک مکمل ضابطۂ فکر و عمل رونما ہوتا ہے جس میں زندگی کی حقیقی وحدت جلوہ گر ہوتی ہے۔ اس کے نتیجے میں حیاتِ انسانی کے تمام پہلوؤں میں یک رنگی اور ہم آہنگی رونما ہوتی ہے اور اس یک رنگی سے زندگی میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں ایمان اور عمل صالح دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ آتا ہے اور ایک کے بغیر دوسرا دراصل نامکمل رہتا ہے۔

۱۔ الہامی نظامِ حیات:

اسلامی نظریۂ حیات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک ایسا نظامِ حیات پیش کرتا ہے جو محض عقلِ انسانی کی کوششوں کا نتیجہ نہیں بلکہ ربانی ہدایت پر مبنی ہے۔ اسلام کسی انسان کے ذہن کی تخلیق نہیں بلکہ اسی خالق کی طرف سے آیا ہوا نظامِ حیات ہے جس نے زمین و آسمان اور خود انسان کو پیدا کیا ہے اور جو ماضی، حال اور مستقبل سے بہ خوبی واقف ہے۔

www.CSSExamPoint.com

یہ کائنات کوئی اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ اس کا ایک خالق ہے جس نے انسان کو یہاں اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے۔ اس نے جہاں انسان کی مادی اور جسمانی ضروریات کی تکمیل کا سامان کیا ہے وہیں اس کی روحانی، اخلاقی اور تمدنی ضروریات کی تکمیل کا بھی پورا خیال رکھا ہے۔ اسی مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے بار بار انبیاء ورسل بھیجے کہ وہ الہامی ہدایت کی روشنی میں انسانوں کو صحیح راستہ دکھائیں۔ قرآن میں اس کو اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان کہا گیا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان کیا ہے کہ ان میں انہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیا جو انہیں آیات پڑھ کر سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی علیم دیتا ہے۔'' (آل عمران۔۱۶۴)

پیغمبر کا کام ایک طرف تو یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب لوگوں تک پہنچائیں اور دوسری طرف یہ کہ وہ خود ان تعلیمات کو اپنی زندگی میں اپنا کر لوگوں کے سامنے اس کا نمونہ پیش کریں۔ اسی لیے اسلامی نظام حیات کے اولین ماخذ دو ہیں ایک قرآن اور دوسرا سنت رسول اللہ ﷺ۔ قرآن ہمارے پاس کتاب کی شکل میں موجود ہے اور سنت کو ہم قرآن، تواتر، احادیث اور عمل صحابہ کے ذریعے سے معلوم کرتے ہیں۔

اسلامی نظریۂ حیات کی یہی خصوصیت اسے باقی تمام نظریات سے مختلف اور ممتاز کر دیتی ہے۔ اس نظام میں کسی کے لیے اپنی طرف سے کسی بات کے بڑھانے گھٹانے کی گنجائش نہیں۔ اس کے تمام بنیادی اصول غیر متبدل ہیں، اگر ساری دنیا کے مسلمان مل کر بھی ان اصولوں میں کوئی تغیر کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اسلام وہ کچھ ہے جو مسلمان کرتے ہیں، تو یہ بالکل غلط بات ہے۔ اگر ساری دنیا کے مسلمان مل کر بھی کوئی ایسا کام کریں جس کا جواز قرآن یا سنت سے نہ ملتا ہو تو وہ عمل اسلامی نہ ہوگا۔

الہامی ہدایت کا دعویٰ تو تمام مذاہب کرتے ہیں لیکن موجودہ دور میں اسلام کے سوا کسی الہامی مذہب کی تعلیمات محفوظ نہیں، کچھ تو اس وجہ سے کہ وہ مذاہب اس زمانے کے ہیں جب تحریر کے ذریعے چیزیں محفوظ نہ ہو سکتی تھیں، اور کچھ اس وجہ سے کہ بعد میں ان مذاہب کے پیروؤں نے ان میں بے شمار تبدیلیاں کر دیں اور اپنی من مانی چیزیں داخل کر دیں۔ ان میں سے کوئی مذہب اپنی اصل شکل میں محفوظ نہیں، اس بنا پر درحقیقت اسلام موجودہ دنیا کا واحد الہامی مذہب ہے۔

۲۔ ایک مکمل ضابطۂ زندگی:

اسلام کی سب سے نمایاں اور امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہ زندگی کا نہایت منظم ضابطہ ہے۔ حیات انسانی کا کوئی گوشہ خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، قومی ہو یا بین الاقوامی، معاشی ہو یا سیاسی، معاشرتی ہو یا قانونی، اسلام کی ہدایات سے محروم نہیں رہا۔ اکثر اوقات یہ غلط فہمی پھیلائی جاتی ہے کہ مذہب انسان کا شخصی اور انفرادی معاملہ ہے۔ دوسرے مذاہب کے بارے میں تو یہ بات صحیح ہو سکتی ہے لیکن اسلام ان معنوں میں مذہب نہیں۔ قرآن میں اس کے لیے 'دین' کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے جس کے معنی ہیں مکمل ضابطۂ ہدایت اور اس اعتبار سے اسلام کو محض نماز روزہ تک محدود کر دینا صحیح نہیں۔ اس بات کو اچھی طرح نہ سمجھنے کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بہت سے اچھے بھلے لوگ جو نماز روزہ کے پابند ہیں اپنی زندگی کے دوسرے شعبوں میں اسلام کے نفاذ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ قرآن نے کہا ہے:

www.CSSExamPoint.com

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ

ترجمہ: ''اے اہل ایمان، اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔'' (البقرہ۔ ۲۰۸)

اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک مسلمان کی زندگی کا ہر رخ خدا کی مرضی کے مطابق متعین ہوتا ہے اور وہ اپنی زندگی کے ہر دائرے میں، اپنے سارے افعال و اعمال میں اور اپنے کل معاملات و تعلقات مین خدا کی ہدایت کی پیروی کرنے والا ہوتا ہے۔ اس کی خلاف ورزی کو شیطان کی پیروی قرار دیا گیا ہے اس لیے کہ شیطان ابتداً خدا کا پرستار تھا لیکن جب اسے ایک ایسا حکم دیا گیا جو اس کے نفس پر گراں گزرا (یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا) تو اس نے انکار کر دیا اور گمراہی کا شکار ہوا۔

۳۔ ایمان اور نفس کی اصلاح:

اسلامی نظریۂ حیات کی تیسری خصوصیت ایمان ہے، ایمان خدا پر، اس کے رسولوں پر اور زندگی بعد موت پر۔ یہی ایمان اس کی فکری اور فلسفیانہ بنیاد ہے۔

درحقیقت انسان اپنے شعور ہی کی بنا پر جمادات و نباتات اور حیوانات سے ممیز ہے، درختوں کے نشو و ارتقا کا ایک راستہ متعین ہے اور وہ اس سے بھی نہیں ہٹ سکتے، دریاؤں کے بہنے کا ایک قانون متعین ہے اور وہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے۔ حیوانات اپنی جبلتوں کے تابع ہیں، لیکن ان سب کے برخلاف انسان کو شعور اور ارادہ کی دولت سے نوازا گیا ہے۔

اسلامی نظریۂ حیات انسان کے اس شعور اور آزادی کے اعتراف پر مبنی ہے۔ اس لیے اس کا نقطۂ آغاز ایمان ہے۔ ایمان سے مراد فکر و نظر اور دل و دماغ کی تبدیلی ہے تاکہ انسان کا زاویہ نگاہ اور سوچنے کا انداز بدل جائے اور وہ اپنی پوری زندگی کو خدا کی اطاعت کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے سرگرم ہو جائے۔

خدا کی ہدایت سے ہٹ کر جتنے بھی فلسفے وضع کیے گئے ہیں ان کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ انسانی زندگی میں محض خارج کی تبدیلی سے انقلاب لانا چاہتے ہیں اور انسان کے اندرونی سے تعرض نہیں کرتے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے فساد خون کا تو علاج نہ کیا جائے اور پھوڑے پھنسیوں پر پھائے لگا لگا کر مرض دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس کے برخلاف اسلام بنیاد کی تعمیر پر زیادہ زور دیتا ہے۔ وہ دل و دماغ سے غیر اللہ کی عقیدت و محبت ختم کر کے ایمان کو خدا کے لیے خالص کر لیتا ہے اور پھر جب ایمان پیدا ہو جاتا ہے اور سوچنے کا انداز اور فکر و نظر کے زاویے بدل جاتے ہیں تو انسان کی پوری شخصیت بدل جاتی ہے۔

۴۔ دین و دنیا کی وحدت:

اسلامی نظریۂ حیات کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس نے دین و دنیا کی اس مصنوعی علیحدگی کو ختم کر دیا جو مختلف مذاہب میں رائج ہے۔ اکثر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ خدائی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان دنیوی علائق سے کنارہ کشی اختیار کرے۔ اکثر مذاہب میں ترک دنیا کی تعلیم ملتی ہے۔ لیکن اسلام میں ترک دنیا کی بڑی شدت سے مخالفت کی گئی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

لا رهبانية في الاسلام

ترجمہ: ''اسلام میں ترک دنیا کا کوئی مقام نہیں۔''

www.CSSExamPoint.com

نہ صرف یہ کہ اسلام میں ترک دنیا کی ممانعت ہے بلکہ ان اعمال کو جنہیں عام طور پر دنیاوی اور مادی سمجھا جاتا ہے، مثلاً اکتساب رزق، عیال، اسلام نے باعث اجر وثواب بتایا ہے، ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ ''جو شخص والدین کے لیے محنت کرتا ہے وہ اللہ کی راہ میں کام کرتا ہے اہل وعیال کے لیے محنت کرتا ہے وہ بھی اللہ کے لیے کام کرتا ہے اور جو اپنی ذات کو فقر وفاقہ سے بچانے کے لیے کام کرتا ہے وہ بھی اللہ کی راہ میں کام کرتا ہے۔'' جو کام اللہ کی مرضی کے مطابق اور اس کی راہ میں کیا جائے 'عبادت' ہے لہٰذا طلب رزق اور پرورش عیال بھی اپنے وسیع مفہوم میں عبادت ہیں میں مصروف ہونا باعث اجر اور ان سے غفلت برتنا باعث عذاب ہے۔

اپنی دنیاوی بہتری سے غفلت برتنا اور یہ سمجھنا کہ اس طرح انسان اپنی آخرت سنوار رہا ہے، غلط ہے۔ جن مذاہب نے یہ تعلیم دی ہے کے بارے میں صحیح کہا گیا ہے کہ وہ مذاہب عوام کی افیون ہیں۔ اسلام نے اس کے برخلاف حکم دیا ہے کہ

وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا

ترجمہ: ''اور دنیا سے اپنا حصہ لینا نظر انداز نہ کرو (نہ بھولو)۔'' (القصص۔۷۷)

اسلام یہ بتاتا ہے کہ دنیوی زندگی اور اخروی زندگی دونوں کی اصلاح ضروری ہے، ان میں سے کسی کو بھی ترک نہیں کیا جا سکتا اور ان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اسی لیے مسلمانوں کو جو دعا سکھائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ O

ترجمہ: ''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بہترین اجر دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔'' (البقرہ)

اسلام نے جو ہمہ گیر نظام زندگی پیش کیا ہے وہ انسان کی دنیاوی فلاح کا بھی اتنا ہی ضامن ہے جتنا آخروی فلاح کا۔ اگر انسان اس دنیاوی زندگی کو الہامی ہدایت کے تحت گزارے تو دنیاوی زندگی کا یہ سنوار آخروی زندگی کے سنوار کا راستہ ثابت ہوگا۔

۵۔ انفرادیت یا اجتماعیت:

اسلام کی ایک اور اہم امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اجتماعیت اور انفرادیت کے درمیان بڑا توازن قائم رکھتا ہے۔ وہ ہر انسان کو فرد فرد ذمہ دار ٹھہرا کر خدا کے سامنے مسئول بناتا ہے، ان کے بنیادی حقوق کی ضمانت دیتا ہے، ان کی شخصیت کے نشوونما کے مواقع فراہم کرتا ہے اور اس کی شدت سے مخالفت کرتا ہے کہ افراد کی شخصیت، اجتماعیت یا ریاست میں گم ہو جانی چاہیے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ O وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ O

ترجمہ: ''اور جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی تو وہ اسے اپنی نگاہوں کے سامنے پائے گا اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی تو وہ اسے بھی دیکھے گا۔'' (سورہ الزلزال)

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ.

ترجمہ: ''اس کے لیے (فائدہ مند) وہ ہے جو اس نے کمایا ہے اور وہ (اسی گناہ کا بوجھ) برداشت کرے گا جس کا خود اکتساب ہوگا۔'' (البقرہ۔۲۸۶)

لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اسلام، افراد میں اجتماعی ذمہ داری کا احساس پیدا کرتا ہے، افراد کو ریاست اور سماج کی شکل میں منظم کرتا ہے ان کو حکم دیتا ہے کہ وہ معاشرے کی بھلائی کے لیے کام کریں۔ رہبانیت یا معاشرے سے الگ تھلگ رہنے کو اسلام نے پسند نہیں کیا۔ نماز کے لیے جمعہ

www.CSSExamPoint.com

گیا ہے کہ باجماعت ہوتا کہ مسلمانوں میں سماجی تنظیم (ڈسپلن) پیدا ہو سکے۔ مالداروں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا کریں اور قرآن میں مسلمانوں کی ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کی دولت میں فقراء اور مساکین کا بھی حصہ ہوتا ہے (۵۱/۱۹)۔ مسلمانوں پر فریضہ جہاد عائد کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت پڑنے پر افراد سے اسلام اور اسلامی ریاست کے تحفظ کے لیے جان کی قربانی بھی طلب کی جا سکتی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

كلكم راع و كلكم مسؤل عن رعيته

ترجمہ: ''تم میں سے ہر ایک چرواہے (کی مانند ہے) اور ہر ایک سے اس کے گلے کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔''

ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا کہ ''مل جل کر رہو، ایک دوسرے سے مت کٹو، دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرو، مشکلات پیدا نہ کرو۔''

ایک اور حدیث میں تہدید کی گئی کہ ''وہ مسلمان نہیں جو اپنا پیٹ بھر لے لیکن اس کا پڑوسی بھوکا رہ جائے۔''

مختصراً اسلام نہ تو فرد کو نظر انداز کرتا ہے اور نہ سماج کو، وہ ان دونوں میں توازن اور تناسب قائم کر کے ہر ایک کو اس کا حق دلواتا ہے۔

۶۔ مکمل توازن:

اوپر کے صفحات میں اسلامی نظریۂ حیات کی جن خصوصیات کا ہم نے تذکرہ کیا ہے ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس نظریے کی سب سے نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس میں زندگی کے مختلف پہلوؤں کے درمیان ایک حسین توازن پایا جاتا ہے۔ تاریخ کے طالب علم اس بات سے واقف ہیں کہ دنیا میں مفکر، فلسفی اور مصلح تو ہزاروں لاکھوں ہوئے ہیں لیکن ان کی تعلیمات میں یک رخاپن ہے۔ کسی نے روحانی پہلو پر زور دیا ہے تو مادی پہلو کو نظر انداز کر دیا اور کسی نے مادی پہلو پر توجہ صرف کی ہے تو اخلاقی پہلو کو چھوڑ دیا۔ کسی نے معاشیات کو زندگی کی اساس قرار دیا ہے اور کسی نے نفسیات اور جنس کو۔ کسی نے دنیا کے ترک کی تعلیم دی ہے اور کسی نے دنیا میں کھو جانے کی۔ غرض انسان جس چیز میں سب سے زیادہ ناکام رہا ہے وہ حقیقی توازن کا قیام ہے۔

نظری حیثیت سے اگر غور کیا جائے تو توازن کا مسئلہ ہے بھی بڑا نازک اور پیچیدہ۔ انسان میں اتنی جبلتیں اور محرکات کارفرما ہیں اور وہ ایک دوسرے سے اس طرح مصادم اور متناقض ہیں کہ وہ ان کے درمیان حقیقی توازن قائم نہیں کر سکتا۔ وحی کی ضرورت خصوصیت سے اس لیے ہے کہ اس کے ذریعہ وہ حدود معلوم ہو جاتی ہیں جن کی بنا پر زندگی کے تمام شعبوں اور اس کے متضاد مطالبوں کے درمیان توازن اور توافق قائم ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ط

ترجمہ: ''ہم نے اپنے رسول واضح نشانیاں دے کر بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب (قانون حیات) اور میزان (عدل) نازل کیا تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔'' (الحدید۔۲۵)

''قسط'' دراصل انصاف اور توازن کو کہتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ انسانی معاشرے میں عدل و توازن صرف الہامی ہدایت ہی کے ذریعے سے قائم ہو سکتا ہے۔ اسلام نے دین اور دنیا کے درمیان توازن قائم کیا ہے اور کسی ایک کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔

حضورؐ کا ارشاد ہے: ''میں تو سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، عائلی زندگی بھی گزارتا ہوں، اس اللہ سے ڈرو۔ تمہارے نفس کا تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے، تمہارے اہل و عیال کا تم پر حق ہے، تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے۔ ہر حق اس کے حق دار کو ادا کرو (میری ہدایت یہ ہے کہ) روزہ بھی رکھو، افطار بھی کرو، نماز بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو۔''

www.CSSExamPoint.com

اس طرح اسلام نے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے درمیان حسین ترین توازن قائم کیا اور ایک طرف فرد کی شخصیت کے نشوونما کا سامان کیا تو دوسری طرف اسے اجتماعی ذمہ داری کے ایک نظام میں منظم کر دیا، زندگی کے سارے شعبوں کے متعلق مفصل ہدایات دے کر ان تمام شعبوں اور گوشوں کے درمیان اعتدال اور توازن قائم کر دیا۔ اسلام نے وسائل کے استعمال میں کنجوسی اور اسراف دونوں کی ممانعت کر کے معاشی زندگی میں اعتدال کی روش کی تلقین کی۔ اور پوری زندگی کے لیے حضور ﷺ نے یہ ہدایت دی کہ

خیر الامور اوسطها

ترجمہ: ''ہر ایک کام میں اوسط اور درمیانہ درجہ بہت ہی اچھا ہے۔''

آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ اعتدال نبوت کا ایک حصہ ہے۔ یہ امتیاز صرف اسلامی نظریے کو حاصل ہے کہ اس نے زندگی کے تقاضوں کو پورا کیا اور ان میں اعتدال اور توازن قائم کیا تا کہ انسانی زندگی اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ ترقی کر سکے اور کہیں بھی اس میں یک رخا پن اور بے اعتدالی نہ پیدا ہو۔

۷۔ سادہ اور عقلی مذہب:

اسلام ان مذاہب میں سے ہے جن میں ضمیات کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ اس کی تعلیمات سادہ اور قابل عمل ہیں۔ توحید رسالت اور زندگی بعد موت اس کے بنیادی عقائد ہیں اور عقل و وجدان دونوں ان کی تائید میں ہیں۔ اسلام میں پیشہ ور پادریوں کا کوئی گروہ نہیں ہے اس کی رسوم و عبادات اس درجہ سادہ اور قابل فہم ہیں کہ انہیں ہر شخص سرانجام دے سکتا ہے۔ خدا اور اس کے بندے کے درمیان کسی واسطے کی ضرورت نہیں، ہر شخص خدا کی کتاب سے براہ راست استفادہ کر کے یہ جان سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے کن باتوں کا مطالبہ کیا ہے۔

اسلام اندھی بہری اطاعت کا مطالبہ نہیں کرتا۔ قرآن میں لوگوں کو بار بار اس بات پر ابھارا گیا ہے کہ وہ تفکر اور تعقل کی قوتوں کو استعمال کریں۔ مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ خدا سے دعا کریں ''رب زدنی علما'' (اے اللہ! میرے علم کو وسیع کر)۔ قرآن میں کہا گیا ہے کہ ''وہ لوگ جو عقل سے کام نہیں لیتے جانوروں سے بھی بدتر ہیں'' (۹:۳۴)۔ آنحضرت ﷺ نے حصول علم کی بڑی تاکید کی ہے۔ مثلاً آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''ہر مسلمان پر حصول علم فرض ہے'' اور یہ کہ ''جو شخص حصول علم کی خاطر گھر سے نکلتا ہے خدا کی راہ میں چلتا ہے۔'' انہی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ عرب جو حضور رسالت مآب ﷺ سے قبل جاہل اور وحشی تھے، دیکھتے ہی دیکھتے علم اور تہذیب کے علم بردار بن گئے۔ ان علوم میں بے شمار وہ ہیں جو محض کتاب اللہ کے رہین منت ہیں، مثال کے طور پر قرآن کی تفسیر کے ساتھ ساتھ علم لغت اور بلاغت اور اعجاز القرآن پیدا ہوا۔ قرآن میں جن مقامات کا ذکر ہوا ہے ان کی تفتیش کے سلسلے میں علم جغرافیہ کو ترقی ہوئی۔ قرآن میں بے شمار تاریخی واقعات کا ذکر ہے، جن کی تحقیق کی وجہ سے علم تاریخ کا چرچا ہوا۔ اسی طرح منطق، بلاغت، فقہ وغیرہ کے علوم کو بڑی ترقی ہوئی۔ غرض، دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں نے قرآن سے فیض حاصل کرتے ہوئے علوم و فنون کی تاریخ میں ایک نیا باب کھول دیا اور سب سے بڑھ کر دنیا کو استقرائی طریقے سے روشناس کیا، یہی وجہ ہے کہ اس دور میں جسے یورپ کی تاریخ میں تاریک دور کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے علم و تہذیب کی شمعیں صرف مسلمانوں کی وجہ سے روشن رہیں۔

۸۔ ثبات اور تغیر:

اسلام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں ثبات اور تغیر کے درمیان کامل توازن قائم کیا گیا ہے۔ انسانوں نے آج تک بے شمار فلسفے وضع کیے ہیں لیکن کوئی فلسفہ بھی ایسا نظام فکر و عمل پیش نہ کر سکا جو اپنے اصول معاشرت پیش کرے جو دائمی اور ابدی ہوں اور دوسری طرف انسانی معاشرے کی بدلتی ہوئی ضروریات کو بھی پورا کرتے ہوں۔ انسان کے لیے محض اپنی فکر اور تجربے کی بنا پر ایسے اصول پیش کرنا ممکن بھی نہیں؛ زمان و مکان کی جو مجبوریاں انسان کو لاحق ہیں ان کی بنا پر وہ اس کے لیے نااہل ہے۔ یہ اسلامی نظریۂ حیات کی خصوصیت ہے کہ جہاں وہ ایک طرف زندگی کے ابدی اصول

www.CSSExamPoint.com

پیش کرتا ہے وہیں انسانی معاشرے میں جو فطری تغیرات آتے رہتے ہیں ان سے پیش آمدہ مسائل کا حل بھی فراہم کر دیتا ہے۔

قرآن وسنت کے دیے ہوئے اصول ابدی ہیں، پوری انسانیت بھی متفقہ طور پر ان میں کوئی تبدیلی کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی اس لیے کہ یہ ہدایت خالق کی طرف سے ہے:

لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ط

ترجمہ: ''اللہ کی باتوں میں تبدیلی نہیں ہوتی۔'' (یونس:۶۴)

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا O (الاحزاب:۶۲)

ترجمہ: ''تم خدا کی سنت میں تبدیلی نہ پاؤ گے۔''

یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظریۂ حیات ابدی صداقت کا حامل ہے اور اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ زندگی کی بدلتی ہوئی ضروریات کا کیسے ساتھ دے۔ اس کا جواب مختصراً یہ ہے:

(الف) اسلام نے وہ بنیادی اور اساسی اصول دیے ہیں جو ہر زمانے کے لیے ہیں اور چوں کہ وہ اصول انسانی فطرت کے مطابق ہیں لہٰذا جب تک خود انسانی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ان اصولوں میں تبدیلی کا کوئی سوال نہیں۔ اس دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ کچھ ضوابط کے ماتحت ہے اور تہذیبوں کے عروج وزوال اور ماہ وسال کی آمد ورفت کے باوجود حیات انسانی بنیادی حقیقتیں ایک ہی ہیں۔ ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہو رہی ہے اور چونکہ اسلام انہی بنیادی اصولوں کے مطابق ہے لہٰذا اس کے قوانین میں کسی تبدیلی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

(ب) لیکن یہ اصول صرف انفرادی اور اجتماعی زندگی کی بنیادیں فراہم کرتے ہیں اور ان اساسی اداروں کو قائم کرتے ہیں جن پر زمان ومکان کے تغیرات کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ رہیں وہ چیزیں جن کا تعلق وقت، موسم اور مقامی حالات وغیرہ سے ہے ان سے یہ تعرض نہیں کرتے، اور ہر زمانے کے لوگوں کو شریعت کی مجموعی تعلیمات کی روشنی میں تفصیلات طے کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر اسلام نے لباس میں ستر کا تعین کر دیا ہے، اسراف سے منع کیا ہے اور چند دیگر حدود مقرر کر دی ہیں۔ اب ان حدود کی روشنی میں ہر زمانے اور ہر ملک کے لوگ حسب پسند لباس اختیار کر سکتے ہیں۔ اسی طرح معاشرت، معیشت اور سیاست میں بھی بنیادی اصول اور اساسی ادارے قائم کرنے کے بعد شریعت مسلمانوں کو آزاد چھوڑ دیتی ہے کہ پیش آنے والے مسائل کو اسلام کی مجموعی ہدایت کی روشنی میں اپنے اجتہاد سے طے کریں۔

(ج) اسلامی نظریۂ حیات کی اصل دلچسپی انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے ہے۔ قرآن انسان کی ہدایت کے لیے آیا ہے، طبیعات وکیمیا کے مسائل بیان کرنے کے لیے نہیں آیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظریۂ حیات علوم طبعی کے مسائل سے تعرض نہیں کرتا اور انہیں انسان کے تجربے اور مشاہدے پر چھوڑ دیتا ہے۔ جہاں کہیں اس قسم کا کوئی ذکر ہوا ہے وہ تذکیر اور موعظت کے لیے ہے نہ کہ کسی طبعی اصول کو فنی نقطہ بیان کرنے کے لیے۔ اسلامی نظریۂ حیات کے اس طرز فکر نے مذہب اور سائنس کے درمیان اس قسم کے تصادم کے امکانات ہمیشہ کے لیے ختم کر دیے ہیں جو یورپ میں رونما ہوا تھا۔

مندرجہ بالا بحث سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام میں ثبات اور تغیر کے تقاضوں کو کس مناسبت اور خوبی سے پورا کیا گیا ہے، اور اسی بنا پر یہ نظریۂ حیات بالاتر ہے۔

۹۔ اصلاحی اور انقلابی تحریک:

اسلامی نظریۂ حیات محض ایک نظری اور فلسفیانہ نظام نہیں ہے جو اسلام قبول کرنے والوں کے صرف ذہنوں میں رہے بلکہ ایک اصلاحی اور انقلابی تحریک بھی ہے جس کا مطالبہ یہ ہے کہ اسے دنیا میں رائج کیا جائے اور غلبہ اور اقتدار خدا کے دین کو حاصل ہو:

www.CSSExamPoint.com

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ○

ترجمہ: ''وہی (پاک ذات) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے تمام دیگر ادیان پر غلبہ عطا کرے خواہ یہ مشرکین کو کتنا ہی نا گوار کیوں نہ گزرے۔''
(الصف۔۹)

نبی اکرم ﷺ نے دنیا کے سامنے محض ایک پیغام پیش کر دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نظام کو قائم کرنے کے لیے، جس کے آپ ﷺ داعی تھے، مسلمانوں کو ایک اجتماعی زندگی میں منظم کیا، خود ان کی زندگیوں میں یہ دین قائم کیا اوان پر یہ فریضہ عائد کیا کہ پوری دنیا میں اس دین کو قائم کریں۔ امت مسلمہ کا یہی فریضہ ہے جسے قرآن نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر (نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا) کے نام سے موسوم کیا ہے:

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ

ترجمہ: ''تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے میدان میں لائی گئی ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو۔'' (آل عمران۔۱۱۰)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی نظریۂ حیات اپنے قیام کے لیے ایک نظام بھی ترتیب دیتا ہے اور اس طرح ایک ایسی اجتماعی ہیئت قائم کرتا ہے جو ایک طرف اس کے سماجی پروگرام کی تنفید کرے اور دوسری طرف پوری انسانیت کے سامنے اس کی دعوت کو پیش کرے۔ اسلامی تحریک ایک تبلیغی اور تعلیمی ادارہ ہے اور جو ریاست اور نظم یہ قائم کرتا ہے وہ بھی اصلاً معلم اور داعی الی الحق کے فرائض انجام دیتا ہے۔

اس طرح اسلام محض ایک مذہب نہیں بلکہ ایک اصلاحی اور انقلابی تحریک ہے جو نیکیوں کو قائم کرنے اور بدی کو روکنے کی جدوجہد کرتی ہے اور خدا کی زمین پر سے ظلم، ناجائز انتفاع، جبر و تشدد اور فحاشی و گمراہی کو مٹا کر گلشن حیات کو اچھائیوں سے بھر دیتی ہے اور ایک ایسا نظام قائم کرتی ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ میں، زمین اپنے خزانے اگل دیتی ہے اور آسمان اپنی برکتیں برسانے لگتا ہے۔

اسلامی عقائد کے انفرادی واجتماعی زندگی پر اثرات اور اساس دین/دین کی بنیادیں

اسلام کے بنیادی عقائد

عقیدہ سے مراد:

عقیدہ سے مراد گرہ لگانا نیز کسی بات پر پختہ یقین کر لینا ہے مثلاً یہودی اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ ہندو آواگون پر پختہ یقین رکھتے ہیں یعنی مرنے کے بعد روح اپنے کرموں (اعمال) کے مطابق بار بار جنم لیتی ہے اگر اچھے کام کیے ہوں تو انسان کی جون میں اور برے کام کیے ہیں تو اپنے سے کم ذات یا جانوروں کی جون میں انسان جنم لیتا رہتا ہے۔ بدھ مت کے نزدیک دیندار کی منزل مقصود یہ ہے کہ وجود کی قید سے نکل کر سراپا راحت عدم و جود (نروان) میں پہنچ جائے۔ فرد ایسے عناصر سے بنا ہے جو اس سے پہلے موجود تھے اور پھر اس کے مرنے پر منتشر ہو جاتے ہیں اور جو دوبارہ اسی شکل میں مرتب کیے جاسکتے ہیں۔ پارسی ثنویت کے قائل ہیں یعنی ان کے نزدیک دنیا میں نیک و بد دو قوتیں کارفرما ہیں یزداں اور اہرمن۔

ان عقائد میں خالق کائنات پر الزامات لگانے سے گریز نہیں کیا گیا کہیں حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہا گیا ہے تو کہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب کہ اہل اسلام کا پختہ اور غیر متبدل عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اپنی ذات اور صفات میں یکتا ہے ساری مخلوق اسی کے حکم کے تابع ہے اور کسی بھی انسان کو اس پر کوئی اختیار نہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے پتا بھی اس کے حکم کے بغیر ہل نہیں سکتا۔ زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے وہ اس کا خالق اور مالک ہے اور زمین و آسمان کا غیب صرف اسی کو ہے۔

بدھ اور ہندو عقیدۂ آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔ ان کے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ انسان کو کیسے دوبارہ زندہ کرے گا جب کہ وہ خاک میں مل کر خاک ہو چکا ہوگا لیکن اسلام اس کی نفی کرتا ہے۔

اسلام کے بنیادی عقائد:

جہاں تک بنیادی عقائد کا سوال ہے تو اسلام کے بنیادی عقائد کی تعداد پانچ ہے یعنی

1- اللہ تعالیٰ پر ایمان
2- رسولوں پر ایمان
3- فرشتوں پر ایمان
4- آسمانی کتابوں پر ایمان
5- آخرت پر ایمان

یہ وہ بنیادی عقائد ہیں کہ اگر ایک مسلمان ان میں سے کسی ایک کو بھی تسلیم نہ کرے تو وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ان بنیادی عقائد پر صمیم قلب کے ساتھ ایمان لانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

عن عمر بن الخطاب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حين سئل عن الإيمان ان تؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الاخر وتؤمن بالقدر خيره وشره.

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ سے جب ایمان کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو ایمان رکھے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور یوم آخر پر اور تو ایمان رکھے اچھی اور بری تقدیر پر (مسلم)

www.CSSExamPoint.com

اس حدیث شریف میں رسول کریم ﷺ نے ایمان کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ اسے اجزائے ایمان یا بنیادی عقائد بھی کہا جاتا ہے۔ ایمان لانے یا ایمان رکھنے سے مراد ہے پختہ یقین اور اعتقاد رکھنا، اعتماد اور بھروسہ کرنا۔ حدیث زیر تشریح کے مطابق مومن کے لیے چھ حقیقتوں پر پختہ یقین رکھنا ضروری ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ اللہ پر ایمان:

اسلام میں ایمان کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے چنانچہ قرآن حکیم میں اخروی نجات کے لیے دو چیزوں کو ضروری قرار دیا گیا ہے، ایمان اور عمل صالح اور ہر جگہ ایمان کو عمل صالح پر مقدم رکھا گیا ہے اور کئی مقامات پر واضح طور پر بیان فرمایا گیا ہے کہ ایمان کے بغیر اعمال کی کوئی وقعت اور حیثیت نہیں اور اجزائے ایمان میں سب سے اہم ایمان باللہ ہے۔ اللہ پر ایمان ہوگا تو باقی پانچ حقیقتوں پر بھی ہوگا اور اگر اللہ پر ایمان نہیں تو کسی بھی حقیقت پر ایمان نہیں کیونکہ فرشتے، کتابیں اور رسول اسی کے ہیں اور آخرت میں بھی اسی نے جزا و سزا دینی ہے۔

اللہ پر ایمان رکھنے سے مراد ہے اس کے وجود کو حقیقت یقین کرنا، صرف اسی کو کائنات کا خالق، مالک اور مدبر اور لائق عبادت ماننا اور اس کے سوا کسی اور کو معبود نہ ماننا۔ اس کی ان تمام اعلیٰ صفات پر یقین رکھنا جن کا قرآن حکیم میں ذکر آیا ہے اور یہ یقین رکھنا کہ جیسے وہ اپنی ذات میں یکتا ہے ویسے ہی اپنی صفات میں بھی یکتا ہے۔ اس کی قدرت لامحدود ہے اور اس کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ مومن میں اللہ کا یہ شعور بہت واضح طور پر ہر وقت موجود رہنا چاہیے اور اس پر ہمیشہ مکمل بھروسہ رکھنا چاہیے کہ وہ ہر نیک کام میں اور مشکل کی ہر گھڑی میں اس کی مدد کرے گا اور اس کے سوا اس کا کوئی اور مددگار نہیں ہے۔

۲۔ فرشتوں پر ایمان:

فرشتے اللہ تعالیٰ کی نورانی مخلوق ہیں۔ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں، اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتے ہیں اور اس کے احکام بجالاتے ہیں۔ اللہ کی اس طاقتور مخلوق پر ایمان رکھنے سے نیک انسان کو مزید حوصلہ ملتا ہے کیونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم پر اس کے نیک بندوں کی مدد کرتے ہیں اور اس کے دشمنوں کو تباہ کرتے ہیں۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار ہیں اور اس کے احکام کی تعمیل کرنے کے پابند ہیں۔ وہ اللہ کے معاون و مددگار نہیں ہیں صرف ان فرائض کو ادا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ ان کے ذمے لگاتا ہے، جیسے کائنات کی تمام اشیاء اپنا اپنا کردار ادا کر رہی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ذمے لگایا ہے۔ اسی طرح فرشتے بھی اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ فرشتوں پر ایمان رکھنے سے انسان کا روحانیت کی طرف میلان بڑھتا ہے اور مادی اشیاء پر انحصار نہیں کرتا۔

۳۔ آسمانی کتابوں پر ایمان:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک محدود دائرے میں آزادی اور اختیار بخشے ہیں اور اسے استعمال کرنے کے لیے اسے عقل بھی عطا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان پر مزید عنایت فرماتے ہوئے اس کی راہنمائی کے لیے اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔ قرآن حکیم میں تورات، زبور اور انجیل کا ذکر آیا ہے۔ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ سابقہ آسمانی کتابیں تبدیلی کی وجہ سے مکمل طور پر محفوظ نہیں رہ سکتیں۔ سابقہ آسمانی کتابوں پر ایمان رکھنے کا مفہوم یہ ہے کہ یہ یقین کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم سے پہلے بھی اپنے بندوں کی راہنمائی کے لیے کتابیں نازل فرمائی تھیں۔

۴۔ رسولوں پر ایمان:

بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے وقفے وقفے سے ہر قوم میں نبی اور رسول بھیجے جو انہی میں سے تھے تاکہ وہ لوگوں کے سامنے اعلیٰ سیرت و کردار کا عملی نمونہ پیش کریں۔ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی و رسول ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور آپ ﷺ کو جو شریعت عطا کی گئی ہے اس نے تمام سابقہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے۔

www.CSSExamPoint.com

۵۔ آخرت پر ایمان:

انسان کو چونکہ آزادی اور اختیار عطا ہوا ہے اس لیے وہ ایک ذمہ دار اور باشعور مخلوق ہے اور اپنے اعمال کے لیے اس ہستی کے سامنے جواب دہ ہے جس نے اسے آزادی و اختیار اور عقل و شعور بخشے ہیں۔ قیامت کے روز تمام انسانوں کو پھر سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا ان کے اعمال کا حساب ہوگا، اچھے اعمال کا اچھا اجر ملے گا اور برے اعمال کی سزا ملے گی۔

۶۔ تقدیر پر ایمان:

تقدیر پر ایمان سے مراد یہ یقین رکھنا ہے کہ کائنات میں ہونے والے تمام واقعات اللہ تعالیٰ کے ایک طے شدہ اور مقررہ نظام اور اس کی سکیم کے تحت ہو رہے ہیں نہ کہ خود بخود اور اس کی مرضی و مشیت کے بغیر۔ تقدیر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کا علم ہے، اللہ ہر چیز پر قادر اور اسے ہر چیز کا علم ہے، جو کچھ ہوا، جو ہو رہا ہے اور جو کچھ ہوگا سب اس کے علم میں ہیں۔ درخت کا ایک پتا بھی گرتا ہے تو اس کے علم میں ہوتا ہے۔ انسان کو جو کچھ بھی دکھ یا سکھ آتا ہے اللہ کے علم میں ہے۔ اچھی یا بری تقدیر انسان کے دکھ یا سکھ کے حوالے سے ہے۔ تقدیر پر ایمان رکھنے سے مقصود یہ ہے کہ انسان اپنی محنت سے فراہم کردہ مادی اسباب و وسائل پر اعتماد یا گھمنڈ نہ کرنے لگے۔ وہ اپنی محنت کے پھل کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ رکھے۔ یہ واضح رہے کہ اسلام انسان کو تقدیر پرست ہرگز نہیں بناتا۔ قرآن حکیم میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ کوشش اور جدوجہد کرنا انسان کے ذمے ہے اور اسے اسی کے مطابق پھل ملے گا۔ ارشاد ہے:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى

"اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔"

لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ وہ بھرپور جدوجہد کرے اور اسے یہ جاننے کی نہ حاجت ہے اور نہ اسے کوشش کرنی چاہیے کہ اس کی تقدیر میں کل کو کیا ہونا لکھا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی سیرت پاک ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے آپ ﷺ اللہ کے پیارے رسول ﷺ تھے۔ آپ ﷺ تقدیر پر بھروسہ کر کے بیٹھ نہیں رہے تھے بلکہ ساری زندگی سخت جدوجہد کر کے گزاری۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں کو حکم دیا تھا کہ جس قدر ہو سکے جنگ کا ساز و سامان تیار رکھا جائے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو بروئے کار لائے، جدوجہد کرے اور اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ رکھے کہ وہ نیکی کے کام میں اس کی مدد کرے گا اور اسے نیک عمل کا اجر دے گا۔

www.CSSExamPoint.com

عقیدہ توحید اور اس کے انسانی زندگی پر اثرات

توحید

معنی و مفہوم:

توحید کا لفظ وحد (و ح د) سے نکلا ہے، اس کا لفظی معنی ہے ایک کرنا، ایک ٹھہرانا، ایک بنانا۔ توحید کا اصطلاحی مفہوم ہے اللہ کو ایک ماننا۔

۱۔ اس کی ذات میں، کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے، اس کی ذات کے سوا کوئی اور ذات نہیں جو خدائی میں اس کے ساتھ شریک ہو، خدائی میں اس کی ذات یگانہ و یکتا ہے۔

۲۔ اس کی صفات میں، کہ وہ اپنی ہر صفت میں بے مثال ہے، یگانہ و یکتا ہے، اس کے سوا کوئی اور ذات نہیں جس میں اللہ جیسی صفات یا کوئی ایک صفت پائی جاتی ہو۔

۳۔ اس کے افعال میں، کہ وہ تنہا اس کائنات کا مالک ہے، صرف اسی کا اس پوری کائنات میں تصرف ہے، کوئی اس کے افعال میں نہ اس کا شریک کار ہے اور نہ ہی معاون اور مددگار۔

۴۔ اس کی عبادت میں، کہ عبادت کے لائق صرف اللہ ہے۔

۱۔ وحدانیت:

یعنی اِلٰـہ (معبود) صرف ایک ہے اور وہ ہے اللہ۔ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (البقرہ۔۱۶۳)، ''اور تمہارا خدا ایک ہے، اس رحمٰن و رحیم کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔'' قرآن حکیم میں بار بار اس حقیقت کو دہرایا گیا ہے کہ خدا تو صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے اللہ۔ عرب کے مشرکین کو یہی تو اعتراض تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب خداؤں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا بتا رہے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (صٓ، ۳۸:۵)

کیا اُس نے سارے خداؤں کی جگہ بس ایک ہی خدا بنا ڈالا؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے! خدائی صرف ایک کی ہو ہی سکتی ہے۔ ایک ملک میں بیک وقت دو حکمران نہیں ہو سکتے تو کائنات کے خالق و مالک دو خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ قرآن حکیم میں ایک سے زیادہ خداؤں کی نفی کی گئی ہے:

۱۔ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ (الانبیاء، ۲۱:۲۲)

''اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا دوسرے خدا بھی ہوتے تو ضرور ان دونوں (یعنی زمین و آسمان) کا نظام بگڑ جاتا۔''

۲۔ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ ۚ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ (المومنون، ۲۳:۹۱)

''اللہ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا ہے اور کوئی دوسرا خدا اس کے ساتھ نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا اور پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے۔''

اللہ تعالیٰ نے وحدانیت کی شہادت دی ہے اور فرشتے اور اہل علم بھی اس پر گواہ ہیں:

www.CSSExamPoint.com

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ (آل عمران،۳:۱۸)

اللہ نے اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور فرشتے اور سب اہل علم بھی انصاف کے ساتھ اس پر گواہ ہیں۔

۲۔ ذات الٰہیہ کا تصور:

انسان کا جذبۂ تجسس ذات الٰہیہ کے متعلق کئی سوالات اٹھاتا ہے کہ جس ہستی کو ہم نے خدا مانا ہے وہ کیسی ہے کب سے ہے، کہاں ہے؟ وغیرہ، تاکہ ذہن میں اس کا ایک واضح اور مثبت تصور قائم کرسکیں۔ لیکن ہمارے وسائل ادراک، حواس خمسہ، ذات الٰہیہ کا ادراک نہیں کرسکتے کیونکہ وہ ماورا، غیر مرئی اور لطیف ہے جبکہ وسائل ادراک کی رسائی صرف عالم طبیعات تک محدود ہے۔ ذات الٰہیہ کی کوئی مثال بھی نہیں دی جاسکتی کیونکہ مثال کائنات کی کسی چیز کی ہی دی جاسکتی ہے اور کائنات اور مخلوق ہے جبکہ اللہ کائنات کا خالق ہے۔ تو خالق کے لیے مخلوق کی مثال کیونکر دی جاسکتی ہے۔ ذات الٰہیہ کے بارے میں اسی لیے ارشاد ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوری،۴۲:۱۱)۔ ''اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے۔'' وہ بے مثل ہے، بے مثال ہے، اسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (الانعام،۶:۱۰۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ذات الٰہیہ کے دیدار کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اس کی بابت ارشاد باری تعالیٰ ہے: (ترجمہ) ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا، اے میرے رب! مجھے اپنا دیدار بخش دے، فرمایا، تو مجھے نہیں دیکھ سکتا، ہاں ذرا سامنے کے پہاڑ کی طرف دیکھ اگر وہ اپنی جگہ قائم رہ جائے تو تو مجھے دیکھ لے گا۔ چنانچہ اس کے رب نے جب پہاڑ پر تجلی کی تو اسے ریزہ ریزہ کردیا اور موسیٰ علیہ السلام غش کھا کر گر پڑے۔'' (الاعراف،۷:۱۴۳)

ذات الٰہیہ زمان، مکان، جہت، صورت، جسم، تغیر، تاثر اور انتقال (منتقل ہونا) سے کامل طور پر پاک ہے۔ وہ واجب الوجود ہے، یعنی ایک ایسا وجود جو بہر حال تھا، ہے اور رہے گا۔ قائم بالذات ہے۔ اللہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا: هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ج (الحدید،۵۷:۳)، ''وہی اول ہے وہی آخر، وہ ظاہر بھی ہے اور مخفی بھی (کائنات میں اسی کے نور کا ظہور ہے، اس طرح وہ ظاہر ہے) ہر جگہ موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ایسا نہیں ہوتا کہ تین آدمیوں میں سرگوشی ہو اور ان کے درمیان چوتھا اللہ نہ ہو، یا پانچ آدمیوں کے میں سرگوشی ہو اور ان میں چھٹا اللہ نہ وہ، سرگوشی کرنے والے خواہ اس سے کم ہوں یا زیادہ، جہاں کہیں بھی وہ ہوں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔'' (المجادلہ،۵۸:۷) وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ق،۵۰:۱۶)۔ ''ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔'' وہی ایک ذات ہے کہ جسے بقاء حاصل ہے: كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (العنکبوت،۲۹:۸۸)، ''ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے۔''

۳۔ صفات الٰہیہ کا تصور:

اسلام نے صفات الٰہیہ کا جو تصور دیا وہ جلال و اکرام والی ذات الٰہیہ کے شایان شان ہے جیسے ذات الٰہیہ بے مثال ہے ویسے ہی صفات الٰہیہ بھی بے مثال ہیں۔ اللہ کی صفات سب سے برتر اور اعلیٰ ہیں: وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (النحل،۱۶:۶۰)۔ اس کے نہایت اچھے اچھے نام ہیں: وَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (طٰہٰ،۲۰:۸)۔ اللہ اسم ذات ہے اور باقی اسمائے حسنیٰ اس کی صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور لامحدود ہیں اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی وسعت اور گہرائی کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ وہ خالق (پیدا کرنے والا) ہے، رب (پالنے والا) ہے، رحیم (بار بار رحم کرنے والا) رحمان (بے حد رحم کرنے والا)، الودود (پیار کرنے والا)، الوھاب (بہت عطا کرنے والا) الجبار (جبروت والا) العزیز (زبردست۔ غلبہ والا)، القھار (غالب، جس کے حکم سے کوئی باہر نہیں ہوسکتا)، المتکبر (اپنی بڑائی دکھانے والا)، المنتقم (سزا دینے والا)، الحی (زندہ اور دوسروں کو زندگی بخشنے والا)، القیوم (قائم رہنے والا اور دوسروں کو قائم رکھنے والا) السمیع (سننے والا)، البصیر (دیکھنے والا) الحکیم (حکمت والا) ہے۔

وہ قادر مطلق ہے، اس کی قدرت کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے: اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'' (فاطر،۳۵:۱) ''یقیناً اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے''

www.CSSExamPoint.com

توحید کے لازمی تقاضے

۱۔ اللہ سے محبت ہر محبت پر غالب ہو
۲۔ ہر نیکی اللہ کی رضا کے لیے کی جائے
۳۔ صرف اللہ کی عبادت کی جائے
۴۔ صرف اللہ کا خوف رکھے
۵۔ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے
۶۔ صرف اللہ پر بھروسہ رکھے
۷۔ اللہ کا شکر گزار رہے
۸۔ شرک اور شائبہ شرک سے بچے
۹۔ اللہ ہی کے قانون کی پیروی کرے

توحید کے اثبات میں دلائل

ذات الٰہیہ کی حقیت (کنہ) کو پانا انسان کے بس کی بات نہیں ہے، البتہ کائنات، انسانی تاریخ اور خود انسان کے نفس میں آیات الٰہیہ بکثرت موجود ہیں جو ذات الٰہیہ کی طرف راہنمائی کرتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ. (حٰمٓ السجدہ، ۴۱: ۵۳)

ترجمہ: ''ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی۔''

قرآن مجید میں بار بار آیات الٰہیہ کے مشاہدے اور مطالعے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے تاکہ ذہن انسانی کو ذات الٰہیہ کے تصورات کا راستہ مل جائے۔ ان آیات الٰہیہ کی حیثیت فلسفیانہ یا منطقی دلائل کی نہیں ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ فلسفیانہ یا منطقی دلائل سے ذات الٰہیہ کا مثبت تصور قائم کرنے میں کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ توحید کا تصور انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بنا کر پوچھا تھا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا، کیوں نہیں! ہم نے اس کی گواہی دی۔ یہ ہم نے اس لیے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے۔''
(الاعراف، ۷: ۱۷۲)

پھر اللہ تعالیٰ یاد دہانی کے لیے انبیاء و رسل مبعوث فرماتا رہا، تمام انبیاء اور رسولوں نے توحید ہی کی تعلیم دی۔ آیات الٰہیہ کا مطالعہ انسانی فطرت میں موجود تصور توحید کو اجاگر کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں توحید کے اثبات کے لیے بکثرت الٰہیہ بیان کی گئی ہیں، چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(الف) کائنات میں آیات الٰہیہ:

پوری کائنات اور اس میں موجود نظم و ربط اللہ کی بہت بڑی نشانی ہے جو اس حقیقت کی طرف راہنمائی کرتی ہے کہ ضرور اس وسیع کائنات کی تخلیق اور تدبیر کسی ایک قادر مطلق خدا کا کام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ ترجمہ: ''یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے بدلنے میں اور ان کشتیوں میں جو لوگوں کو نفع دینے والی چیزیں لیے سمندر میں چلتی ہیں اور پانی میں جو اللہ اوپر سے نازل کرتا ہے پھر اس کے ذریعے مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اس (زمین) میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے، اور ہواؤں کے پھرنے میں اور آسمان اور زمین کے درمیان مسخر بادل میں نشانیاں ہیں۔ ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔'' (البقرہ، ۱۶۴)

www.CSSExamPoint.com

۲۔ ترجمہ: ''اور تمہارے لیے مویشیوں میں بھی ایک سبق موجود ہے۔ ان کے پیٹ سے گوبر اور خون کے درمیان سے ہم تمہیں پاکیزہ دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار ہے۔'' (النحل ۱۶:۶۶)

(ب) انسان کے اپنے نفس میں آیات الٰہی:

عالم طبیعات کے علاوہ خود انسان کے اپنے نفس میں بے شمار آیات الٰہیہ موجود ہیں، مثلاً:

۱۔ ترجمہ: ''تو انسان یہی دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ ایک اچھلنے والے سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔'' (الطارق۔ ۸۶:۵ تا ۷)

۲۔ ترجمہ: ''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی پیدا کر دی، یقیناً اس میں نشانیاں ہیں۔ ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا ہے، یقیناً اس میں نشانیاں ہیں دانشمندوں کے لیے۔'' (الروم، ۳۰:۲۱ تا ۲۲)

(ج) تاریخ انسانی میں آیات الٰہیہ:

انسانی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جو توحید کی طرف ہماری راہنمائی کرتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ایسے بعض واقعات کو آیات الٰہیہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً قوم نوح علیہ السلام کا غرق ہونا، عاد اور ثمود اور دوسری قوموں پر عذاب الٰہی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ کے الاؤ میں ڈالا جانا اور زندہ و سلامت رہنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور معجزات وغیرہ۔

توحید کی اہمیت

توحید کے بارے میں قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اور متعدد طریقوں سے اس کا بیان ہوا ہے مثلاً

1- لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (اللہ کے سوا کوئی بھی الٰہ نہیں ہے) یہ الفاظ قرآن حکیم میں بارہ مقامات پر آئے۔

2- لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (اس اللہ کے سوا کوئی بھی الٰہ نہیں ہے) یہ عبارت قرآن حکیم میں تیس مرتبہ آئی ہے۔

3- اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں تین مقامات پر فرماتے ہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا یعنی میرے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔

4- اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ تم سب کا اللہ ایک ہی ہے یہ عبارت قرآن حکیم میں چھ مرتبہ آئی ہے۔

5- اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ بات صرف یہ ہے کہ اللہ ہی اکیلا الٰہ ہے۔

پورے قرآن حکیم میں اسم اللہ 2696 بار آیا ہے لفظ الٰہ 125 مقامات پر اور لفظ الٰهَة (الٰہ کی جمع) کل 36 مرتبہ آیا ہے۔

6- عقیدہ توحید انسان کے تمام اعمال پر اثر انداز ہوتا ہے کیونکہ اس سے انسان کو نیکی کرنے اور برائیوں سے بچنے کا سبق ملتا ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یقین کی کمزوری سے دین کمزور ہو جاتا ہے۔ عبادات، اخلاقیات، معاملات، حقوق و فرائض، محبت، شفقت، آداب و اطوار، آداب مجلس غرض کہ تمام صالح اعمال کا دار و مدار ہی عقیدہ توحید کی پختگی پر ہے۔

7- توحید کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ توحید ہی تمام اخلاق فاضلہ کا سرچشمہ ہے۔

8- عقیدہ توحید کی بدولت کائنات کے مطالعہ کا موقع ملتا ہے۔

www.CSSExamPoint.com

توحید کی فضیلت:

توحید کی فضیلت کے بارے میں حضور ﷺ نے مختلف مقامات پر فرمایا۔ مثلاً

1- حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا:
جو شخص شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور شہادت دے کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ﷺ ہیں اور شہادت کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور یہ بھی شہادت دے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہیں جو کہ بھیجا اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہ السلام کی طرف اور وہ (عیسیٰ علیہ السلام) اس کی طرف سے روح ہے اور اس کی بھی شہادت دے کہ جنت اور دوزخ حق ہیں اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو بہر حال جنت میں داخل کردے گا اگرچہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں۔

بخاری و مسلم میں حضرت عتبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کے عذاب کو حرام کر دیتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے یہ سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابن آدم علیہ السلام! اگر تو میرے پاس گناہوں سے پوری زمین بھر کر لے آئے لیکن اس میں شرک نہ ہو تو میں اسی مقدار میں بخشش کی بارش کر دوں گا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ رسول ﷺ اللہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے پروردگار مجھے ایسی چیز بتا جس سے تیری یاد کروں اور تجھ سے دعا کیا کروں فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھا کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار اسے تو تیرے سب بندے پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ اگر ساتوں آسمان اور ان کے باشندے اور ساتوں زمینیں بجز میرے ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں اور دوسرے پلڑے میں صرف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رکھ کر وزن کیا جائے تو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ والا پلڑا بھاری ہوگا۔

ان احادیث سے اللہ کے فضل و کرم کی وسعت، توحید کے اجر و ثواب کی کثرت اور توحید بطور گناہوں کے کفارہ کا اظہار ہوتا ہے۔

اسلام میں عقیدہ توحید تمام عقائد دینیہ کی اصل اور بنیاد ہے۔ قرآن حکیم کا اصل پیغام توحید ہے۔ قرآن حکیم کے بیان کے مطابق تمام سابقہ انبیاء و رسل کی تعلیمات کا مرکز و محور بھی توحید ہی تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے اٹھنے والے تمام انبیاء مثلاً حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سب نے خالص توحید پر ایمان لانے کی دعوت دی اور ہر قسم کے شرک سے منع کیا۔ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول، امام الانبیاء و سید المرسیل حضرت محمد ﷺ نے بھی توحید کی ہی تعلیم دی اور ہر طرح کے شرک کی نفی کی۔

کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک توحید پر ایمان نہ لے آئے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہے بغیر کوئی شخص اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا۔

ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کرنے والے ہی جنت میں داخل ہوں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

www.CSSExamPoint.com

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرہ،۲:۸۲)

ترجمہ: ''اور جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہی جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

ایک حدیث مبارک میں حضور ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے حوالے سے بتایا ہے کہ حضور ﷺ کی امت میں سے جو شخص فوت ہوا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

توحید کے مقابلے میں شریک ہے۔ شرک کو قرآن مجید میں ظلم عظیم قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس گناہ کو معاف نہیں فرمائے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اس کے سوا ہر گناہ جس کے لیے وہ چاہے گا معاف کر دے گا۔

اگر توحید پر ایمان نہ ہو تو اور اللہ کے ساتھ شرک کیا جائے تو تمام نیک اعمال اکارت جائیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ط

ترجمہ: ''یہ لوگ ایمان نہیں لائے پس اللہ نے ان کے سارے اعمال ضائع کر دیے۔''

ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام، اسحٰق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام، داؤد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام، ایوب علیہ السلام، یوسف علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام، زکریا علیہ السلام، یحیٰ علیہ السلام، الیاس علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، الیسع علیہ السلام، یونس علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی فضیلت کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ہے:

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الانعام،۶:۸۸)

ترجمہ: ''اور اگر انہوں (یعنی مذکورہ انبیاء) نے شرک کیا ہوتا تو ان کا سب کیا کرایا غارت ہو جاتا ہے۔''

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ختم المرسلین ﷺ تک ہر نبی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر یہ واضح کر دیا تھا کہ جو شخص توحید پر ایمان نہیں رکھے گا اور شرک کرے گا اس کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ج لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

ترجمہ: ''اور (اے نبی ﷺ! آپ ان لوگوں سے کہہ دیجیے کہ) آپ ﷺ کی طرف اور آپ ﷺ سے پہلے (تمام انبیاء) کی طرف یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو یقیناً تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تم خسارے میں رہو گے۔''

انسانی زندگی پر توحید کے اثرات

افکار و نظریات کا انسان کی عملی زندگی سے گہرا تعلق ہوتا ہے بلکہ وہ انسان کے اعمال کا محرک ہوتے ہیں، جیسی سوچ ہوتی ہے ویسا ہی عمل ہوتا ہے۔ عقیدۂ توحید سے بھی انسان کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ دیگر کسی بھی نظریے کا دائرۂ اثر محدود ہوتا ہے۔ یعنی زندگی کے کسی ایک پہلو یا چند پہلوؤں کو متاثر کرتا ہے جبکہ توحید کا تصور انسانی زندگی کے ہر پہلو پر خوشگوار اثرات مرتب کرتا ہے۔ توحید پر ایمان لانے سے انسانی زندگی یکسر

www.CSSExamPoint.com

بدل جاتی ہے۔ انسان کا خود اپنے بارے میں نقطہ نظر، دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلقات اور کائنات کے ساتھ اس کے تعلق سب میں اہم تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ عقیدۂ توحید سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر جو اثرات مرتب پاتے ہیں۔ ان میں سے چند اثرات درج ذیل ہیں:

توحید کے انفرادی زندگی پر اثرات

۱۔ خودداری اور عزت نفس:

توحید پر ایمان رکھنے والا خودداری اور عزت نفس کا مالک ہوتا ہے۔ چونکہ وہ نفع ونقصان، عزت ودولت، زندگی اور موت، غرض ہر چیز کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو سمجھتا ہے اس لیے وہ کسی اور کے آگے نہ ہاتھ پھیلاتا ہے اور نہ سر جھکاتا ہے۔ وہ کائنات کی ہر چیز کو اللہ کی مخلوق سمجھتا ہے جسے اللہ نے اس کے فائدے کے لیے پیدا کیا ہے۔ کائنات کی کوئی چیز تعظیم اور سجدے کے لائق نہیں بلکہ انسان ہی تمام مخلوقات میں اشرف واعلیٰ ہے۔

۲۔ آزادی وحریت:

عقیدہ توحید انسان کو کائنات کی ہر چیز کی بندگی سے آزادی اور نجات دلا دیتا ہے۔ سورج چاند، ستارے، آسمان، پہاڑ، درخت، سانپ، آگ، زمین کسی بھی چیز کو دیوی نہ دیوتا سمجھتا ہے اور نہ ہی اسے لائق تعظیم مانتا ہے۔ وہ ہر مخلوق کی بندگی اور غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ یہ تمام چیزیں تو اللہ کی مخلوق ہیں، ان کی کوئی عظمت اور کبریائی نہیں۔ عظمت اور کبریائی صرف اللہ کے لیے ہے۔ ان تمام چیزوں کو تو اللہ تعالیٰ نے انسان کے فائدے اور نفع کے لیے پیدا کیا ہے۔ انسان کو ان چیزوں کے لے پیدا نہیں کیا۔ بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسمان کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے

توحید پر ایمان رکھنے والا کسی انسان کو بھی اپنا خدا نہیں مانتا خواہ وہ انسان کتنی ہی طاقت اور وسائل کا مالک کیوں نہ ہو۔ وہ کسی انسان کی نہ بندگی کر سکتا ہے اور نہ ہی غلامی وہ تو اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (حکم صرف اللہ کا ہے) پر ایمان رکھتا ہے۔

۳۔ عجز وانکسار:

عقیدۂ توحید انسان کو کائنات میں سب سے اونچا مقام بھی دیتا ہے اور اسے تمام مخلوقات کی بندگی وغلامی سے آزادی دلا کر خودداری اور عزت نفس کا مالک بھی بناتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں عجز وانکساری بھی پیدا کرتا ہے۔ اس میں کبھی تکبر پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ کبریائی (بڑائی) صرف اللہ کے لیے ہے۔ اللہ ہی اکبر ہے، انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ تو اللہ تعالیٰ ہی کا دیا ہوا ہے۔ توحید پر ایمان رکھنے والا کبھی کسی صورت میں خود کو دوسرے انسانوں کا رب یا خدا نہیں سمجھتا وہ تو دوسرے انسانوں پر حکومت کرنے کے اختیار (اقتدار اعلیٰ) کا مالک بھی صرف اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے۔ وہ یقین رکھتا ہے کہ عزت اور ذلت اللہ کے قبضے میں ہے وہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ اس کے برعکس توحید پر ایمان نہ رکھنے والا شخص یہ سمجھ کر متکبر بن جاتا ہے کہ اس کا مال ودولت، اس کی حکومت اس کا بلند مرتبہ اس کی اپنی محنت اور قابلیت کی وجہ سے ہے۔

۴۔ شجاعت واستقامت:

توحید پر ایمان رکھنے والا بہادر اور جری ہوتا ہے کیونکہ وہ کائنات کی کسی چیز کو نفع ونقصان کا مالک نہیں سمجھتا، وہ کسی مخلوق سے نہیں ڈرتا۔ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرہ:۲۶۲) ''نہ انہیں کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' اہل ایمان کی صفت ہے، اس کا ایمان ایسے خدائے واحد پر ہوتا ہے جو قادر مطلق ہے جس کی قدرت سے باہر کوئی چیز نہیں، اس کی مدد اور تائید پر بھروسہ رکھتے ہوئے وہ اپنے راستے

www.CSSExamPoint.com

میں آنے والی بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکرا جاتا ہے کیونکہ اس کا ایمان ہے کہ اللہ کے سوا کوئی طاقت اسے موت نہیں دے سکتی اور اللہ اس کے ساتھ ہے، تو پھر بھلا وہ کسی چیز سے کیوں ڈرنے لگا۔ تاریخ گواہ ہے کہ توحید پر پختہ ایمان رکھنے والے بارہا اپنے سے کئی گنا بڑے لشکروں سے ٹکرا گئے اور فتح مند ہوئے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ ایمان رکھتے ہیں کہ فتح و نصرت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ دنیوی اسباب سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ توحید پر ایمان نہ رکھنے والا دنیوی اسباب پر بھروسہ رکھتا ہے اور جب انہیں اپنے حریف کے مقابلے میں کم پاتا ہے گھبرا کر ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

۵۔ اعلیٰ نصب العین اور تصورات:

توحید پر ایمان رکھنے والے کا نصب العین بہت اونچا اور اس کے تصورات بہت اعلیٰ ہوتے ہیں۔ اس کا نصب العین دنیوی مال و متاع حاصل کر کے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنا نہیں ہوتا، بلکہ ایسے کام کرنا ہوتا ہے جن سے اس کی آخرت سنور جائے اور اس کا خدا راضی ہو جائے چونکہ اس کا خدا بے مثل و بے مثال ہے، اپنی ذات میں بھی اور صفات میں بھی، اس کی تمام صفات بہت اعلیٰ ہیں۔ اس کا علم، حلم، رحم، کرم، کبریائی، قدرت، جبروت، قدس، جمال، جلال غرض تمام صفات بے نظیر ہیں اور مومن تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہ (اللہ کے اخلاق اپناؤ) کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اپنے اندر ان صفات کو پیدا کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اس لیے دنیا کی چیزیں اس کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ یوں وہ فی الواقع دنیا اور اس کی چیزوں کا حکمران بن جاتا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو یوں بیان کیا ہے:

قہاری و جباری وقدوسی وجبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

اس کے مقابلے میں کافر اور مشرک کا نصب العین صرف دنیوی زندگی اور دنیا کا مال و متاع ہی ہوتا ہے اس لیے وہ ان کا اسیر اور غلام ہو کے رہ جاتا ہے۔ اس کا نصب العین اور تصورات نہایت معمولی اور گھٹیا ہوتے ہیں۔

۶۔ رجائیت:

مومن کا نقطۂ نظر ہمیشہ Optimistic ہوتا ہے۔ وہ مشکل ترین حالات میں بھی کبھی مایوس نہیں ہوتا، کیونکہ اس کا ربط و تعلق ایسے خدا کے ساتھ قائم ہے جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے جس کے لیے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔ توحید پر ایمان رکھنے والا لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ''تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ'' کی ہدایت پر عمل کرتا ہے۔

۷۔ اطمینان قلب:

توحید پر ایمان رکھنے سے انسان کو اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اللہ کی رضا پر راضی رہتا ہے اور ہر کام میں اللہ کی حکمت پر یقین رکھتا ہے۔ وہ کبھی کسی مالی یا جانی نقصان پر غم سے نڈھال، زندگی سے بیزار نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ یقین رکھتے ہوئے مطمئن اور پرسکون رہتا ہے کہ اس میں ضرور کوئی حکمت ہوگی۔ جسے میں فی الحال سمجھنے سے قاصر ہوں اور اللہ کے کسی فعل کو حکمت سے خالی نہیں سمجھتا اور نہ ہی اللہ کو ظالم سمجھتا ہے۔ اس کا ایمان ہے کہ اللہ رحیم، رحمٰن، رؤوف اور حکیم ہے۔

www.CSSExamPoint.com

۸۔ تقویٰ اور پرہیز گاری:

اللہ پر ایمان رکھنے سے انسان میں برائیوں سے پرہیز کرنے اور نیکیاں کرنے کا میلان پیدا ہوتا ہے جس کا یہ ایمان ہو کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے۔ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ سب کچھ سن رہا ہے اور انسان کو اللہ سے محبت بھی ہو، دل میں اس کا خوف بھی ہو، وہ شخص برائی کا ارتکاب کیونکر کر سکتا ہے۔ جب انسان کو یقین ہو کہ وہ قانون کی گرفت سے مکمل طور پر محفوظ رہے گا تو اس وقت اللہ کا خوف ہی اسے برائی سے بچا سکتا ہے۔ توحید پر ایمان رکھنے والا یقین رکھتا ہے کہ اللہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ تو دلوں کے بھید بھی جانتا ہے۔

اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ ط (البقرہ:۲۸۴)

ترجمہ: ''تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے تم اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ۔ اللہ تم سے ان کا حساب لے گا۔''

انسان کی اجتماعی زندگی پر اثرات

۱۔ وحدت انسانی:

خدا کی وحدت سے بنی نوع انسان کی وحدت پیدا ہوتی ہے جبکہ خداؤں کی کثرت سے بنی نوع انسان میں تفریق و انتشار پیدا ہوتا ہے متعدد اور مختلف خداؤں پر ایمان رکھنے اور ان کی پرستش کرنے سے تو انسان مختلف گروہوں اور قوموں میں ہی تقسیم ہوں گے۔

۲۔ اخوت اور مساوات:

توحید ابنائے آدم کو اخوت اور مساوات کا درس دیتی ہے۔ خدا ایک ہے۔ اسی ایک خدا نے آدم کو پھر حوا علیہا السلام کو پیدا کیا۔ سب انسان آدم اور حوا علیہا السلام کی اولاد ہیں۔ سب ایک ہی ماں اور باپ کی اولاد ہیں تو ظاہر ہے کہ سب رشتۂ اخوت میں باہم منسلک ہیں اور سب بحیثیت انسان مساوی ہیں۔ کسی بھی وجہ سے دوسرے انسانوں پر برتری حاصل نہیں۔ رنگ، زبان، وطن، نسل، کوئی بھی چیز برتری کی وجہ نہیں بن سکتی۔

۳۔ عالمگیر معاشرہ:

توحید سے ایک عالمگیر معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔ اگر دنیا بھر کے تمام انسان صرف ایک خدا (جو مرئی اور محسوس نہیں) پر ایمان لے آئیں تو مختلف وجوہات کی بنا پر قائم ہونے والی موجودہ گروہ بندیاں ختم ہو سکتی ہیں۔

۴۔ عالمی امن:

عالمی امن کی خواہش آج کے انسان کی شاید سب سے بڑی خواہش ہے۔ انتہائی مہلک اسلحہ کے انباروں اور دو عالمی جنگوں کی تباہ کاریوں نے جنگ کے خوف کی وجہ سے انسان کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں۔ اگر دنیا بھر کے تمام انسان توحید پر ایمان لا کر اپنے وضع کردہ ان جھوٹے امتیازات کو ختم کر کے اخوت و مساوات کا ماحول قائم کر لیں تو عالمی امن کے قیام کی یہ خواہش پوری ہو سکتی ہے۔

رسالت

معنی و مفہوم:

رسالت (رسالۃ) کے لفظی معنی ہیں پیغام، پیغام پہنچانا۔ رسول کے لفظی معنی ہیں پیامبر، قاصد، ایلچی۔ مُرْسَل کا معنی ہے رسول بھیجا ہوا۔ دینی اصطلاح میں رسالت کا معنی ہے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانا اور رسول کا معنی ہے اللہ کا پیغام پہنچانے والا۔ نبی کا لفظی معنی ہے خبر دینے والا۔

www.CSSExamPoint.com

نُبُوَّت (نُبُوَّۃٌ) کا لفظی معنی ہے خبر دینا۔ نبی اور رسول اور نبوت اور رسالت ہم معنی اصطلاحیں ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ رسول صاحب شریعت و کتاب ہوتا ہے جبکہ نبی کے لیے صاحب شریعت و کتاب ہونا ضروری نہیں۔

رسول صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک نہیں پہنچاتا بلکہ وہ اللہ کے احکام پر خود عمل کر کے دکھاتا ہے اور لوگوں کی سیرت کی تعمیر (تزکیہ) بھی کرتا ہے۔ رسالت کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور حضرت محمد ﷺ پر آ کر ختم ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔

رسالت پر ایمان کی اہمیت:

عقیدۂ رسالت اسلام کے ان بنیادی عقائد میں شامل ہے جن پر ایمان لانا ضروری ہے جس کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ رسالت پر ایمان سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے پہلے جتنے بھی انبیاء و رسل مبعوث فرمائے سب کو برحق مانا جائے (ان میں سے چند کا قرآن حکیم میں ذکر ہوا ہے)، بحیثیت رسول ان میں کوئی تفریق نہ کی جائے اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کا آخری رسول اور نبی مانا جائے، آپ ﷺ کی شریعت پر عمل کیا جائے جس نے سابقہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے۔

رسالت کی ضرورت:

دو حقیقتیں ایسی ہیں کہ ان سے انکار ممکن نہیں۔

(۱) انسان میں نیک اور بد ہر دو قسم کے عمل کی صلاحیت موجود ہے۔

(۲) صلاحیتوں کے اعتبار سے انسان پیدائشی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ بعض بہت ذہین ہوتے ہیں بعض کم ذہین، بعض جسمانی طور پر بہت طاقتور ہوتے ہیں اور بعض کمزور۔ علی ہذا القیاس۔ ہوتا یہ ہے کہ زیادہ اور بہتر صلاحیتیں رکھنے والوں پر جب بدی کا جذبہ غالب آ جاتا ہے تو وہ اپنی بہتر صلاحیتوں کے زور پر ان لوگوں پر اپنی سیادت اور برتری قائم کر لیتے ہیں جو یا تو کمتر صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں یا پھر جن میں نیکی کا جذبہ غالب ہوتا ہے اور وہ اس کے تحت شرافت سے کام لیتے ہیں۔ برتری قائم کر لینے والے بڑائی اختیار کر لیتے ہیں (قرآنی اصطلاح میں مستکبرین) وسائل رزق پر قبضہ کر کے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے لگتے ہیں، دوسروں کو وسائل رزق سے محروم کر کے انہیں کمزور سے کمزور کرتے چلے جاتے ہیں (قرآنی اصطلاح میں مستضعفین) اور انہیں مغلوب کر کے ذلت کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتے ہیں اور یہ لوگ بالکل بے بس ہو جاتے ہیں۔ مستکبرین لوگوں کو کمزور بنانے اور کمزور رکھنے کے لیے جس ہتھکنڈے کا سب سے زیادہ استعمال کرتے ہیں وہ مسخ شدہ مذہب ہوتا ہے۔ وہ شرک کو رواج دے کر لوگوں کو گروہ در گروہ تقسیم کرتے چلے جاتے ہیں۔ مذہبی پیشواؤں کو ساتھ ملا کر نئے سے نئے مذہبی رسوم و رواج کے ذریعے ان کمزور لوگوں کا مزید استحصال کرتے ہیں۔

ایسے حالات میں اللہ رب العالمین اپنے کمزور بندوں پر ترس کھا کر ان میں اپنا رسول مبعوث کرتا ہے جو توحید کے پرچم تلے سب کو اکٹھا کر کے انہیں منظم کرتا ہے۔ ان میں ظالم متکبرین کے چنگل سے نجات پانے کی جدوجہد کرنے کا عزم پیدا کرتا ہے، خود ان کی قیادت کرتا ہے متکبرین اس کی سخت مزاحمت کرتے ہیں لیکن بالآخر اللہ کے فضل و کرم سے حق غالب آ جاتا ہے متکبرین شکست کھا کر تباہ و برباد ہو جاتے ہیں اور مستضعفین کو عزت اور سیادت حاصل ہو جاتی ہے۔ یہی ہے خلاصہ قرآن حکیم میں بیان کردہ انبیاء و رسل کے قصص کا۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ ''ہم نے نہیں بھیجا کسی بستی میں ڈرانے والا مگر اس بستی کے دولت مند لوگوں نے کہا، تمہیں جس پیغام کے ساتھ بھیجا گیا ہے ہم اس سے منکر ہیں اور انہوں نے کہا، ہم زیادہ مال اور اولاد والے ہیں اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ (سبا، ۳۴: ۳۴-۳۵)

۲۔ ''وہ بولے، کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں جبکہ تیری پیروی تو سب سے رذیل لوگوں نے کی ہے۔'' (الشعراء، ۲۶: ۱۱۱)۔ یہ بات حضرت نوح

www.CSSExamPoint.com

علیہ السلام سے ان کی قوم کے سرداروں نے کہی تھی۔

۳۔ ''اس (یعنی صالح علیہ السلام) کی قوم کے سرداروں نے جنہوں نے بڑائی اختیار کر رکھی تھی کمزور بنائے گئے ان لوگوں سے جو ایمان لے آئے تھے، کہا: کیا تم جانتے ہو کہ صالح اپنے رب کی طرف سے رسول ﷺ ہے؟ انہوں نے جواب دیا: یقیناً جس پیغام کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ متکبرین نے کہا جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم اس کے منکر ہیں۔ (الاعراف، ۷:۷۵-۷۶)

۴۔ یقیناً فرعون زمین میں بہت بڑھ چڑھ گیا اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا ان میں سے ایک گروہ کو وہ کمزور کرتا تھا، اس کے لڑکوں کو قتل کرتا اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا، یقیناً وہ فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا، (القصص، ۲۸:۴)

۵۔ اس کی قوم کے ان سرداروں نے جو بڑے بنے بیٹھے تھے، کہا: ''اے شعیب علیہ السلام! ہم ضرور تجھے اور تجھ پر ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے یا تو ہمارے مذہب میں واپس آ جا۔'' (الاعراف، ۷:۸۸)

۶۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت اس قوم میں ہوئی جس کے بادشاہ نے بڑائی اور سرکشی کی انتہا کر دی تھی، وہ حاکم مطلق ہونے کے ساتھ ساتھ ان کا رب ہونے کا بھی مدعی تھا۔

۷۔ جن وانس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذریت، ۵۱:۵۶)

ترجمہ: ''اور نہیں پیدا کیا میں نے جنوں اور انسانوں کو سوائے اس کے کہ وہ میری عبادت کریں۔''

اللہ تعالیٰ کی بندگی، اطاعت اور عبادت کس طرح کی جائے یہ بتانے کے لیے انبیاء و رسل مبعوث ہوئے۔

۸۔ ایسا نہیں ہوا کہ بندگی اور اطاعت کے جو طریقے (شریعت) سب سے پہلے رسول کے ذریعے بتائے گئے بعد میں آنے والے تمام رسولوں نے بعینہ وہی طریقے بتاتے ہوں بلکہ شریعت بدلتی رہی ہے۔ پہلی شریعت کو منسوخ کر کے نئی شریعت کے ساتھ نیا رسول بھیجنے کی ضرورت اس لیے پیش آتی رہی کہ انسان کے تمدنی و تہذیبی حالات تغیر پذیر رہے۔ کچھ عرصے کے بعد نئے تقاضے پیدا ہو جاتے تھے جن کو پورا کرنے کے لیے نئی شریعت کی ضرورت ہوتی۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر یہ فضل نہ فرماتا تو انسانی تہذیب جمود کا شکار ہو کر زوال پذیر ہو جاتی اور انجام کار نابود ہو جاتی۔

رسالت بنی نوع انسان پر اللہ کا احسان ہے:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کا برا بھلا، نیکی، بدی سمجھا دی ہوئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (الشمس، ۹۱:۸)

ترجمہ: ''پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اسے الہام کر دی۔''

اس کے بعد انسان کا استحقاق نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء و رسل کے ذریعے اس کی رہنمائی کا انتظام فرماتا۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر خاص لطف و کرم ہے کہ اس نے رسول مبعوث فرمائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی قرآن حکیم میں اسے اپنا احسان بتایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اللہ نے تو مومنین پر احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے۔'' (آل عمران، ۳:۱۶۴)

یہ احسان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کی بابت ارشاد ہے:

ترجمہ: ''اور ہم ان لوگوں پر احسان کرنا چاہتے تھے جن کو زمین میں کمزور بنا دیا گیا تھا۔'' (القصص، ۲۸:۵)

www.CSSExamPoint.com

ہر قوم میں رسول بھیجا گیا:

اللہ تعالیٰ کا یہ احسان کسی ایک قوم کے لیے مخصوص نہیں تھا بلکہ اس نے ہر قوم میں رسول بھیجا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا (النحل،۱۶،۳۶)

ترجمہ: ''اور ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا ہے۔''

(۲) وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ (یونس،۱۰:۴۷)

ترجمہ: ''اور ہر قوم کے لیے رسول ہے۔''

(۳) وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (الرعد،۱۳:۷)

ترجمہ: ''اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما ہے۔''

قرآن حکیم میں صرف ایک خاص خطے میں مبعوث ہونے والے ان چند رسولوں کا ذکر کیا گیا ہے جن سے قرآن مجید کے اولین مخاطبین یعنی عرب آشنا تھے۔

رسول کی خصوصیات

ا۔ بشریت:

رسول بشر ہوتا ہے اور اسی قوم کے مردوں میں سے ہوتا ہے جس قوم میں وہ مبعوث ہوتا ہے وہ کوئی فوق البشر ہستی نہیں ہوتا، نہ ہی وہ فرشتوں یا جنات کے گروہ سے ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی ط

ترجمہ: ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ ﷺ سے پہلے ہم نے جو رسول بھیجے تھے وہ سب بھی انسان ہی تھے اور انہی بستیوں کے رہنے والوں میں سے تھے اور ان کی طرف ہم وحی بھیجتے رہے ہیں۔''

سابقہ اقوام (قوم نوح، عاد اور ثمود اور ان کے بعد کی قوموں) نے اپنے رسولوں سے کہا تم تو ہماری ہی طرح کے بشر ہو، تمام رسولوں کی طرف سے ایک ہی جواب تھا:

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَمُنُّ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط (ابراہیم،۱۴:۱۱)

ترجمہ: ''ان سے ان کے رسولوں نے کہا، ہم کچھ نہیں مگر تمہارے ہی جیسے انسان، لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے۔''

لوگوں کو ہمیشہ یہ اچنبھا لگتا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا رسول بنا کر بھیج دیا اور یہ بات ان کے ایمان لانے میں رکاوٹ بنتی ہے۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یوں دیا ہے۔

ترجمہ: ''لوگوں کے پاس جب بھی ہدایت آئی تو اس پر ایمان لانے سے ان کو کسی چیز نے نہیں روکا سوائے ان کی اس بات نے کہ ''کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیج دیا؟'' ان سے

www.CSSExamPoint.com

کہیے، اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم ضرور آسمان سے کسی فرشتے کو ہی رسول بنا کر اتارتے۔" (بنی اسرائیل، ۱۷: ۹۴۔۹۵)

۲۔ رسول غیر معمولی صفات کا مالک ہوتا ہے:

اگر چہ رسول بشر ہی ہوتا ہے لیکن غیر معمولی صلاحیتوں اور ممتاز اوصاف حمیدہ کا مالک ہوتا ہے، ویسی صلاحیتیں اور اوصاف دوسرے انسانوں میں نہیں پائے جاتے۔ وہ انتہائی پر کشش شخصیت کا مالک ہوتا ہے، لوگوں کا بے حد خیر خواہ ہوتا ہے بچپن سے ہی اعلیٰ کردار کا مالک ہوتا ہے، بڑا صاحب عزیمت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے جب منصب رسالت پر سرفراز فرماتا ہے اس کے بعد وہ اپنے مشن کو انجام دینے کے لیے اپنی جان تک کی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔ وہ صبر و استقامت میں بے مثال ہوتا ہے۔ بڑی سے بڑی مشکلات اس کے پائے استقلال کو ڈگمگا نہیں سکتیں۔

رسول کی بصیرت و فراست بھی غیر معمولی ہوتی ہے۔ اللہ کی دین سے اسے ان چیزوں کا بھی علم ہوتا ہے جو عام انسانوں سے اوجھل ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان سے ایسے کام سرزد ہوتے ہیں جو عام لوگوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ہیں اور جن کے کرنے سے عام انسان عاجز ہوتے ہیں (یعنی معجزات)۔ رسول کا منصب بہت عظیم اور کٹھن ہوتا ہے۔ اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ رسول کو اعلیٰ صلاحیتیں ودیعت کرتا ہے۔

۳۔ رسالت وہبی منصب ہے اکتسابی نہیں:

رسالت کا منصب وہبی ہے یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے یہ منصب عطا کرتا ہے اور وہی بہتر جانتا ہے کہ اس منصب جلیل پر کسے سرفراز کرتا ہے۔ کوئی انسان یہ منصب اپنی محنت اور جدوجہد سے حاصل نہیں کر سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(۱) اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (الحج، ۲۲: ۷۵)

ترجمہ: "اللہ منتخب کرتا ہے رسول اپنے فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے۔

(۲) اَللّٰہُ اَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسَالَتَہٗ ؕ (الانعام، ۶: ۱۲۴)

ترجمہ: "اللہ بہتر جانتا ہے کہ اسے اپنی رسالت کسے سونپنی ہے۔"

پس رسالت کا منصب کسی نسل، قوم یا قبیلہ کی میراث نہیں ہے جیسا کہ بنی اسرائیل کو زعم باطل تھا۔ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ اللہ نے ہر قوم میں رسول بھیجا۔ اللہ تمام انسانوں کا رب ہے پھر اس نعمت کے لیے وہ کسی ایک قوم کو مخصوص کیوں کرتا۔

۴۔ رسول معصوم ہوتا ہے:

ہر نبی اور رسول ولادت سے لے کر وفات تک گناہوں اور خطاؤں سے معصوم ہوتا ہے۔ اس کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی خصوصی نگہداشت میں گزرتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کر کے فرمایا:

وَاصۡبِرۡ لِحُکۡمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعۡیُنِنَا (الطور، ۵۲: ۴۸)

ترجمہ: "اور اپنے رب کا فیصلہ آنے تک صبر کیجئے یقیناً آپ ہماری نگہداشت میں ہیں۔"

رسول نفسانی خواہشات اور باہر سے شیطان کے حملوں سے محفوظ ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے بے پناہ اخلاقی و روحانی قوت ودیعت کی ہوتی ہے نیز وہ مسلسل اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتا ہے۔ وحی اور الہام کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ہدایات اسے مسلسل وصول ہوتی رہتی ہیں۔

۵۔ ہر رسول پر ایمان لانا ضروری ہے:

رسول جس قوم میں مبعوث ہوتا ہے اس قوم کے ہر فرد پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اس پر ایمان لائے، جو ایمان نہیں لائے گا وہ کافر قرار پائے گا۔

www.CSSExamPoint.com

دنیا اور آخرت میں عذاب کا مستحق ہوگا۔ بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے بھی ضروری ہے سابقہ تمام رسولوں پر ایمان لائیں، یعنی انہیں برحق رسول مانیں۔ ان میں تفریق و امتیاز نہ کریں۔ بعض کو رسول ماننے اور بعض سے انکار کرنے والے کافر ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ: ''یقیناً جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض سے انکار کرتے ہیں اور اس (یعنی ایمان اور کفر) کے مابین راہ پکڑنا چاہتے ہیں وہی ہیں پکے کافر اور ہم نے (ایسے) کافروں کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔

مسلم ہونے کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے مسلمان تو تمام انبیاء و رسل پر ایمان رکھتے ہیں لیکن یہودی نہ حضرت عیسیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر۔ اسی طرح عیسائی حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں رکھتے۔ مسلمان تو یہی کہتے ہیں کہ: لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرہ، ۲۸۵) ''ہم اس کے رسولوں کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔''

۶۔ رسول کی اطاعت ضرور ہے:

رسول اس لیے بھیجا جاتا ہے کہ لوگ اس کی کامل اطاعت کریں، جس کام کے کرنے کا حکم دے وہ کریں اور جس سے منع کرے اس سے باز رہیں۔ اگر لوگ رسول کی اطاعت نہ کریں تو اس کی بعثت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے اور اطاعت کے بغیر ایمان لانا بے سود اور لاحاصل ہے۔ اگر اطاعت نہ کریں گے تو لوگوں کی زندگی کیسے سنورے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط (النساء، ۴:۶۴)

ترجمہ: ''اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا سوائے اس لیے کہ اللہ کے اذن کی بناء پر اس کی اطاعت کی جائے۔''

رسول کی نافرمانی کرنے والا عذاب الٰہی کا مستوجب ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور جو نافرمانی کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی اور اس کی حدود سے تجاوز کرے گا وہ اسے آگ میں ڈال دے گا جس میں وہ مقیم رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔''

۷۔ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے:

رسول لوگوں کو جن اوامر و نواہی کی تعلیم دیتا ہے وہ سب اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ رسول اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا۔ ہر بات اللہ کی طرف سے وحی ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى O اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم، ۵۳:۳-۴)

ترجمہ: ''اور وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا یہ تو ایک وحی ہے جو اسے وحی کی جاتی ہے۔''

پس رسول ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج (النساء، ۴:۸۰)

ترجمہ: ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی''

www.CSSExamPoint.com

منصب رسالت

انبیاء علیہم السلام کے منصب اور ان کے درجے کے بارے میں اچھی خاصی غلط فہمیاں رہی ہیں اور بعض حلقوں میں اب بھی ہیں۔ ایک طرف تو یہ خیال تھا کہ انبیاء درجۂ بشریت سے بلند، فرشتے یا خدا ہوتے ہیں، یا کم از کم خدائی میں تھوڑے بہت شریک ہوتے ہیں۔ حالانکہ انبیائے کرام نے خود ہمیشہ اس کی تردید کی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ.

ترجمہ: ''میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے قبضے میں خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔'' (ھود۔۳۱)

اسی طرح بعض انبیا کو ان کی قوموں نے خدا کا بیٹا بنالیا۔ حالانکہ انہوں نے بھی اعلان کر دیا تھا:

قف
اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ط اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا O لا

ترجمہ: ''میں اللہ کا بندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا ہے۔'' (مریم۔۳۰)

آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر کہ پچھلی امتوں نے اپنے انبیا کی تعظیم و تکریم میں غلو کرتے کرتے انہیں خدائی کے مرتبے تک پہنچا دیا، اس بات کا بڑا خیال رکھا کہ کوئی شخص آپ کی ایسی بے جا تعظیم نہ کرے جس سے فتنہ پیدا ہو۔ کئی بار لوگوں نے آپ کو سجدہ کرنے کی اجازت چاہی لیکن آپ ﷺ نے سختی سے روک دیا، اور بار بار خدا کے سامنے اپنی بندگی اور بے چارگی کا اعلان کیا۔

ایک طرف تو انبیا کے مرتبے میں اس درجہ غلو کیا گیا انہیں خدائی تک پہنچا دیا گیا۔ دوسری طرف ایک گروہ نے رسالت کے درجے کو اس قدر کم سمجھا کہ رسول کی حیثیت ایک ڈاکیہ یا نامہ بردار سے زیادہ نہ رہی۔ انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ نبی کا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اللہ کی کتاب انسانوں تک پہنچا دے اور بس لیکن اگر رسولوں کا کام اتنا ہی ہوتا تو خدا یہ کام دوسروں سے بھی لے سکتا تھا۔ آخر اس کے لیے یہ کیا مشکل تھا کہ لوگوں پر لکھی لکھائی کتابیں نازل کر دیتا یا فرشتوں کے ذریعے کتب بھیج دیتا لیکن چونکہ شہادت حق کا کام بڑا وسیع ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل بھیجے۔ ان انبیاء کی ذمہ داریاں اور ان کے مناصب کیا تھے، اس سلسلے میں ہم قرآن سے رہنمائی حاصل کریں گے کہ اس نے انبیا کی کیا حیثیت بیان کی ہے۔

۱۔ قابل اطاعت:

قرآن کی رو سے نبی کی مکمل اطاعت اور پیروی ضروری ہوتی ہے اور ایسا سمجھنا شرط ایمان ہے۔ دین و شریعت کے دائرے میں نبی جو کچھ بھی کہتا ہے ایک مومن کا فرض ہے کہ اس کی تعمیل میں چون و چرا نہ کرے اور مصلحت خواہ اس کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے یہ ہر صورت یقین رکھے کہ وہ خیر ہی خیر ہے اور سراپا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط

ترجمہ: ''ہم نے جس رسول کو بھی بھیجا اسی لیے بھیجا کہ اذن خداوندی کے مطابق اس کی اطاعت کی جائے۔'' (النساء۔۶۴)

پھر یہ اطاعت بھی صرف ظاہر کی حد تک نہیں ہونی چاہیے، بلکہ دل کی رضا کے ساتھ ہونی چاہئے، نبی آخر الزماں ﷺ کے حق اطاعت کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

www.CSSExamPoint.com

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا○

ترجمہ: ''پس نہیں، اے نبی! تمہارا رب گواہ ہے کہ یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک وہ آپس کے تمام معاملات میں تمہیں حاکم نہ بنائیں اور پھر تمہارے فیصلے پر بلا کسی دلی تنگی کے آمادگی کے ساتھ سر تسلیم خم نہ کر دیں۔'' (النساء۔۶۵)

اور یہ بات عقل کے مطابق بھی ہے اس لیے کہ اگر انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکام کو جاننے کا واحد ذریعہ نبی ہے تو نبی کی کامل اطاعت اور پیروی کے بغیر اللہ کی اطاعت اور بندگی کی کوئی شکل رہ ہی نہیں جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نبی نے اپنی دعوت کے ساتھ یہ مطالبہ کیا:

فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ج

ترجمہ: ''اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔'' (الشعراء۔۱۳۱)

اس دعوت سے اس حقیقت کا اظہار مطلوب ہے کہ تقویٰ اور بندگی کی راہ صرف رسول کی اطاعت ہی سے معلوم ہو سکتی ہے اور صرف رسول ہی بتا سکتا ہے کہ خدا کے احکام کیا ہیں اور ان احکام پر کس طرح عمل کیا جانا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں بار بار اطیعو اللہ (اللہ کی اطاعت کرو) کے ساتھ ساتھ اطیعو الرسول (رسول کی اطاعت کرو) کا بھی حکم آیا ہے۔ نبی دین و شریعت کے دائرے میں جو کچھ کہتا ہے وہ سب کا سب اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ یہ حقیقت نبی کی حیثیت کو اور بھی اہم بنا دیتی ہے کیوں کہ ایسی صورت میں نبی کی اطاعت نبی کی اطاعت نہیں رہ جاتی بلکہ خدا کی اطاعت بن جاتی ہے، جیسا کہ فرمایا بھی گیا:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ط

ترجمہ: ''جس نے رسول کی اطاعت کی اسی نے خدا کی اطاعت کی۔'' (النساء۔۸۰)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ نبی کا ایک بڑا اہم منصب ''مطاع'' کا ہے۔ وہ ایک ایسی ہستی ہے جس کی کامل اطاعت کی جانی چاہیے، ایسی اطاعت جس میں نہ کوئی قید و شرط ہو نہ کوئی بے دلی۔ جو شخص نبی کا مقام اس سے نیچے سمجھتا ہے وہ صحیح معنوں میں نبی پر ایمان نہیں رکھتا اور بالکل نہیں جانتا کہ نبوت کسے کہتے ہیں۔

۲۔ شارح کتاب اللہ:

اللہ تعالیٰ کی شریعت چونکہ ہمیشہ رہنے کے لیے ہے لہٰذا کتاب اللہ میں زیادہ تر زور اصول و مبادی پر دیا گیا ہے اور اللہ کے پیغمبر کے ذمے یہ کام کیا گیا ہے کہ وہ ان کی تشریح و توضیح کریں۔

سورۂ نحل میں ارشاد کیا گیا ہے کہ:

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ

ترجمہ: ''اور ہم نے یہ ذکر (قرآن) تمہاری طرف اس لیے نازل کیا ہے تاکہ لوگوں کے لیے تم اس ہدایت کو واضح کر دو، جو ان کی طرف اتاری گئی ہے۔'' (آیت۔۴۴)

یہ بات ظاہر ہے کہ تشریح و توضیح خود کتاب کے الفاظ پڑھ کر سنا دینے سے نہیں ہوتی بلکہ تشریح کرنے والا اس کے الفاظ سے زائد بھی کچھ کہتا ہے تاکہ سننے والا کتاب کا مطلب پوری طرح سمجھ جائے۔ اسی طرح اگر کتاب میں کسی عملی مسئلے کا ذکر ہو تو بسا اوقات شارح کو عملی مظاہرے کے ذریعے سے

www.CSSExamPoint.com

مطلب سمجھانا پڑتا ہے۔ جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں انبیاء معصوم ہوتے ہیں، اسی بنا پر ان کی یہ تشریح و تعبیر خطا سے بالاتر اور ہمیشہ کے لیے حجت ہے۔ اس کے برخلاف دوسرے لوگ قرآن کی تشریح اور اس سے احکام اخذ کرنے کا جو کام کریں گے ضروری نہیں کہ وہ صحیح ہی ہو، وہ حجت نہیں ہوگا۔

۳۔ معلم و مربی:

آنحضرت ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج

ترجمہ: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان فرمایا ہے کہ خود انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔'' (آل عمران۔۱۶۴)

اور دیگر متعدد مقامات پر اس مفہوم کی آیات وارد ہوئی ہیں ان ساری آیات میں جو بات مشترک نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو صرف قرآن کی آیت سنا دینے کے لئے نہیں بھیجا تھا بلکہ اس کے ساتھ بعثت کے تین اور مقاصد تھے:

۱۔ لوگوں کو آپ ﷺ ''کتاب'' کی تعلیم دیں۔

۲۔ اس کتاب کے منشا کے مطابق کام کرنے کی حکمت سکھائیں۔

۳۔ افراد کا بھی اور ان کی اجتماعی ہیئت کا بھی تزکیہ کریں یعنی اپنی تربیت سے ان کی انفرادی اور اجتماعی خرابیوں کو دور کریں اور ان کے اندر اچھے اوصاف اور بہتر نظام اجتماعی کو نشو و نما دیں۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اللہ پڑھ کر سنانے کے علاوہ نبی کے جو فرائض ہیں ان میں کتاب و حکمت کی تعلیم بھی ہے اور جب یہ تعلیم آپ کے فرائض نبوت میں سے ہے تو یہ بات بدیہی ہے کہ اسی تعلیم کو پیغمبرانہ حیثیت حاصل ہوگی اور اس کی تعمیل امت مسلمہ کے لئے فرض ہوگی۔ آپ ﷺ کی اسی زبانی تعلیم اور عملی مظاہرے کو صحابہ اور تابعین نے اپنی روایات اور عمل کے ذریعے محفوظ رکھا اور وہ 'احادیث وسنن' کے نام سے موسوم ہوا۔

۴۔ پیشوا اور نمونۂ تقلید:

اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو امام و پیشوا اور ہادی و رہنما بنایا ہے یعنی نبوت اور وحی سے سرفراز ہونے کے بعد ان کی ذات مجسم ہدایت و راہنمائی اور امامت و پیشوائی کے لیے خاص ہو جاتی ہے۔ ان کی بعثت اسی لیے ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی راہنمائی فرمائیں اور ان کو ضلالت و گمراہی سے بچائیں، وہ جس امت میں مبعوث ہوتے ہیں، اس کے سامنے ہدایت و راہنمائی کے دو چراغ (کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ) روشن ہوتے ہیں جن کی روشنی میں کر ایک ہوتی ہے۔ سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ O

ترجمہ: ''اے نبی کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت رکھے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ غفور و رحیم ہے۔ کہو کہ اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی پھر اگر وہ منہ موڑتے ہیں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔'' (آیات۔۳۱، ۳۲)

www.CSSExamPoint.com

اسی طرح سورہ احزاب میں کہا گیا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ

ترجمہ: ''تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ تقلید موجود ہے۔ ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کی امید رکھتا ہے۔'' (آیت۔۳۱)

ان دونوں آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو پیشوا مقرر کیا تھا اور ان کی پیروی اور تقلید کو مسلمانوں کے لیے لازم قرار دیا ہے۔ یہ آیات اسی بات کی طرف واضح رہنمائی کرتی ہیں جو آپ ﷺ نے اپنے آخری خطبوں میں سے ایک میں حجۃ الوداع کے موقع پر کہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وسنتی

ترجمہ: ''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اللہ کی کتاب اور اپنی سنت (یعنی عملی زندگی)۔''

جو مسلمان آپ ﷺ کے عہد مبارک میں تھے ان کے تو سامنے ہی آپ ﷺ کی زندگی تھی لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی آپ ﷺ کی زندگی سنت کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے اور قرآن کریم کے بعد ہماری ہدایت کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے۔

۵۔ شارع اور قانون ساز:

سورۂ اعراف میں نبی ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ

ترجمہ: ''وہ ان کو معروف کا حکم دیتا ہے اور منکر سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ان پر ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اور بندھن (غیر الٰہی قوانین) اتار دیتا ہے جو ان پر چڑھے ہوئے تھے۔'' (آیت۔۱۵۷)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو تشریعی اختیارات عطا کیے ہیں۔ اللہ کی طرف سے امر و نہی اور تحلیل و تحریم صرف وہی نہیں ہے جو قرآن میں بیان ہوئی ہے بلکہ جو کچھ نبی ﷺ نے حلال و حرام قرار دیا ہے اور جس چیز کا حضور ﷺ نے حکم دیا ہے یا جس سے منع کیا ہے وہ بھی اللہ کے دیے ہوئے اختیارات سے ہے اس لیے وہ بھی قانون خداوندی کا حصہ ہے۔ یہی بات سورہ حشر میں بڑی صراحت سے ارشاد ہوئی ہے:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

ترجمہ: ''جو کچھ رسول تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے منع کر دے، اس سے رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔'' (الحشر آیت۔۷)

۶۔ قاضی اور حکم:

قرآن میں بے شمار جگہوں پر اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو قاضی و حکم مقرر کیا ہے۔

www.CSSExamPoint.com

اِنَّآ اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰکَ اللّٰهُ ط

ترجمہ: ''اے نبی، ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تاکہ لوگوں کے درمیان تم فیصلے کرو جیسا کہ اللہ تمہیں دکھائے۔'' (النساء۔۱۰۵)

مومنین کی صفات میں سے ایک صفت یہ بتائی گئی ہے کہ جب رسول کے فیصلے کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا (سمعنا و اطعنا)۔ اسی طرح ایک اور جگہ بیان کیا گیا ہے کہ مومنین کی شان یہ ہے کہ جب اللہ کا رسول کسی معاملے میں انہیں کوئی حکم دے دے تو وہ اسے بسر و چشم تسلیم کر لیتے ہیں اور ان کے دل میں فیصلے کے خلاف ذرا بھی تنگی نہیں ہوتی۔

انبیا کے گوناں گوں مناصب میں سے یہ صرف چند تھے جن کا ذکر اوپر کیا گیا۔ قرآن میں ان کے علاوہ بتایا گیا ہے کہ انبیا ہادی (رہنما)، نذیر (ڈرانے والے)، داعی (خدا کی طرف دعوت دینے والے)، مبشر (خوش خبری سنانے والے)، مبلغ (خدا کے احکام پہنچانے والے)، مزکی (برائیوں سے پاک کرنے والے)، سراج منیر (روشن چراغ) بھی تھے۔

امام الانبیا ﷺ کا مقام و مرتبہ

نبی کریم ﷺ کے خصائص و امتیازات وہ ہیں جو آپ ﷺ کو دیگر تمام انبیاء علیہم السلام سے ممتاز کرتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ رسول یا نبی ہونے کی حیثیت میں کسی قسم کی تفریق روا نہیں، جیسا کہ قرآن کریم نے اہل ایمان کا شیوہ بتلایا کہ وہ اعلان کرتے ہیں:

لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ.

یعنی ہم اس کے رسولوں کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔

لیکن قرآن حکیم نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ بعض رسولوں کو اللہ تعالیٰ نے دیگر رسولوں پر فضیلت عطا فرمائی اور ان کے درجات کو بلند فرمایا، ارشاد ہوتا ہے:

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ کَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (البقرہ:253)

یعنی یہ رسول ہیں ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطاء کی ہے۔ ان میں بعض وہ ہیں جو اللہ سے ہم کلام ہوئے اور اس نے ان میں سے بعض کے درجات کو بلند کیا ہے۔

اس آیت میں حضور ﷺ کی دیگر انبیاء پر فضیلت اور بلندی درجات کی طرف اشارہ ہے۔

آپ ﷺ کے خصائص و امتیازات جو ذیل میں بیان ہو رہے ہیں آپ ﷺ کی فضیلت کا سبب ہیں۔

حضور ﷺ کی بعثت کا مقصد:

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی تکمیل کے لیے جس کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی تھی اور جسے اسلام کی صورت میں حضور ﷺ کے ہاتھوں پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا۔ یہ (اسلام) بنی نوع انسان کے لیے ایک ایسا ضابطہ ہے جو قیامت تک انسانوں کی رہبری و راہنمائی کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (سورہ الاعراف آیت 158)

ترجمہ: یعنی اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

www.CSSExamPoint.com

یعنی حضورﷺ اپنی بعثت سے لے کر یوم قیامت تک ہر قوم، ہر قبیلے، ہر نسل اور ہر زمانے کے لیے مبعوث فرمائے گئے۔

سورۃ القلم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍO فَسَتُبْصِرُ وَیُبْصِرُوْنَO بِاَیِّکُمُ الْمَفْتُوْنُ.

(آیت 4-5-6)

ترجمہ: ''بے شک آپﷺ اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں۔ پس تم بھی عنقریب دیکھ لو گے اور وہ (کفار و مشرکین) بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے خبطی و سودائی کون تھا۔''

اللہ تعالیٰ نے حضورﷺ کی سیرت مبارکہ کا یہ سرٹیفکیٹ عطا کر کے تمام انبیاء پر آپﷺ کو فضیلت بخشی۔

اسوۂ حسنہ:

حضورﷺ چونکہ رحمت اللعالمین اور ساری دنیا کے لیے معلم اخلاق بنا کر بھیجے گئے تھے اس لیے آپﷺ کی سیرت مبارکہ اخلاق کریمانہ کا بہترین نمونہ تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ. (سورۃ احزاب آیت 21)

ترجمہ: ''بلاشبہ رسول اللہﷺ (کی ذات مبارکہ) میں تمہارے لیے ایک بہترین نمونہ عمل موجود ہے۔''

اس آیت مبارکہ کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ حضورﷺ نے جو اعمال اور افعال اس دنیا میں انجام دیے ان پر ہم بھی عمل کریں تا کہ راہ ہدایت پا کر ہماری بخشش کا کچھ سامان بن سکے۔ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ امور اختیاریہ میں ایسے بن جاؤ اور ایسے ہو کر آؤ جیسے جناب رسول اللہﷺ کا اخلاق ہے۔ گویا حق تعالیٰ نے ہمارے پاس ایک نمونہ بھیج دیا ہے اور گویا فرما دیا کہ تفصیلاً کہاں تک بیان کریں کہ یہ صفت پیدا کرو وہ صفت چھوڑ دو ہم ایک نمونہ بھیج دیتے ہیں ایسے بن جاؤ یعنی اپنے اخلاق، عادات، کھانا پینا، بیٹھنا، اٹھنا، چلنا پھرنا، وضع طرز اور چال ڈھال ایسا ہو جیسا کہ حضورﷺ کا ہے۔

حضورﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

و انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق.

ترجمہ: اور مجھے تو اخلاق کریمانہ کے اتمام کے لے مبعوث کیا گیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب آپﷺ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

کان خلقه القرآن.

ترجمہ: ''آپﷺ کا اخلاق تو قرآن حکیم ہے۔''

اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (سورہ الانبیاء آیت 107)

ترجمہ: ''(اے نبیﷺ) ہم نے تم کو صرف اس لیے بھیجا کہ تم تمام جہانوں کے لیے رحمت ہو۔''

www.CSSExamPoint.com

آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ عرب کے معاشرۂ جاہل میں جب اخلاق حسنہ کے بارے میں لوگ جانتے تک نہ تھے تو آپ ﷺ کو "امین" اور "صادق" کے القابات سے نوازا گیا۔ نبوت ملنے کے بعد آپ ﷺ کے اخلاقی جوہر روشن سے روشن تر ہوتے گئے۔ غرض آپ ﷺ کی سیرت پاک میں اوصاف اخلاق پورے طور پر تابناک نظر آتے ہیں۔

حضور ﷺ سے وابستگی کی بنیادیں:

ہر اس شخص پر یہ لازم ہے جو خود کو مسلمان کہتا ہے، حضور ﷺ پر ایمان لانے کے لیے ایمان، اطاعت، اتباع اور محبت کو بنیاد بنائے۔

حضور ﷺ پر ایمان لانا:

حضور ﷺ پر ایمان لانا رسالت کو تسلیم کرنے کی پہلی کڑی ہے۔ یعنی حضور ﷺ کو صادق اور امین مانے اور یہ جانے کہ آپ ﷺ کا ہر فعل، قول اللہ کے حکم کے عین مطابق ہے اور حضور ﷺ کا فرمان اللہ کا فرمان ہے، کیونکہ آپ ﷺ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے تھے سوائے اس کے جو آپ ﷺ پر وحی کیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ سورۂ الحدید آیت 28 میں فرماتے ہیں:

ترجمہ: تم رسول ﷺ پر ایمان لاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت سے دو حصے عطا کرے گا۔"

حضور ﷺ کو آخری نبی تسلیم کرنا بھی مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے۔

اطاعت رسول ﷺ:

سورۂ النساء آیت 80 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

ترجمہ: جس نے حضور ﷺ کی اطاعت کی تو بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔"

حضور ﷺ سے اطاعت کی صورت کیا ہے اس ضمن میں ابوداؤد نے بروایت عوف ابن مالک یہ حدیث نقل کی ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اس عہد پر بیعت لی کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے اور پانچ وقت کی نماز کو پابندی سے ادا کریں گے اور اپنے امراء کی اطاعت کریں گے اور کسی انسان سے کسی چیز کا سوال نہ کریں گے۔"

یہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دلوں میں آنحضرت ﷺ کی محبت و عظمت اور جذبہ اور اطاعت کا اثر تھا۔ سورۂ انفال آیت 20 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ.

ترجمہ: "اے ایمان والو! اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اس سے روگردانی مت کرو۔"

سورۂ حشر آیت 7 میں فرمایا:

وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ

ترجمہ: "اے ایمان والو! اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اس سے روگردانی مت کرو۔"

ان قرآنی آیات سے معلوم ہوا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور ﷺ کی اطاعت نہ کی جائے انسان ہرگز مسلمان نہیں ہو سکتا۔

www.CSSExamPoint.com

اتباع:

سورہ آل عمران کی آیت 31 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اے رسول ﷺ! کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ کے ساتھ محبت رکھتے ہو تو میری فرمانبرداری کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔''

اس آیت کریمہ سے یہ مراد ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرتا ہے اسے حضور ﷺ کی فرمانبرداری کرنا بھی لازمی ہے۔

حضور ﷺ خود فرماتے ہیں:

''تم میں کوئی بھی اس وقت تک کامل مومن نہیں بن سکتا جب تک اس کی خواہشات اس شریعت کے تابع نہ ہوں جسے میں لے کر آیا ہوں۔''

حضور ﷺ کے اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ حضور ﷺ کا فرمان بھی اللہ کا فرمان ہے اس لیے اس فرمان کی اطاعت کی جائے جو آپ ﷺ ساتھ لائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص میری امت کے بگاڑ کے زمانے میں میرے طریقے پر چلے گا اس کو سو شہیدوں کے برابر اجر اور انعام ملے گا۔''

''میرا ہر امتی جنت میں جائے گا سوائے اس کے جو انکار کر دے۔''

عرض کیا گیا کہ انکار کرنے والا شخص کون ہوگا؟ ارشاد فرمایا:

''جو شخص میری اطاعت کرے گا جنت میں جائے گا اور جو میری نافرمانی کرے گا وہ انکار کرنے والا ہوگا۔''

محبت:

حضور ﷺ سے محبت کرنا بھی ہر مسلمان کے ایمان کا جزو ہے۔ خود حضور ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے اپنے والدین، اپنی اولاد اور دنیا کے تمام لوگوں سے زیادہ میں محبوب نہ ہو جاؤں۔''

ایک اور مقام پر حضور ﷺ نے فرمایا:

''جس نے میری سنت کو محبوب سمجھا اس نے مجھے محبوب سمجھا۔''

ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب تک حضور ﷺ سے ہر مسلمان اپنے والدین، اولاد اور دنیا کے تمام لوگوں سے، جن سے وہ ملاپ رکھتا ہے، زیادہ محبت نہیں رکھتا، اس وقت تک وہ مسلمان کہلانے کا حق دار نہیں۔ گویا حضور ﷺ کی محبت سب کی محبت پر مقدم ہے۔

رسالت محمدی کی امتیازی خصوصیات

تمام رسول برحق ہیں اور اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس اعتبار سے ان میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۘ

ترجمہ: ''یہ رسول ہیں جن میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے۔''

www.CSSExamPoint.com

اسی طرح ہر رسول کی رسالت بھی برحق ہے لیکن حضرت محمد ﷺ کی رسالت میں کچھ خصوصیات ایسی ہیں جو کسی دوسرے رسول کی رسالت میں نہیں پائی جاتیں۔ مثلاً

۱۔ عالمگیریت:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے جتنے بھی رسول مبعوث ہوئے ان کی رسالت اپنی اپنی قوم کے لیے مختص تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام سب اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آل فرعون کی طرف بھیجا گیا تاکہ بنی اسرائیل کو ان کے مظالم سے نجات دلائیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تھا لیکن حضور ﷺ کی بعثت پورے بنی نوع انسان کے لیے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف، ۷:۱۵۸)

ترجمہ: ''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجئے، اے لوگو! یقیناً میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''

(۲) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا، ۳۴:۲۸)

ترجمہ: ''اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔''

(۱) ترجمہ: ''وہی ہے جس نے امیوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا وہ انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت، کی تعلیم دیتا ہے جبکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے اور (اس رسول کی بعثت) ان دوسرے لوگوں کے لیے بھی ہے جو ابھی ان سے نہیں ملے ہیں۔''

(الجمعہ، ۶۲:۳)

رسول کریم ﷺ نے صرف عربوں کو ہی دین کی تبلیغ نہیں کی تھی بلکہ آپ ﷺ نے اردگرد کے ملکوں کے بادشاہوں کو بھی خطوط لکھ کر اسلام کی دعوت دی تھی۔ آپ ﷺ نے مصر، حبشہ اور ایران کے بادشاہوں کے نام تبلیغی خطوط کے ساتھ اپنے قاصد بھیجے تھے۔ آپ ﷺ سے پہلے کسی رسول کی بابت نہ تو قرآن حکیم میں اور نہ ہی بائبل میں کوئی ذکر اس امر کا نہیں ملتا کہ ان کی بعثت اپنی قوم کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے بھی تھی۔ اس بات کا بھی کہیں ذکر نہیں ملتا کہ کسی رسول نے اپنی قوم کے سوا دوسرے لوگوں کو بھی دین کی دعوت دی ہو۔

۲۔ ختم نبوت:

حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ نبوت و رسالت کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا وہ آپ ﷺ پر ختم ہو گیا، آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی یا رسول قیامت تک نہیں آئے گا۔ آپ ﷺ کی رسالت قیامت تک تمام انسانوں کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط

(الاحزاب، ۳۳:۴۰)

ترجمہ: ''محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔''

www.CSSExamPoint.com

اوپر سورہ الجمعہ کی آیت ۳ کا ترجمہ دیا گیا ہے، اس سے بھی ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت نہ صرف آپ ﷺ کے مبارک زمانے کے لوگوں کے لیے تھی بلکہ بعد کے زمانے والوں کے لیے بھی۔

حضور ﷺ نے متعدد احادیث میں صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ اس مضمون کی چند احادیث درج ذیل ہیں:

(۱) وانا العاقب الذی لیس بعدہ نبی (بخاری، مسلم کتاب الفضائل، باب اسماء النبی)
اور میں وہ عاقب ہوں کہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

(۲) ''نبی ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء کیا کرتے تھے۔ جب بھی کوئی نبی وفات پاتا دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا، مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، خلفاء ہوں گے۔'' (بخاری، کتاب المناقب، باب ماذکر عن بنی اسرائیل)

(۳) نبی ﷺ نے فرمایا: میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین وجمیل بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹی ہوئی تھی۔ لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے اور اس کی خوبی پر حیرت کا اظہار کرتے تھے اور کہتے تھے یہ اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی۔ تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔'' (بخاری، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین)

(۴) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یقیناً رسالت اور نبوت کا سلسلہ منقطع ہو گیا پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ نبی (ترمذی، کتاب الرؤیا، باب ذہاب النبوۃ)

(۵) وانا آخر الانبیاء وانتم آخر الامم. (ابن ماجہ، کتاب الفتن) ''اور میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک پوری امت کا اس امر پر اجماع رہا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں، آپ ﷺ کے بعد اگر کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ بالکل جھوٹا ہے۔

۳۔ تکمیل دین:

دین کے بنیادی اصول وعقائد تو تمام رسولوں کے ایک ہی تھے لیکن شریعت ارتقاء پذیر رہی ہے۔ نئے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے نئے شرعی احکام آتے رہے ہیں تا آنکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت میں دین کی تکمیل ہوگئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

3- اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ

ترجمہ: ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔''

ختم نبوت کا منطقی تقاضا بھی یہی بنتا ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت میں اللہ کے دین کی تکمیل ہو جائے اور ارتقاء کا جو عمل شروع ہوا تھا وہ اپنے نقطۂ کمال کو پہنچ جائے۔ پس اب قیامت تک کے انسانوں کے لیے یہ دین ہدایت ربانی کا کام دیتا رہے گا۔

۴۔ تمام انبیائے حضور ﷺ پر ایمان لانے کا عہد کر رکھا تھا:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اگرچہ بعثت کے لحاظ سے آخری نبی ہیں لیکن آپ ﷺ کا نور اللہ تعالیٰ نے ازل ہی سے پیدا کر رکھا تھا۔ عالم مثال میں جب سب انبیاء علیہم السلام کی ارواح جمع ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ میں تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دوں گا۔ پھر اگر ایک رسول (ﷺ) تشریف لائیں، آپ ﷺ تم سب کی تصدیق کریں گے تم اقرار کرو کہ تم آپ ﷺ پر ایمان لاؤ گے اور آپ ﷺ کی مدد کرو گے۔ سب انبیاء نے اللہ تعالیٰ سے اس بات کا پختہ عہد کیا۔ (آل عمران، ۸۱)

www.CSSExamPoint.com

جس قدر انبیاء دنیا میں تشریف لائے وہ جناب رسالت مآب ﷺ کے بارے میں پیشگوئی کر کے آئندہ لوگوں کو تلقین کر گئے کہ آپ ﷺ جب تشریف لائیں تو ضرور مدد کرنا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت دی تھی اور آپ ﷺ کا اسم گرامی تک بتا دیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا، اے بنی اسرائیل! یقیناً میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور جس کا نام احمد ہوگا۔''
(الصف، ۶:۶۱)

۵۔ قرآن وسنت کی بے مثال محفوظیت:

سابقہ رسولوں پر اتاری ہوئی صرف چند کتابیں آج موجود ہیں لیکن وہ بھی اس حال میں کہ ان میں کثرت سے تبدیلیاں اور اضافے کیے جا چکے ہیں۔ ان کا ہر ایڈیشن پہلے سے مختلف ہوتا ہے۔ ان کو ماننے والے بھی یہ یقین نہیں رکھتے کہ یہ اللہ کی اتاری ہوئی کتابیں ہیں۔ رسالت محمدی کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید بالکل اس شکل میں موجود ہے جس میں یہ اتاری گئی تھی۔ اس میں زیر زبر تک کی تبدیلی نہیں ہو سکی۔ چونکہ یہ کتاب قیامت تک انسانوں کے لیے ہدایت ربانی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت بھی اپنے ذمے لے رکھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یقیناً ہم نے ہی ذکر (یعنی قرآن حکیم) کو نازل کیا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

قرآن حکیم کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت بھی مکمل طور پر محفوظ ہے۔ پس دنیا بھر کے انسان پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کی پیروی کر سکتے ہیں۔

۶۔ تحریف سے پاک کتاب اور دین:

حضور ﷺ کا پانچواں امتیاز یہ ہے کہ دین اسلام جو قرآن وسنت پر مبنی ہے۔ ہر قسم کی تحریف یعنی لفظی ومعنوی اور لسانی اور زبانی تحریف نے ان ادیان کا حلیہ بگاڑ دیا۔ قرآن مجید نے پہلی الہامی کتب میں تحریف کا تذکرہ متعدد مقامات پر کیا ہے اور خود ان کتب کے ماننے والے محققین نے بھی تحریف کا اقرار کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ لا وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ج

وہ کلام کو اس کے مواقع سے بدل دیتے ہیں اور جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی اس میں سے کچھ بھلا بیٹھتے ہیں۔

یہ امتیاز دین محمد کا ہے کہ قرآن مجید جو سرچشمہ ہدایت ہے۔ ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے، کیونکہ اللہ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے، تاکہ آخری کتاب ہونے کے سبب قیامت تک کے انسانوں کو ہدایت فراہم کرتی رہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

بے شک ہم نے ذکر (قرآن مجید) کو نازل کیا اور ہم خود اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

www.CSSExamPoint.com

۷۔ مستند سیرت رسول:

اب اس خصوصیت کو دیکھیے جس میں رسول اللہ ﷺ تمام انبیاء اور پیشوایان مذاہب میں ممتاز و یکتا نظر آتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی لائی کتاب کی طرح آپ ﷺ کی سیرت بھی محفوظ ہے جس سے ہم زندگی کے ہر دور میں رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ بچپن سے لے کر آخری سانس تک جتنے لوگوں نے آپ ﷺ کو کسی چیز کا حکم دیتے ہوئے سنا یا کسی چیز سے منع کرتے ہوئے سنا جن کی ایک عظیم تعداد نے سب کچھ یاد رکھا اور بعد کی نسل تک اسے پہنچایا۔ بعض محققین کے نزدیک ان لوگوں کی تعداد نے سب کچھ یاد رکھا اور بعد کی نسل تک اسے پہنچایا۔ بعض محققین کے نزدیک ان لوگوں کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جو روایات بعد کی نسلوں تک پہنچی تھیں، ان کے بارے میں ابتداء ہی میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔

۸۔ الہامی کتب اور انبیاء کی بشارتوں کے مصدق:

آپ ﷺ کی بعثت کا انتظار تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء اور ان کی وساطت سے ان کی امتوں سے حضور ﷺ پر ایمان لانے اور نصرت کا وعدہ لیا تھا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ (آل عمران 81)

''اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں نے تمہیں کتاب اور حکمت سے دیا ہے، پھر تمہارے پاس وہ نبی آئے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔ اللہ نے کہا کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرے عہد کا بوجھ لیتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم اقرار کرتے ہیں۔ پس گواہ رہو اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

قرآن مجید نے سابقہ انبیاء اور الہامی کتب کی بعض بشارتوں کا ذکر کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت میں آنحضور ﷺ کا اسم گرامی بھی بیان ہوا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ (الصف:6)

ترجمہ: ''اور میں خوشخبری دینے والا ہوں، اس رسول کی جو میرے بعد آئیں گے۔ ان کا اسم گرامی احمد ہوگا۔''

۹۔ سیرت کی جامعیت و ہمہ گیری:

حضور ﷺ کا ایک اور امتیاز آپ ﷺ کی سیرت کی جامعیت اور ہمہ گیری ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:21)

یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔

حضور ﷺ کی حیات طیبہ سے ہر انسان کو زندگی کے ہر شعبے میں ہدایت و راہنمائی ملتی ہے۔ آپ ﷺ کا بچپن جوانی کی حالت میں تھا، ہر قسم کی بچگانہ آلائشوں سے پاک تھا جو نسل انسانی کے تمام بچوں کے لئے نمونہ عمل ہے۔ آپ ﷺ کی جوانی گرد و پیش کی تمام برائیوں سے محفوظ تھی جو ہر دور

www.CSSExamPoint.com

کے جوانوں کے لئے بہترین نمونہ پیش کرتی ہے۔ اس دور میں صداقت و امانت کی بنا پر صادق و امین کہلائے۔ تجارت میں امانت و دیانت کے اصول کو اپنا کر قیامت تک کے مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے روشن مثالیں قائم کیں۔

دعوت حق میں مصائب و مشکلات کا ثابت قدمی سے مقابلہ کر کے آنے والی نسلوں کے لئے قابل تقلید نمونہ عمل پیش فرمایا۔ مدنی زندگی میں سربراہ مملکت کی حیثیت میں مختلف پہلوؤں سے وہ نمونہ پیش فرمایا جو قیامت تک کے انسانوں کے لیے رہنمائی کی حیثیت رکھتا ہے۔

آنحضور ﷺ کی ذات گرامی میں وہ تمام اخلاقی اوصاف موجود تھے جو انبیاء سابقین میں فرداً فرداً پائے جاتے تھے۔ انسانی ذہن میں جو خوبی آسکتی ہے وہ آپ ﷺ کی ذات میں بدرجہ اتم موجود تھی۔

مختصر یہ کہ مختلف طبقات انسانی کو اپنی ہدایت کے لئے جن نمونوں کی ضرورت ہو سکتی ہے، وہ سب محمد ﷺ کی مثالی زندگی میں موجود ہیں۔ یہ سب آپ ﷺ کا امتیاز ہے جو دیگر انبیاء کو اس درجہ حاصل نہ تھا۔

۱۰۔ سراج منیر:

رسول اکرم ﷺ سراج منیر (روشن کرنے والا سورج) ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ○ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا (الاحزاب:46-45)

۱۱۔ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کا درود:

حضور ﷺ کا بہت بڑا اعزاز و امتیاز یہ ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ط يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (الاحزاب:56)

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔

۱۲۔ صاحب خلق عظیم:

آپ ﷺ کی ایک اور خصوصیت آپ ﷺ کا صاحب خلق عظیم ہونا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم:4)

بے شک آپ ﷺ خلق عظیم کے مالک ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے خود فرمایا: مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔

تمام انبیاء میں کسی نہ کسی خلق اور خوبی کی خصوصیات موجود ہیں اور آپ ﷺ کی ذات پاک جملہ انبیاء کے تمام اخلاق کی جامع ہے۔

حسن یوسف دم عیسی ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آپ ﷺ کے اخلاق میں جامعیت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ذات مبارک میں حضرت نوح رحمۃ اللہ علیہ کی سرگرمی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نرم دلی، حضرت یوسف علیہ السلام کی سی درگزر، حضرت داؤد علیہ السلام کی سی فتوحات،

www.CSSExamPoint.com

حضرت ایوب علیہ السلام کا سا صبر، حضرت سلیمان علیہ السلام جیسی سطوت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی خاکساری، حضرت یحیٰ علیہ السلام کا سا زہد، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سی سبک روی، مکمل طور پر تھی اور رحمۃ اللعالمینی کا نور تمام رنگوں سے بڑھ کر تھا۔

۱۳۔ عطیہ کوثر:

آپ ﷺ کو حوض کوثر عطا کی گئی ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ (الکوثر:1)

ہم نے آپ (ﷺ) کو کوثر عطا کی۔ یہ خصوصیات کسی اور نبی کے لئے نہیں ہے۔ یہ فخر آپ ﷺ ہی کے لیے ہے۔

1- امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لفظ "کوثر" دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیوں کا جامع ہے۔

2- اس سے مراد ایسی نبوت کاملہ اور ریاست عامہ اور ہدایت جامعہ ہے جو پہلے کسی کو نہ دی گئی ہو۔

3- کوثر سے مراد وہ اخلاق حمیدہ ہیں جو صرف آپ ﷺ کی ذات بابرکات میں ہی پائے جاتے ہیں اور کسی کے پاس نہیں ہیں۔ آخرت کی نعمتوں میں حوض کوثر، نہر کوثر اور مقام محمود کا عطیہ ہے۔

۱۴۔ مقام محمود:

رسالت محمد ﷺ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز رسول اللہ ﷺ کو اپنے خاص فضل و کرم سے مقام محمود پر فائز فرمائیں گے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّکَ ق عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

(اے نبی ﷺ) رات کو تہجد پڑھو۔ یہ تمہارے لئے نفل ہے، امید ہے کہ تمہارا رب تمہیں مقام محمود پر فائز کر دے۔

۱۵۔ شفاعت عظمیٰ:

آنحضرت ﷺ کی ایک خصوصیت اور امتیاز شافع محشر ہونا ہے۔ روز قیامت جب جلال الٰہی کا آفتاب پوری تمازت پر ہوگا اور گناہگار انسانوں پر امن و سکون کا کوئی سایہ نہیں ہوگا اور وہ گھبراہٹ کے عالم میں تمام انبیاء کے پاس فرداً فرداً جائیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حساب کتاب کی استدعا فرمائیں تو تمام انبیا انکار کر دیں گے کہ آج ہمیں کلام کا یارا نہیں ہے۔ اس وقت فخر موجودات، باعث خلق کائنات، سید اولاد آدم اور امام الانبیا ﷺ ہاتھوں میں لوائے حمد اور سر پر تاج شفاعت عظمیٰ سجائے بنی نوع انسان کی دستگیری فرمائیں گے۔ حضور پاک ﷺ نے فرمایا: "میں سب سے پہلے شفیع ہوں گا جس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ قیامت کے دن میں امام الانبیاء اور بنی آدم کا نمائندہ بنوں گا، اس پر فخر نہیں اور روز محشر مجھے شفاعت عظمیٰ اور مقام محمود عطا کیا جائے گا اور اس پر فخر نہیں۔

www.CSSExamPoint.com

آخرت

معنی و مفہوم:

آخرۃ (اردو میں آخرت) مؤنث ہے آخر کی اور یہ ضد ہے اولی کی۔ جیسے آخر کی ضد اول ہے۔ آخرۃ کا معنی ہے بعد میں آنے والی۔ ہماری ارضی زندگی کو قرآن حکیم میں الحیوۃ الدنیا کہا گیا ہے، یعنی قریب ترین زندگی یا صرف الاولی کہا گیا ہے۔ یعنی پہلی یا ابتدائی (زندگی) موت کے بعد کی زندگی کو آخرہ اور عقبی کہا گیا ہے۔ عقبی کا معنی ہے پیچھے آنے والی۔

اسلام کا تصور آخرت

اسلام میں آخرت کا نہایت واضح تصور دیا گیا ہے۔ قیامت برپا ہوگی، یہ ساری کائنات ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔ مرے ہوئے تمام انسانوں کو دوبارہ زندگی دے کر اٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور سب کی پیشی ہوگی۔ دنیا میں کیے گئے اعمال کا حساب ہوگا، جس کی نیکیاں زیادہ ہوں گی وہ انعام پائے گا اور جس کے برے اعمال زیادہ ہوں گے وہ سزا پائے گا۔ اسلام کے تصور آخرت کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ انسان کی اس ارضی یا دنیوی زندگی کا خاتمہ (موت سے) اس کی زندگی کا مکمل خاتمہ نہیں بلکہ یہ تو ایک زندگی سے دوسری زندگی میں تحویل و تبدیلی ہے۔ مرنے سے صرف انسان کا جسم فنا ہوتا ہے اس کی روح فنا نہیں ہوتی۔

۲۔ یہ دنیوی زندگی بہت محدود مدت کی اور عارضی ہے جبکہ اخروی زندگی دائمی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ز وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ

ترجمہ: ''اے میری قوم یہ دنیا کی زندگی تو چند روزہ ہے، ہمیشہ کے قیام کی جگہ تو آخرت ہے۔''

ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے:

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ط وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ م لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (المؤمن، ۴۰:۳۹)

ترجمہ: ''اور یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے مگر ایک کھیل اور دل کا بہلاوا۔ اصل زندگی تو دارِ آخرت ہے، کاش یہ لوگ علم رکھتے۔''

۳۔ دنیوی زندگی آخرت کی کھیتی ہے۔ (مزرع الاخرۃ) یہاں انسان جو کچھ بوئے گا اس کی فصل آخرت میں کاٹے گا۔ یعنی یہاں جو بھی عمل کرے گا اس کی جزا یا سزا آخرت میں ملے گی۔

۴۔ یقیناً آخرت اس دنیوی زندگی سے بہتر ہے۔ ''وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى'' ''اور یقیناً آخرت تیرے لیے اولی بہتر ہے۔ (الضحیٰ، ۹۳:۴) ایک اور مقام پر دنیا کی زندگی کا آخرت کے ساتھ یوں موازنہ کیا ہے:

وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ط وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ (الرعد، ۱۳:۲۶)

ترجمہ: ''یہ لوگ دنیوی زندگی پر خوش ہیں حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں ایک متاع قلیل کے سوا کچھ نہیں ہے۔''

www.CSSExamPoint.com

رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر دنیا کی اہمیت وقدر مچھر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو اس کی دنیا سے پانی کا ایک گھونٹ بھی میسر نہ آتا۔

۵۔ آخرت میں نجات اور کامیابی کا دارومدار صرف اور صرف ایمان اور عمل صالح پر ہے۔ اس کے سوا وہاں کوئی چیز کام نہ آئے گی۔ نسل، قربت داری، دولت، جاہ وحشمت وغیرہ کوئی چیز بھی کام نہ آئے گی۔

۶۔ انسان کے اعمال کو ترازو میں رکھ کر تولا جائے گا۔ ایک طرف نیکیاں اور ایک طرف برائیاں اگر نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوا تو انعام ملے گا اور اگر برائیوں کا پلڑا بھاری ہوا تو سزا ملے گی۔

۷۔ جو شخص انعام کا مستحق قرار پائے گا وہ جنت میں داخل ہوگا اور سزا کے حقدار کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

جنت اور جہنم:

جنت اخروی زندگی میں نیکوکاروں کا مقام ہے اور جہنم ان کا ٹھکانہ ہے جن کے برے اعمال نیکیوں کے مقابلے میں زیادہ ہوں گے۔ جنت کی زندگی دائمی ہے۔ جہنم کی زندگی کے بارے میں بزرگوں کی رائے یہ ہے کہ اہل ایمان اپنے گناہوں کی سزا پا کر آخر کار جہنم سے نجات حاصل کر کے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ کفار اور مشرکین ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ کیونکہ قرآن حکیم میں ان کی بابت متعدد مقامات پر یہی بتایا گیا ہے۔ (خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا. وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

جنت میں انسان کو وہ سب کچھ حاصل ہوگا جس کی اس کے دل میں خواہش پیدا ہوگی۔ ارشاد ربانی ہے: وَفِيْهَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ. ''اور اس جنت میں ہر چیز وہ ہوگی جس کی دل خواہش کریں گے اور جو آنکھوں کو لذت دینے والی ہوگی۔'' ایک اور جگہ ارشاد ہے: وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ، ''اور تمہارے لیے جنت میں وہ سب کچھ ہوگا جس کی تمہارے دل خواہش کریں گے اور تمہارے لیے اس میں وہ کچھ ہوگا جس کی تمنا کرو گے۔'' (حم السجدہ، ۴۱: ۳۱) قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر بڑے دلکش انداز میں جنت کا نقشہ کھینچا ہوا ہے۔ گھنے باغات، ان کے نیچے بہتری نہری، پانی کی اور شہد کی نہریں، معتدل موسم، ہر قسم کے میوے، پھل، چاندی کے برتن، شیشے کے جام، حوریں اور غلمان یہ سب چیزیں وہاں موجود ہوں گی۔ احادیث مبارکہ میں آیا ہے کہ جنتیوں کو سب سے بڑا انعام یہ ملے گا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا۔

قرآن حکیم میں جہنم کی ہولناکیوں کو بھی جا بجا بیان کیا گیا ہے۔ جہنم کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ جہنم کی بھڑکائی ہوئی آگ بدن کو چھوتی ہوئی دل تک پہنچے گی۔ جہنم کی آگ میں وہ نہ جئیں گے اور نہ مریں گے۔ وہ آگ کھال کو ادھیڑ دینے اور کبھی نہ بجھنے والی ہے۔ جہنم میں لوگوں کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو آنتوں کو کاٹ دے گا۔ اور کھانے کو خاردار جھاڑ کے سوا کچھ نہ ملے گا۔

عقیدۂ آخرت پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے:

کسی مسلمان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اسلام کے پانچویں اصول آخرت پر یقین نہ رکھتا ہو۔ اسلام میں قیامت یا آخرت کے عقیدے کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کے تمام تر اعمال کے اچھے اور بُرے ہونے کا دارومدار اسی عقیدے پر ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> ''وہ لوگ یقیناً خسارے میں رہیں گے جو (بروز قیامت) خدا کے سامنے حاضر ہونے کے منکر ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور قیامت کا انکار کیا ان کے تمام اعمال ضائع ہو گئے۔''

مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق آخر یہ کائنات فنا ہو جائے گی پھر حکم خداوندی سے مردے زندہ ہو کر بارگاہ الٰہی میں پیش ہوں گے اور ان

www.CSSExamPoint.com

کے اعمال کے مطابق سزا و جزا کا فیصلہ ہوگا اس کے برعکس مشرکین کا کہنا ہے کہ ان کے اعمال خواہ کچھ بھی ہوں اگر قیامت آگئی تو ان کے دیوی دیوتا ان کو چھڑا لیں گے۔ اسی روز ان کی یہ غلطی بھی دور ہو جائے گی کہ ان کا دیوی دیوتاؤں پر اعتماد سراسر جھوٹا تھا۔ وہاں تو ہر ایک کو وہی کچھ ملے گا جو اس نے خود کیا تھا۔ قرآن حکیم کی متعدد آیات میں آخرت کا ذکر آیا ہے۔

سورہ القیامہ آیت 8 اور 9 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور چاند بے نور ہو جائے گا اور چاند اور سورج ملا کر ایک کر دیے جائیں گے۔

سورہ الانشقاق آیت 3 میں اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ہیں:

''اور جب زمین پھیلا دی جائے گی اور جو کچھ اس کے اندر ہے اسے باہر پھینک کر خالی ہو جائے گی یعنی نظام کائنات میں کشش ثقل کے خاتمے سے زمین کا وزن ہلکا ہو جائے گا اور دیگر تبدیلیوں کے باعث وہ پھیل جائے گی۔''

سورہ انفطار آیت 1 اور 2 میں ہے:

''جب آسمان پھٹ جائے گا اور تارے گر پڑیں گے۔''

ایک اور سورہ میں قیامت کے رونما ہونے کی شہادت ان الفاظ میں دی گئی ہے:

''جب زمین کی دھجیاں اڑ جائیں گی اور چاند گہنا جائے گا اور سورج چاند اکٹھے کیے جائیں گے۔''

عقیدۂ آخرت کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مسلمان کی عملی زندگی کا بنیادی محرک یہی عقیدہ ہے۔ کیونکہ اسلام انسان کی اُخروی زندگی کو حقیقی زندگی اور اس کی کامیابی کو حقیقی کامیابی سمجھتا ہے۔

یوم آخرت پر ہی ہر انسان کے ہاتھ میں وہ فہرست تھما دی جائے گی جس میں اس کے اچھے اور برے اعمال درج ہوں گے۔

یوم آخرت کی ضرورت کیوں پڑی:

یعنی یوم آخرت کی ضرورت اس لیے بھی محسوس کی گئی کہ بعض انسانوں کے جرائم اور بعض کی نیکیاں تعداد اور نوعیت کے لحاظ سے ایسی ہوتی ہیں کہ اس کی مختصر مدت حیات میں ان کا پورا بدلہ ہی نہیں دیا جا سکتا۔ فرعون، ہلاکو خان اور ہٹلر جیسے لوگوں کو جنہوں نے لاکھوں افراد کو ہلاک و برباد کیا دنیا کا سکون لوٹا اور ان کے جرائم کے مساوی کوئی سزا ان کو مختصر مدت میں نہیں دی جا سکتی تھی اور کیا انسانیت کی فلاح کے لیے پیغمبر علیہم السلام نے جو مشقیں کیں اور جن کی کوششوں سے لاتعداد افراد ضلالت و گمراہی سے نکل کر صراطِ المستقیم پر آئے ان محنتوں کا پورا پورا صلہ اس دنیا کی محدود زندگی میں ممکن تھا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ ایسے افراد کے اعمال کا پورا صلہ تو ایک ایسے ہی جہاں میں دیا جا سکتا تھا جو قید وقت سے آزاد ہو لہٰذا قیامت اسی ضرورت کو پورا کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

یوم آخرت کو اللہ تعالیٰ انسانوں سے پوچھیں گے کہ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (سورہ مومن آیت 16) یعنی (بولو) آج کے روز کس کی بادشاہت ہے۔ اس سے محض یہ جتلانا ہی مقصود ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں جاہ و جلال، مال و دولت، اولاد اور اچھی صحت دی تو اس وقت تو اے انسان تو نے اللہ کے احکامات کی ذرہ بھر بھی پروانہ کی اور حقوق العباد کا ذرہ بھر بھی دھیان نہ رکھا اور تم ہماری گرفت سے بالکل بے پروا رہے تھے اور تجھے یہ بھی یاد نہ رہا کہ ایک نہ ایک دن تم نے ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے آج تمہیں ہمارے عذاب سے کون بچا سکے گا اور جب قہر خداوندی کے خوف سے سب کی زبانیں گنگ ہو جائیں گی اور کوئی جواب نہیں ملے گا تو جواب نہ ملنے پر اللہ تعالیٰ خود ہی ارشاد فرمائیں گے: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ یعنی (آج کے دن بادشاہت) تو اسی خدائے واحد کی ہے جس کے قبضے سے کوئی چیز باہر نہیں (سورہ مومن آیت 16) آخرت کے روز کسی انسان کی چرب زبانی، چالاکی، غلط بیانی، سخن ساز اور چاپلوسی اس کے کسی کام نہ آئے گی کیونکہ اس روز زبانوں پر مہر لگی ہوگی اور ہاتھ اور پاؤں گواہی دیں گے۔ لہٰذا ہر شخص کو

www.CSSExamPoint.com

اُخروی زندگی کو دنیوی زندگی پر ترجیح دینی چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا دنیا کی زندگی عارضی ہے اور آخرت کی زندگی نہ ختم ہونے والی اس لیے آخرت کو زیادہ ترجیح دیں۔ لیکن بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت نے دنیوی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھ رکھا ہے اور انہیں آخرت کی کوئی فکر نہیں۔

عیسائی عقیدۂ آخرت پر یقین رکھتے ہیں لیکن ہندوؤں کا کہنا ہے کہ انسان موت کے بعد بالکل ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی روح ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہو جاتی ہے اس عقیدے کو آواگون کہتے ہیں۔

الغرض کہ دنیا کو آخرت پر قربان کر دینے کی روش انسان کو قربانی اور ایثار کا ایسا پیکر بنا دے گا جو اپنے معاشرے کے لیے بہت بڑی نعمت ہو گی اور جس معاشرے کے تمام افراد یہ روش اختیار کر لیں گے وہ معاشرہ صحیح معنوں میں اسلامی معاشرہ ہو گا جس میں کسی کو نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی حزن۔

ترجمہ: ''اور اللہ نے تمہیں زمین سے عجب طرح اگایا ہے۔ پھر وہ تمہیں اس میں لوٹا دے گا اور تمہیں ایک (نئی) پیدائش میں نکال کھڑا کرے گا۔'' (سورہ نوح 17-18)

بعض مفسرین نے آخرت کو دارالآخرت یعنی (آخری گھر) بھی کہا ہے جو موجودہ گھر یعنی دنیا کی ضد ہے نیز اسے دارالبقاء اور دارالقضا کے نام بھی دیئے گئے ہیں۔

آخرت کو نہ ماننے کے نتائج:

1- غیر ذمہ دارانہ رویہ:

جو شخص عقیدۂ آخرت کا منکر ہے اس میں غیر ذمہ داری کا عنصر نمایاں ہو جاتا ہے کیونکہ وہ یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ دنیاوی زندگی کے بعد کوئی اور زندگی نہیں اس لیے وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں لاپرواہی اور بے اعتنائی برتنے لگتا ہے۔ دوسرے انسانوں کو حرص و ہوس، بداخلاقی اور ظلم و ستم کا نشانہ بنانے کے علاوہ وہ حلال و حرام اور نیکی اور بدی میں کوئی تمیز نہیں کر سکتا۔ غیر ذمہ دارانہ رویہ اپنانے کی وجہ سے انسان نہ صرف دنیا میں ذلیل و خوار ہوتا ہے بلکہ اس کی اُخروی زندگی بھی جہنم بن جاتی ہے۔

2- تنگ نظری:

عقیدۂ آخرت پر یقین نہ رکھنے والا شخص ہمیشہ تنگ نظر اور متعصب ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے دل میں کسی شخص کے لیے ہمدردی، محبت اور شفقت کے جذبات معدوم ہو جاتے ہیں اور جب اس قسم کی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے تو وہ ہر شخص کو تعصب کی عینک سے دیکھتا ہے اور مخلوق خدا کی خدمت کرنے کی بجائے خود غرضی، لالچ، بخل، بغض و عناد، بداخلاقی اور ہوس کو اپنا ذاتی حق خیال کرتا ہے۔

3- دنیا کی محبت:

جو شخص عقیدۂ آخرت پر یقین نہیں رکھتا اس کا مقصد و مطلوب دنیاوی زندگی بن جاتی ہے اور اخروی زندگی بے معنی سی ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس لیے کہ وہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے وہ اپنی ساری تگ و دو، دنیاوی زندگی کی آسائشوں کے حصول کے لیے کرتا ہے اور جھوٹی شان و شوکت بنانے کے لیے جائز و ناجائز ہر قسم کے ذرائع اختیار کرتا ہے۔ رشوت، چور بازاری، ناجائز منافع خوری اور ذخیرہ اندوزی اس کے نزدیک جرم نہیں ہیں لیکن وہ یہ کام اکیلا نہیں کرتا بلکہ اپنے دیگر ساتھیوں کو ایسا کرنے کی ترغیب دیتا ہے تاکہ وہ خود کو تنہا محسوس نہ کرے۔

www.CSSExamPoint.com

4- رسالت کا تصور بے معنی:

عقیدۂ آخرت پر یقین نہ کرنے والے کو رسالت کا تصور کچھ بے معنی سا لگتا ہے کیونکہ رسالت ہی کے ذریعے لوگوں کو ہدایت اور راہنمائی ملی اور تعلق باللہ قائم کرنے کا موقع میسر آیا۔ اگر نیکی کی جزا اور برائی کی سزا نہ ہو تو پھر رسولوں اور نبیوں کی ضرورت نہیں پڑتی حالانکہ ہر نبی نے اپنی امت کو جنت میں جانے کی خوشخبری سنائی اور اس کے ساتھ ساتھ دوزخ کے عذاب سے بھی ڈرایا۔

5- سرکشی اور نافرمانی:

جو شخص عقیدۂ آخرت پر یقین نہیں رکھتا وہ دنیا والوں سے بھی محبت نہیں کرتا اسے نہ تو محاسبے کا خوف ہوتا ہے اس لیے کہ اس کے خیال کے مطابق یوم آخرت نہیں آئے گا اس طرح وہ شخص سرکشی اور نافرمانی کو ہی اپنے لیے بہتر خیال کرتا ہے۔

6- اعمال کا ضائع ہو جانا:

اللہ تعالیٰ عقیدۂ آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کی عبادت و ریاضت ضائع کر دیتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ریا کو پسند نہیں کرتا اور اسے تو صرف وہی اعمال پسند آئیں گے جو اس کی رضا اور اخروی مقصد کے تحت کیے جائیں۔

عقیدۂ آخرت کی اہمیت:

اگرچہ سب سے اہم اور بنیادی عقیدہ توحید ہی ہے لیکن اگر آخرت کا عقیدہ نہ ہو تو نیک کام کرنے پر انعام کی امید اور برے کام کرنے پر سزا کا خوف نہ ہو تو پھر انسان کو کسی چیز پر ایمان لانے یا نیکی کرنے کی کیا ضرورت باقی رہ جائے گی۔ ایسے اعلیٰ طبیعت کے انسان تو بہت کم ہوتے ہیں جو خود نیکی Virtue کو ہی اس کا اجر سمجھ کر نیکی برائے نیکی کریں یا حقائق اور صداقتوں کو صرف اس لیے مان لیں کہ وہ بس حقائق اور صداقتیں ہیں۔ اس لیے ان کو ماننا ہی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں عقیدۂ آخرت (ایمان بالآخرۃ) کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

ا۔ توحید اور آخرت کا یک جا ذکر:

اسلام کے بنیادی عقائد تو پانچ ہیں لیکن قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر صرف ان دو عقائد یعنی توحید اور آخرت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دو عقائد کو کس طرح اہمیت دی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے (نبی کریم ﷺ پر) اور یہودی، عیسائی اور صابی (ان میں سے) جو بھی اللہ پر اور آخرت پر ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور انہیں کوئی خوف ہوگا اور نہ رنج۔'' (البقرۃ ۲:۶۲)

یہی مضمون سورہ المائدہ (۵:۶۹) میں بھی بیان ہوا ہے۔

۲۔ آخرت پر دلائل:

قرآن حکیم میں جہاں آخرت پر ایمان لانے پر اتنا زور دیا گیا ہے وہاں اس کے ساتھ ساتھ آخرت کو حق ثابت کرنے کے لیے دل کو اپیل کرنے والے دلائل بھی دیے گئے ہیں اور منکرین آخرت کی باتوں کی تعدید بھی کی گئی ہے۔ اس سے بھی اس کی اہمیت کا پتا چلتا ہے۔ مثال کے طور پر چند آیات کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔

ا۔ ''کیا تم نے یہ خیال کر لیا کہ ہم نے تمہیں فضول ہی پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف کبھی پلٹنا ہی نہیں؟'' (المومنون، ۲۳:۱۱۵)

۲۔ وہی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے۔ پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا اور یہ اس کے لیے آسان تر ہے۔'' (الروم، ۳۰:۲۷)

www.CSSExamPoint.com

۲۔ انسان کہتا ہے کہ کون ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا جب کہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہوں۔ کہہ دیجئے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو اول بار پیدا کیا تھا اور وہ تخلیق کے ہر کام کو خوب جانتا ہے۔" (یسین: ۳۶: ۷۸، ۷۹)

۳۔ جنت و جہنم کا تفصیلی بیان:

قرآن حکیم میں جا بجا جنت و جہنم کے نقشے کھینچے گئے ہیں تا کہ لوگوں کا آخرت پر ایمان مضبوط ہو۔ اس سے بھی آخرت کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔

۴۔ منکر آخرت کے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے:

کوئی شخص کتنا ہی نیکوکار ہو اگر وہ آخرت پر یقین نہیں رکھتا تو اس کے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور آخرت میں اسے ان کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ط

ترجمہ: "اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو اور آخرت کی پیشی کو جھٹلایا ان کے سارے اعمال ضائع ہو گئے۔"

ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے:

ترجمہ: "یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں اور اس کے حضور پیشی کو ماننے سے انکار کیا، لہٰذا ان کے سارے اعمال ضائع ہو گئے، قیامت کے روز ہم انہیں کوئی وزن نہ دیں گے۔" (الکہف، ۱۸: ۱۰۵)

۵۔ دردناک عذاب:

جو شخص آخرت پر ایمان نہ رکھے اسے دردناک عذاب کی سزا ملے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا

(بنی اسرائیل، ۱۷: ۱۰)

ترجمہ: "اور قرآن یہ خبر دیتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

www.CSSExamPoint.com

انسانی زندگی پر عقیدہ آخرت کے اثرات

عقیدۂ آخرت کے انسانی زندگی پر بہت گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں جن میں سے چند اہم اثرات درج ذیل ہیں:

۱۔ زندگی کی مقصدیت پر یقین:

عقیدۂ آخرت کا سب سے بڑا اور اہم فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی دنیوی زندگی کو بامقصد سمجھنے لگتا ہے۔ وگرنہ اسے یہ زندگی بالکل عبث اور بے مقصد معلوم ہو۔ اگر اخروی زندگی نہ ہو تو پھر یہ دنیوی زندگی، یعنی پیدا ہونا، جوان ہونا، کھانا پینا، مصائب برداشت کرنا اور پھر مر جانا۔ یہ بالکل واہیات اور فضول (Absurd) سا عمل محسوس ہوتا ہے۔ اس صورت میں اگر کوئی زندگی بسر کرے گا بھی تو محض فطرت کے جبر کے تحت، جیسے حیوان اور دوسرے جاندار زندگی بسر کرتے ہیں لیکن سخت اذیت کے ساتھ، کیونکہ دوسرے حیوانات کے برعکس انسان ایک ذی شعور جاندار مخلوق ہے۔

۲۔ احساس ذمہ داری:

آخرت پر یقین رکھنے سے انسان میں ذمہ داری کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اسے معلوم ہوگا کہ وہ اپنے اعمال کے لیے اپنے خالق و مالک کے سامنے جوابدہ ہے۔

۳۔ نیکی سے رغبت اور برائی سے اجتناب:

یہ امر واقع ہے کہ بیشتر لوگوں کے لیے برائی میں کشش ہوتی ہے اور نیکی کا کام ان کے لیے گراں ہوتا ہے۔ یہ درست ہے کہ انسان کو اللہ نے بری فطرت پر پیدا نہیں کیا۔ پھر بھی مذکورہ امر واقع اپنی جگہ ایک حقیقت ہے۔ عقیدۂ آخرت کے سوا کوئی اور ایسی چیز نہیں جو انسان کو مؤثر طریقے سے نیکی کی طرف رغبت دلائے اور برائی سے اس کو باز رکھے۔ یہ صحیح ہے کہ انسان دوسرے انسانوں کے ساتھ زیادتی کرنے سے اس لیے بھی باز رہتا ہے کہ جواباً اس کے ساتھ زیادتی ہو جائے گی۔ اگر اس کا ستم رسیدہ اس قابل نہ ہو کہ انتقام لے سکے تو اتنا تو ہوگا کہ معاشرے میں زیادتی کرنے کے رجحان کو فروغ ملے گا جس کے نتیجے میں کوئی طاقتور اس کے ساتھ زیادتی کرے گا۔ اس سوچ کے نتیجے میں بننے والے قوانین کے سہارے چلنے والے معاشرے بھی دنیا میں آج موجود ہیں اور خاصے اچھے بھی ہیں لیکن قوانین کے ہمیشہ چور دروازے (Loop Holes) بھی ہوتے ہیں لہٰذا جب بھی قانون کی گرفت میں نہ آسکنے کا یقین ہوگا۔ برائی کا ارتکاب ہوگا۔ اس لیے نیکی کی رغبت اور برائی سے نفرت پیدا کرنے میں قوانین اتنے مؤثر نہیں ہیں جتنا عقیدۂ آخرت مؤثر ہے۔ یہ اللہ کے حضور میں پیش ہو کر جوابدہی کا عقیدہ ہے اور اللہ سے انسان کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ پھر نیک عمل کی جزا کا لالچ اور بدی کی سزا کا خوف بھی ہوگا۔

۴۔ حوصلہ و ہمت:

عقیدۂ آخرت انسان میں یہ حوصلہ و ہمت پیدا کرتا ہے کہ وہ اچھے کام کرتا چلا جائے خواہ دنیا میں ان اعمال صالحہ کا اسے کوئی اجر ملے یا نہ ملے۔ بعض اوقات حالات ایسے بھی بن جاتے ہیں کہ معاشرے میں اعمال صالحہ مثلاً دیانت داری، ایثار، ہمدردی، خدمت خلق وغیرہ کی نہ صرف یہ کہ قدر نہیں ہوتی بلکہ ایسا کرنے والوں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ ان کے لیے اس معاشرے میں زندگی بسر کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں عقیدۂ آخرت انسان کو حوصلہ و ہمت عطا کرتا ہے۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کے کیے ہوئے اعمال صالحہ رائیگاں نہیں جائیں گے۔ آخرت میں اسے ان کا پورا پورا اجر مل جائے گا اور اصل زندگی تو آخرت کی ہی ہے۔

۵۔ صبر و تحمل:

زندگی پھولوں کی سیج نہیں، یہاں کانٹے بھی ہیں۔ خوشحالی اور تنگدستی، پیدائش اور موت، صحت اور بیماری، رفاقت اور فراق، اعضاء کی سلامتی اور معذوری بھی ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ انسان پر زندگی کے کسی مرحلے پر ایسے مصائب بھی ٹوٹتے ہیں کہ زندگی عذاب بن جاتی ہے۔ ایسے حالات میں

www.CSSExamPoint.com

عقیدۂ آخرت انسان کو صبر و تحمل عطا کرتا ہے کہ حقیقی اور دائمی زندگی تو آخرت کی ہے۔ یہ مصائب تو اس کی آزمائش کے لیے ہے۔ اگر وہ صبر و تحمل سے ان کو برداشت کر لے گا تو اسے آخرت میں اس کا اجر ملے گا۔

۶۔ جرأت و شجاعت:

آخرت پر ایمان سے انسان کے اندر یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ اخروی زندگی اس دنیوی زندگی سے بہتر ہے۔ یہ عارضی ہے وہ دائمی ہے۔ اس لیے اس عارضی اور گھٹیا زندگی کی قیمت پر بھی اگر اس کی عقبیٰ سنور جائے تو یقیناً یہ سودا منافع کا ہے گھاٹے کا نہیں۔ اس لیے وہ اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ اس سے اس کے اندر بے مثال جرأت اور شجاعت کا وصف پیدا ہوتا ہے اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ صرف یہی زندگی ہے اور اس کے بعد مکمل فنا ہے تو انسان اپنی جان سے بے حد پیار کی وجہ سے بزدل بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلام کے صفحات، شجاعت اور سرفروشی کے واقعات سے بھرے ہوئے ملتے ہیں۔

۷۔ دیگر اوصاف حمیدہ:

عقیدۂ آخرت سے صرف حوصلہ و ہمت، صبر و تحمل اور جرأت و شجات کے اوصاف ہی پیدا Develop نہیں ہوتے بلکہ دیگر تمام اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ بھی پیدا ہوتے ہیں جن کی اسلام نے تعلیم دی ہے مثلاً ایثار، اخلاص، رحم، محبت، رواداری، سخاوت، حلم اور بردباری، تقویٰ اور پرہیزگاری، تواضع اور انکسار وغیرہ۔ اس طرح انسان اعلیٰ اوصاف سے متصف ہو کر انسانیت کے اعلیٰ و ارفع درجے پر فائز ہو جاتا ہے۔

۸۔ محرک عمل نہ کہ افیون:

یہ بات اچھی طرح واضح ہو جانی چاہیے کہ اسلام نے آخرت کا جو تصور دیا ہے وہ انسان کے اندر عمل اور جدوجہد کی تحریک پیدا کرتا ہے نہ یہ کہ افیون بن کر اسے سلا دے۔ وہ ظلم و استحصال کو سہنے کی نہیں، اس کے خلاف لڑنے کی تعلیم دیتا ہے۔ دنیا کو حقیر جان کر محرومیوں پر راضی ہو جانا نہیں سکھاتا، بلکہ دنیا میں بھرپور زندگی بسر کرنے اور اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کرنے پر ابھارتا ہے۔ غفلت کی نیند سونے اور مردہ دل بننے کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ چاق و چوبند اور ہوشیار اور سرگرم عمل رہنے کی امنگ پیدا کرتا ہے۔ دنیوی زندگی آخرت کی کھیتی ہے۔ یہاں اعمال صالحہ کے بیج اگر نہیں بوئیں گے تو آخرت میں پھل کس چیز کا پائیں گے؟ اور اعمال صالحہ سے مراد گوشہ نشین ہو کر عبادت میں مصروف رہنا نہیں، رہبانیت تو اسلام میں حرام ہے۔ پیغمبر اسلام کی حیات طیبہ ہی اسوۂ حسنہ ہے اور آپ ﷺ نے ساری زندگی لوگوں کے درمیان بسر کی ہے (سوائے غار حرا میں کچھ عرصہ غور و فکر کرنے کے لئے)۔ آپ ﷺ تو سراپا عمل تھے۔ آپ ﷺ نے بھرپور زندگی بسر کی۔ ساری زندگی بدی کے خلاف جہاد کیا۔ لہٰذا ظلم و استحصال، حقوق کے غصب کو برداشت کرنا اور بدی کو فروغ پانے کی اجازت دینا یا تماشائی بن کر اس کے فروغ کو دیکھنا قطعاً نیکی نہیں، بلکہ اپنے اور دوسروں کے حقوق کے لیے جدوجہد کرنا اور بدی اور ظلم و استحصال کے خلاف لڑنا نیکی ہے۔

اسلامی عبادات کے روحانی، سماجی اور اخلاقی اثرات

اسلامی طریقہ عبادت دنیا کا واحد طریقہ عبادت ہے کہ جس کو اپنا کر ایک مسلمان کی رح کو تسکین ملتی ہے اور اس کا اوڑھنا اور بچھونا سب اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لیے ہوتا ہے۔

اسلامی عبادات ہی ایک شخصیت کی تعمیر سیرت میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ یہ محض رسم کا کوئی جامد مجموعہ نہیں بلکہ ادائیگی کیا عتبار سے اس کی دو قسمیں ہیں:

www.CSSExamPoint.com

1- عبادات کو خشوع و خضوع سے ادا کرنا جیسا کہ سورہ المومنون کی آیت 2 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝

ترجمہ: ''وہ (مومن) جو اپنی نمازوں میں عاجزی اختیار کرتے ہیں۔''

سورہ الزمر آیت 23 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ

ترجمہ: ''جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے جسموں کے رونگٹے اس کے پڑھنے سے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ان کے چمڑے اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف جھک جاتے ہیں۔''

2- دوسری قسم یہ ہے کہ عبادات کو جسم کی سطح پر ادا کیا جائے نہ کہ محض فکری سطح پر نیز ریاکاری شامل نہ ہو۔ اصل عبادت تو یہ ہے کہ ایک مسلمان کی زبان اور جسم کے اعضاء بھی پوری طرح حرکت میں ہوں۔

سورہ الرعد آیت 28 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ.

ترجمہ: ''جو ایمان لائے ہیں اور ان کے دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہوں ان کو ہدایت دیتا ہے پس سمجھ لو کہ اللہ کی یاد ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں۔''

اس کا مفہوم یہ ہے کہ عبادت خشوع و خضوع کے ساتھ کی جائے جس میں ریاکاری اور نمائش کا عنصر شامل نہ ہو۔

اسلام میں عبادت کا مقصد یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے آگے اپنی عاجزی کا اظہار کرے اور اس کے احکام کی بجا آوری کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے۔ سورۂ حج آیت 77 میں ہے:

وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ.

ترجمہ: ''اور اپنے رب کی عبادت کرو۔''

اللہ تعالیٰ قرآن پاک کی سورہ الشوریٰ آیت 13 میں فرماتے ہیں:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ.

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس کا حکم دیا اس نے نوح علیہ السلام کو اور جو وحی کیا ہم نے آپ ﷺ کی طرف اور جس کا حکم دیا ہم نے ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو کہ قائم رکھو اس دین کو اور آپس میں

www.CSSExamPoint.com

اختلاف نہ کرو، مشرکین پر وہ بات گراں گزری ہے جس کی طرف آپ ﷺ ان کو بلاتے ہیں۔ اللہ جسے چاہے اپنی طرف چن لیتا ہے اور اس کو راہ دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔"

قرآن حکیم کی اس واضح ہدایت کی روشنی میں حضور ﷺ نے فرمایا:

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے، یعنی اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔"

مذکور صدر آیت قرآنی اور حدیث نبوی ﷺ سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر رکھی گئی ہے۔ لہٰذا اگر اس میں سے کوئی بھی ستون مکمل نہ ہو تو عمارت مکمل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ان کی ادائیگی ضروری ہے۔

اسلام کے یہی وہ اصول خمسہ ہیں جن میں ترقی و تقدم کے وہ تمام اصول بند ہیں جن کی پابندی سے مسلمان زندہ رہ سکتے ہیں اور ترقی کر سکتے ہیں۔ ان عبادات اسلامی کا مقصد اگرچہ اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرنا اور زاد آخرت جمع کرنا ہے اور دنیاوی وجاہت، ثروت ان کا مقصود نہیں۔ چونکہ وہ ساتھ کے ساتھ جسم کی مادی ضرورتیں بھی پوری کرتے ہیں۔ اس لیے ان فرائض خمسہ اسلامیہ کی پابندی سے مسلمان وہ تمام انفرادی و اجتماعی اور سیاسی و معاشی خوبیاں حاصل کر سکتے ہیں جن کی آج ان کو ضرورت ہے۔

www.CSSExamPoint.com

ارکان اسلام

عن عبدالله بن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم بنی الاسلام علی خمس شهادة أن لا اله الا الله وأن محمدا عبده ورسوله وإقام الصلوة وإیتاء الزکوة وحج البیت وصوم رمضان.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہا، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: اسلام کی بنیاد پانچ (ارکان) پر رکھی گئی ہے، اس گواہی پر کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے اور بیت اللہ کا حج کرنے اور رمضان کے روزے رکھنے پر (متفق علیہ)

اس حدیث میں اسلام کو ایک عمارت سے تشبیہ دے کر فرمایا کہ اس عمارت کی بنیاد پانچ ارکان یا ستونوں پر رکھی گئی ہے۔ مراد یہ ہے کہ:

(۱) جن پانچ چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے دین اسلام میں ان کی اہمیت ایسی ہے کہ جیسے کسی عمارت کے لیے اس کے ان ستونوں کی ہوتی ہے جن پر وہ قائم ہوتی ہے، اگر وہ ستون ڈھا دیے جائیں تو ساری عمارت دھڑام سے نیچے آگرے گی اور ملبے کا ڈھیر بن جائے گی۔ کسی ایک ستون کو بھی گرا دیا جائے تو عمارت قائم نہ رہ سکے گی۔ اسی طرح جو شخص ان پانچ ارکان اسلام میں سے کسی ایک رکن کو بھی ترک کر دے گا تو اس کا دین سلامت نہ رہے گا یعنی وہ مسلمان نہ ہوگا۔

(۲) عمارت میں ستونوں کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں ہوتی ہیں اگر وہ بہت سی چیزیں نہ ہوں تو خالی ستون ہوں گے اور انہیں عمارت نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح ارکان اسلام کے علاوہ اور بہت سے دینی احکام وتعلیمات ہیں، مثلاً حلال وحرام کے بارے احکام ہیں، ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔

حدیث میں جن پانچ ارکان اسلام کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ توحید ورسالت کی گواہی:

اس سے مراد یہ ہے کہ اس امر کی دل تصدیق کرے اور زبان سے اس کا اقرار واظہار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اپنی ذات وصفات میں وحدہ لاشریک لہ ہے، وہ تمام کائنات کا خالق، مالک اور مدبر ہے، قادر مطلق ہے اور اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ مسلمان پر لازم ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کرے اور صرف اسی سے مدد مانگے اور اسی پر بھروسہ رکھے۔ کوئی مخلوق اس لائق نہیں کہ انسان اس کی پوجا کرے یا اس سے مدد مانگے۔ اسے عقیدۂ توحید کہتے ہیں، اس پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔ دوسری گواہی اس امر کی ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام اللہ کے بندے اور رسول ﷺ ہیں۔ حضور ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے سے مراد ہے:

(۱) آپ ﷺ کے ذریعے جو ہمیں دین اسلام ملا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

(۲) آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں، آپ ﷺ سے محبت اللہ کی محبت کا ذریعہ ہے، آپ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔

گواہی ایسی چیز کی دی جاتی ہے جس کو آنکھوں سے دیکھا ہو یا جس کا علم دوسرے حواس کے ذریعے حاصل کیا ہو یعنی جس کا یقینی اور ناقابل تردید علم حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ لطیف ہے، اسے ہماری آنکھیں نہیں پاسکتیں (لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ) لیکن اس کے وجود کا ادراک ہر انسان کے دل میں موجود ہے اور مظاہر فطرت اس کے وجود کا پتا دیتے ہیں اس لیے ایک سلیم الفطرت اور قلب سلیم رکھنے والے شخص کو وجود باری تعالیٰ پر اتنا پختہ یقین ہوتا ہے جیسا کسی آنکھوں دیکھی چیز کے وجود پر ہوتا ہے۔ کلمۂ شہادت، اشهد أن لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله" میں گواہی دیتا

www.CSSExamPoint.com

ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں" یا کلمہ طیبہ، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والے شخص کا دل وجود باری تعالیٰ اور حضور ﷺ کی رسالت پر پختگی کے ساتھ جما ہوا ہونا چاہیے۔ توحید و رسالت کو حضور ﷺ نے اسلام کے ارکان خمسہ میں پہلا رکن شمار کیا ہے۔ یہ اہم ترین رکن ہے اس گواہی کے بعد ہی کوئی شخص اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ اگر زبان سے اس گواہی کا اظہار اور دل سے اس کی تصدیق نہ ہو تو باقی چار ارکان پر عمل بالکل بے معنی و بے وقعت ہے۔ جو شخص توحید و رسالت کی یہ گواہی دے دے اسے وہ تمام حقوق حاصل ہو جائیں گے جو ملت اسلامیہ کے باقی تمام افراد کو ہوں گے اور اس پر وہ سب فرائض عائد ہوں گے جو دیگر افراد ملت پر ہیں۔

۲۔ صلوٰۃ (نماز):

قرآن مجید صلوٰۃ قائم کرنے کا حکم اور ذکر سینکڑوں مقامات پر آیا ہے۔ یہ ایسی عبادت ہے کہ جس کے ذریعے دن میں پانچ مرتبہ مسلمانوں کا اپنے رب سے تعلق قائم ہوتا ہے۔ نماز قائم کرنے سے مراد ہے اسے پانچوں بار وقت کی پابندی کے ساتھ باجماعت اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کیا جائے۔ حضور قلب اور دھیان بہت ضروری ہے۔ نماز پڑھتے وقت یہ کیفیت ہو تو احسن ہے کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں وگرنہ کم از کم یہ احساس ہونا چاہیے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ نماز میں انسان اللہ تعالیٰ سے چپکے چپکے باتیں کرتا ہے (مناجات)۔ اس سے انسان کے دل کو سکون، قرار، حوصلہ، ڈھارس اور تقویت ملتی ہے اور روح کو لطافت اور بالیدگی حاصل ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ" بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔" نماز کے بہت سے معاشرتی فوائد بھی ہیں، لوگوں کا پانچ وقت ایک دوسرے سے میل جول ہوتا ہے، اس سے باہمی محبت پیدا ہوتی ہے۔

۳۔ ایتاء زکوٰۃ:

یہ مالی عبادت ہے۔ مسلمان اپنی حلال کمائی میں سے اللہ کے حکم کے تحت زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ زکوٰۃ سال کے بعد مقررہ مقدار میں مال (نصاب) رکھنے پر فرض ہوتی ہے۔ اس کا نصاب یہ ہے: سونا (7½) تولے، چاندی (52½) تولے، نقدی اور مال تجارت کی قیمت اگر سونے یا چاندی کی مذکورہ مقدار کے برابر ہو۔ ان سب پر (2½) فیصد کی شرح سے زکوٰۃ عائد ہوگی۔ اونٹ کا نصاب ۵ عدد، گائے وغیرہ کا تیس (۳۰) عدد، بھیڑ بکری کا چالیس (۴۰) عدد ہے۔ ان کی زکوٰۃ کی الگ الگ شرحیں مقرر ہیں۔ زرعی پیداوار خواہ کتنی بھی اس پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے قدرتی ذرائع سے کھیتی سراب ہو تو عشر یعنی پیداوار کا دسواں حصہ اور مصنوعی ذریعہ (کنویں، ٹیوب ویل وغیرہ) سے آبپاشی کی گئی ہو تو بیسواں حصہ زکوٰۃ لاگو ہوتی ہے۔

۴۔ بیت اللہ کا حج:

پوری عمر میں ایک بار بیت اللہ کا حج فرض ہے بشرطیکہ استطاعت ہو (مالی حالت اور تندرستی کے لحاظ سے)، اور اس عرصے کے لیے پیچھے گھر والوں کی ضروریات کے لیے مالی وسائل موجود ہوں۔ حج سے مراد ہے مقررہ ایام میں خانہ کعبہ کی زیارت اور چند مخصوص رسوم ادا کرنا جنہیں مناسک کہتے ہیں۔ مناسک حج میں احرام باندھنا، تلبیہ، طواف، صفا و مروہ کے درمیان سعی، منیٰ میں پڑاؤ، رمی جمرات وغیرہ شامل ہیں لیکن سب سے اہم وقوف عرفات ہے، کہ یہ اگر رہ جائے تو حج رہ جاتا ہے خواہ باقی سارے مناسک ادا کر لیے ہوں۔ حج مالی اور جسمانی ہر دو قسم کی عبادت ہے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انسان اپنا مال خرچ کرتا ہے اور اپنے اہل و عیال اور وطن سے دور ہو کر جسمانی صعوبتیں بھی جھیلتا ہے۔ حج سے مسلمانوں کو انفرادی طور پر روحانی فوائد و ثمرات کے ساتھ اجتماعی فوائد بھی بہت سے حاصل ہوتے ہیں اس سے ان کی قوت، اتحاد اور یکجہتی کا اظہار ہوتا ہے۔ مختلف علاقوں سے آئے ہوئے مسلمانوں میں میل جول پیدا ہوتا ہے جس سے بہت سے معاشرتی و اقتصادی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

۵۔ صوم رمضان:

اس سے مراد ہے رمضان کے مہینے میں صبح سے لے کر غروب آفتاب تک عبادت کی نیت کے ساتھ کھانے پینے اور مباشرت سے پرہیز کرنا۔ یہ بدنی عبادت اللہ تعالیٰ سے اخلاص کا بھرپور مظاہرہ ہے۔ اس سے تقویٰ، ضبط نفس کے اعلیٰ اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔ نیز جفاکشی اور مشقت اٹھانے کی

www.CSSExamPoint.com

تربیت ہوتی ہے۔ روزہ ہر بالغ، عاقل مسلمان پر فرض ہے۔

وفی حدیث جبریل قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الإسلام أن تشهد أن لا اله الا الله وأن محمدا رسول اله وتقیم الصلوة وتؤتی الزکوة وتصوم رمضان وتحج البیت ان استطعت الیه سبیلا.

حدیث جبریل علیہ السلام میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور کہ یقیناً محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور تو نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان میں روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے اگر تو اس کی طرف سفر کی استطاعت رکھے (متفق علیہ)

صلوۃ (نماز)

نماز اسلام کا دوسرا ستون ہے اور یہ اسلام کے عملی ارکان میں شامل ہے۔ اسلام میں نماز کو جو اہمیت دی گئی ہے وہ کسی دوسرے عمل کو نہیں دی گئی۔ ہمارے ہاں صلوٰۃ کے لیے لفظ نماز استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ فارسی زبان کا لفظ ہے اور ایران میں اسلام کی آمد سے قبل جسمانی عبادت کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ تاہم عربی میں صلوٰۃ اس کا ہم معنی ہے۔ جس کا مطلب ہے دعا مغفرت رحمت اور درود۔ چونکہ اس میں یہ ساری باتیں آجاتی ہیں اس لیے نماز کی نسبت یہ لفظ زیادہ موزوں ہے۔ شرعی اصطلاح میں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنا، دعا کرنا اور قرب حاصل کرنا ہے اور ان عوامل کا حصول ہی انسان کو اللہ تعالیٰ کے تابع بنا دیتا ہے۔

معنی و مفہوم:

صلوٰۃ کے لغوی معنی ہیں نیک تمنا۔ دعا۔ تعریف۔ دینی اصطلاح میں اس سے مراد اسلام کی وہ مخصوص عبادت ہے جو رسول کریم ﷺ نے مخصوص ہیئت کے ساتھ خود ادا کی اور اپنی امت کو سکھائی۔ صلوٰۃ، قیام، رکوع، سجدہ، تشہد، تسبیح، ثناء، قرأت اور دعا وغیرہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ اردو اور فارسی میں اس مخصوص عبادت کو نماز کہتے ہیں۔

اقامت صلوۃ:

قرآن حکیم میں اقامت صلوٰۃ کا حکم آیا ہے۔ مذکورہ بالا حدیث شریف میں بھی اقامت صلوٰۃ کو ارکان اسلام میں سے ایک رکن بتایا گیا ہے۔ اقامت صلوٰۃ سے مراد ہے نماز کو وقت کی پابندی کے ساتھ، باجماعت اور تمام شرائط و آداب کے ساتھ ادا کرنا۔

اہمیت صلوۃ:

پانچ وقت کی نماز ہر عاقل اور بالغ مسلمان پر فرض ہے۔ نماز پہلی تمام امتوں پر بھی فرض رہی ہے۔ قرآن پاک و حدیث میں اقامت صلوٰۃ کی سخت تاکید کی گئی ہے۔

(الف) ازروئے قرآن:

قرآن حکیم میں اقامت صلوٰۃ کا ذکر بارہا آیا ہے۔ کہیں تو مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو (علاوہ اور نیکیوں کے) نماز قائم کرتے ہیں۔ کہیں نماز قائم کرنے والوں کے لیے اجر و انعام کا ذکر کیا گیا ہے۔ تقریباً بارہ مقامات پر حکم دیا گیا ہے۔

www.CSSExamPoint.com

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ: نماز قائم کرو۔

ایک جگہ (البقرہ،۲:۲۳۸) حکم ہے۔

حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ: تم نمازوں کی نگہداشت کرو۔

اہل جنت دوزخ والوں سے پوچھیں گے کہ تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے آئی تو وہ دوزخ میں پھینکے جانے کی ایک وجہ یہ بتائیں گے۔

قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ (المدثر،۷۴:۴۳)

ترجمہ: ''ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے۔''

نماز سے غفلت برتنے والے نمازیوں کے لیے عذاب کی وعید آئی ہے (سورہ ماعون)

(ب) ازروئے حدیث:

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

۱۔ آدمی اور کفر وشرک کے درمیان ترک صلوٰۃ ہے۔

۲۔ نماز دین کا ستون ہے۔ جس نے اس کو ترک کیا اس نے دین کو گرا دیا۔

۳۔ جس دین میں نماز نہیں اس میں کوئی بھلائی نہیں۔

۴۔ جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے کفر کیا۔

مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ

۵۔ قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کے بارے میں باز پرس ہوگی (اَوَّلُ مَا سُئِلَ، سُئِلَ عَنِ الصَّلٰوۃ)

نماز باجماعت کی فضیلت:

قرآن پاک میں نماز کی تعریف اور بجا آوری کا حکم آیا ہے۔ اس کے ادا کرنے میں سستی اور کاہلی کو منافقت کی علامت قرار دیا گیا۔

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی (نساء آیت 142)

ترجمہ: ''اور اس کے ترک کو کفر کی نشانی بتایا گیا۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (الروم آیت 142)

ترجمہ: ''اور نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔''

نماز کے دوام اور اس کی حفاظت پر جس طرح بے شمار آیات مبارکہ اور احادیث نبویہ ﷺ میں احکامات آئے ہیں اسی طرح فرض نماز کو باجماعت ادا کرنے کا حکم بھی دیا گیا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ارکعوا مع الراکعین۔ یعنی نماز پڑھنے والوں کے ساتھ مل کر نماز ادا کرو۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے بھی متعدد مرتبہ باجماعت نماز ادا کرنے کا حکم دیا اور جو لوگ مسجد میں آ کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تحقیق میں ارادہ کرتا ہوں کہ لکڑیاں جلانے کا حکم دوں پھر نماز کے لیے اذان دینے کا حکم دوں پھر کسی آدمی کو کہوں کہ وہ امامت کرائے پھر میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو نماز کے وقت مسجد میں نہیں آتے اور ان کے گھروں کو ان کے

www.CSSExamPoint.com

اوپر جلا دوں۔" اس قدر آپ ﷺ نے سختی فرمائی کہ مسجد میں آ کر نماز ادا نہ کرنے والوں کو آپ ﷺ ان کے گھر سمیت جلانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے بغیر کسی عذر کے نماز چھوڑنے والوں کو بھی اس طرح سخت وعید فرمائی۔ فرمایا: کہ جو شخص اذان سن کر بغیر عذر بیماری یا خوف کے مسجد میں نہ آئے تو اس کی وہ نماز قبول نہ ہوگی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا واجب ہے اور بغیر کسی عذر کے اس کو چھوڑنا جائز نہیں۔ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اگرچہ نابینا تھے مگر نبی کریم ﷺ نے اذان سننے کے بعد ان کو مسجد میں ضرور آنے کا حکم دیا۔

جہاں ایک طرف حضور اکرم ﷺ نے جماعت کے ساتھ ملنے کی اس قدر سختی فرمائی وہاں آپ ﷺ نے باجماعت نماز ادا کرنے والوں کی بھی بڑی فضیلت بیان کی۔ فرمایا: جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا اکیلے پڑھنے سے ستائیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا تنہا پڑھنے سے پچیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ مسلمان جب اچھی طرح وضو کرتا ہے اور مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کے ارادہ سے باہر نکلتا ہے تو اس کے ہر قدم پر اس کو ایک نیکی ملتی ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے۔ پھر جب وہ نماز ادا کرتا ہے تو فرشتے اس کے لیے رحمت اور بخشش کی دعائیں مانگتے ہیں اور جب تک وہ نماز کے انتظار میں بیٹھتا ہے گویا وہ نماز ہی کی حالت میں ہوتا ہے۔ (متفق علیہ)

مسجد میں جماعت کے ساتھ آ کر نماز ادا کرنے کے اور بھی بے شمار فائدے ہیں۔ پانچوں وقت مسلمان جب آپس میں ملیں گے تو ایک دوسرے کے حالات سے آگاہی ہوگی۔ باہمی رنجشیں اور کدورتیں دور ہوں گی۔ اتفاق و اتحاد اور محبت و الفت میں اضافہ ہوگا۔ دوسروں کو عبادت میں دیکھ کر خود کو بھی زیادہ شوق ہوگا۔ خانہ خدا کی برکت سے شیطان کی شیطانیت سے ممکن حد تک بچ سکیں گے۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> یعنی جس جگہ تین آدمی ہوں اور جماعت سے نماز ادا نہ کریں ان پر شیطان کا غلبہ ہو جاتا ہے پس تم جماعت کو لازم پکڑو۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں باجماعت نماز کی فضیلت اس طرح بیان کی گئی کہ

> جو شخص صبح و شام کو مسجد میں نماز کے لیے جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ضیافت تیار کریں گے۔ جتنی مرتبہ بھی وہ صبح یا شام کو جائے گا۔ (متفق علیہ)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

> جس نے دو ٹھنڈی نمازیں (یعنی فجر اور عصر) پابندی سے باجماعت ادا کر لیں وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ (متفق علیہ)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ولو انکم صلیتم فی بیوتکم کما یصلی هذا المتخلف فی بیته لترکتم سنة نبیکم ولو ترکتم سنة نبیکم لضللتم ولقد رایتنا و ما یتخلف عنها الا منافق معلوم النفاق. (مسلم)

ترجمہ: "اگر تم تنہا اپنی نمازوں کو گھروں میں پڑھو گے تو تم اپنے نبی ﷺ کے جاری کیے ہوئے طریقہ کو چھوڑ دو گے۔ اگر تم اپنے نبی ﷺ کے طریقہ کو چھوڑ دو گے تو تم گمراہ ہو جاؤ گے اور معذوری کے سوا جماعت چھوڑنے والا منافق ہے۔"

اس طرح جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا صغیرہ گناہوں کو بھی مٹا دیتا ہے۔ جس طرح حدیث شریف میں آتا ہے ایک شخص نے کسی اجنبی عورت کا بوسہ لیا وہ گھبرایا ہوا حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا مجھے حد لگایئے۔ آپ ﷺ نے واقعہ دریافت کیا تو اس نے بتلایا کہ میں

www.CSSExamPoint.com

نے ایک اجنبی عورت کا بوسہ لے لیا حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ذرا ٹھہرو اتنے میں عصر کی نماز کا وقت ہو گیا اور جماعت کھڑی ہو گئی۔ نماز سے فارغ ہو کر اس نے پھر کہا مجھے حد لگایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: فرض نماز باجماعت ادا کرنے سے تمہارا گناہ معاف ہو گیا۔ اس نے خوش ہو کر کہا یہ معافی کیا میرے لیے خاص ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ ہر مسلمان کے لیے عام ہے اور اسی عموم کو بیان کرنے کے لیے آیت کریمہ **ان الحسنات یذھبن السیئات** نازل ہوئی۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانچوں نمازیں (ایک نماز سے دوسری نماز تک) اور جمعہ سے لے کر جمعہ تک اور رمضان سے لے کر رمضان تک درمیان میں (کی ہوئی خطاؤں) کا کفارہ ہیں جبکہ کبیرہ گناہوں سے دور رہا جائے۔

یہ حقیقت ہے کہ روزانہ پابندی کے ساتھ پانچوں وقت مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اتنا عظیم دین کا کام (عبادت) ہے کہ جو مسلمان اس کی پابندی کر لیتا ہے اس کے لیے اور دین کے کاموں میں پابندی آسان ہو جاتی ہے اور جو مسلمان پنج وقتہ نماز کی پابندی نہیں کر سکتے وہ دین کے کاموں (عبادتوں) کی پابندی نہیں کر سکتے اور فرض عبادتوں کو ترک کرنے کے مجرم اور گنہگار ہوتے ہیں۔

خدائے عزوجل اسی لیے ارشاد فرماتے ہیں:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ
يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ آیت 45-46)

ترجمہ: ''اور تم ہر کام میں صبر اور نماز کے ساتھ مدد حاصل کرو۔ بلاشبہ نماز پڑھنا بہت زیادہ گراں ہے سوائے ان لوگوں کے جن کو یقین ہے کہ (مرنے کے بعد) ان کو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

شاعر کہتا ہے۔

روز محشر کہ جاں گداز بود
اولیں پرسش نماز بود

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں تمام صوبوں کے والیوں (گورنروں) کے پاس ذیل کا فرمان بھیجا تھا:

ان اھم امور دینکم الصلوۃ فمن حافظ علیه فھو لغیرھا احفظ ومن ضیعھا فھو لغیرھا اضیع.

ترجمہ: بلاشبہ تمہارے دین کے کاموں میں سب سے اہم نماز ہے جس شخص نے نماز کی پابندی کر لی وہ اور کاموں کی آسانی سے پابندی کر سکے گا جس شخص نے نماز کو ضائع کر دیا وہ دوسرے کاموں کو بھی آسانی کے ساتھ ضائع کر دے گا۔

مذکورہ بالا تمام آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نماز باجماعت ادا کرنا واجب اور باعث فضیلت ہے۔ شرعی عذر خوف یا بیماری کے علاوہ تنہا فرض نماز ادا نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانان عالم کو اس فریضہ کی بجا آوری کرنے کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ نماز میں ہی ہماری پریشانیوں اور مسائل کا حل ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول ﷺ کو جب کوئی پریشانی یا مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ ﷺ فوراً نماز پڑھنے لگ جاتے۔

www.CSSExamPoint.com

مقاصد نماز

۱۔ مقصد حیات کی یاد دہانی:

انسان کی پوری زندگی کو عبادت میں تبدیل کرنے کے لیے سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ اس کے ذہن میں یہ شعور ہر وقت تازہ رہے کہ وہ خدا کا بندہ ہے۔ یہ ضرورت اس لیے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانی حواس سے بالاتر ہے لیکن گمراہی کی طاقتیں ہر سمت پھیلی ہوئی ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ انسان کو بار بار اس بات کی یاد دہانی کی جاتی رہے کہ اسے اپنی زندگی ایک مخصوص انداز سے گزارنی ہے۔ یہ نماز کا سب سے بڑا فائدہ ہے۔ جیسے ہی آپ صبح کو اٹھیں وہ آپ کو یہ بات یاد دلاتی ہے۔ دن کے کام کاج کے ہنگاموں سے دو بار کھینچ کر لاتی ہے اور اسی چیز کو یاد دلاتی ہے۔ شام اور رات کو جب تفریح یا آرام کا وقت ہوتا ہے تو نماز آپ کو آگاہ کرتی ہے کہ تم خدا کے بندے ہو، شیطانی نفس کے بندے نہیں ہو۔ نماز کی اسی خصوصیت کی بنا پر قرآن میں اسے ''ذکر'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے معنی یاد دھانی کے ہیں۔

۲۔ فرض شناسی:

چونکہ انسان کے سپرد یہ کام ہوا ہے کہ وہ ہر قدم پر خدا کے احکام کو بجالائے لہٰذا ضروری ہے کہ اس میں فرض شناسی اور مستعدی پیدا ہو بلکہ اس کی فطرت ثانیہ بن جائے۔ مثال کے طور پر فوج کو دیکھیے، وہاں کن کن طریقوں سے فرائض کو سمجھنے اور ادا کرنے کی مشق کرائی جاتی ہے۔ رات دن میں کئی بار بگل بجایا جاتا ہے، سپاہیوں کو ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا جاتا ہے، ان سے قواعد کی پابندی کرائی جاتی ہے! آخر کس لیے؟ اس لیے کہ سپاہیوں میں فرض شناسی پیدا ہو اور جو لوگ ان صفات سے محروم ہوں ان کی آزمائش ہو جائے تاکہ ان کی اصلاح کی کوشش ہو یا بالآخر ان کو فوج سے نکال دیا جائے۔

دنیوی فوج کے لیے کام کا وقت تو کبھی برسوں میں آتا ہے، تب بھی قواعد روزانہ کرائی جاتی ہے، لیکن اسلام کی تیار کردہ فوج تو ہر وقت برسرکار ہے۔ اسے زندگی کی ہر آن شیطانی قوتوں سے لڑنا ہے، فرائض بجالانے ہیں، حدود اللہ کی حفاظت کرنی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی فوج کے لیے زیادہ سخت تنظیم، تربیت اور آزمائش کی ضرورت ہے اور انہی مقاصد کے تحت نماز دن اور رات میں پانچ بار فرض کی گئی ہے تاکہ ایک طرف تو مسلمانوں کی تربیت ہو اور دوسری طرف سچے اور جھوٹے مسلمانوں میں امتیاز ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ

بین العبد وبین الکفر ترک الصلوۃ

ترجمہ: ''بندے اور کفر کے درمیان ترک صلوۃ واسطہ ہے''۔

یعنی ترک صلوۃ وہ پل ہے جسے پار کر کے آدمی ایمان سے کفر کی طرف جاتا ہے۔

۳۔ تعمیر سیرت:

نماز کا تیسرا اہم کام یہ ہے کہ وہ انسان کی سیرت کو اس خاص ڈھنگ پر تیار کرتی ہے جو اسلامی زندگی بسر کرنے کے لیے ضروری ہے۔

دنیا میں ہر جگہ جیسا کام کسی جماعت کو کرنا ہوتا ہے اسی کے لحاظ سے اس کی تربیت کی جاتی ہے۔ مثلاً سول سروس کا مقصد وفاداری کے ساتھ ملک کا انتظام کرنا ہوتا ہے لہٰذا وہاں سارا زور نظم مملکت کی صلاحیت پیدا کرنے پر دیا جاتا ہے، سپاہیوں کا کام جنگ کرنا ہوتا ہے اس لیے انہیں اسلحے کا استعمال سکھایا جاتا ہے اور اطاعت امیر اور تنظیم کی تربیت دی جاتی ہے۔ اسلام کا مقصد ایک ایسی جماعت کی تیاری ہے جس کا مقصد اولین نیکی کو قائم کرنا اور بدی کو مٹانا ہے اور جسے سیاست، عدالت، تجارت، صنعت، صلح و جنگ غرض یہ کہ ہر شعبۂ زندگی میں خدا کے قوانین کی پابندی کرنی ہے اور انہیں پوری دنیا میں نافذ کرنے کی ذمہ داری سنبھالنی ہے۔ یہ عظیم کام اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک انسان میں خدا کا خوف، اس کی محبت اور اس کی خوشنودی کی

www.CSSExamPoint.com

خواہش نہ پیدا ہو اور جب تک آدمی یہ جان نہ لے کہ خدا حاکم اعلیٰ ہے اور ہر انسان اس کے سامنے جواب دہ ہے۔ مسلمان اسلام کے طریقے پر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا جب تک کہ اسے یقین نہ ہو کہ خدا ہر جگہ ہر حال میں اسے دیکھ رہا ہے، اس کی ہر ہر حرکت سے باخبر ہے، اندھیرے میں بھی اس کو دیکھتا ہے، تنہائی میں بھی اس کے ساتھ ہے اور اس کے دل میں جو نیت چھپی ہوئی ہے اس کو بھی وہ جانتا ہے۔ یہی یقین انسان کو خدا کے احکام کی اطاعت اور اس کے قانون کی پیروی کے لیے تیار کرتا ہے، اور نماز کا مقصد یہ ہے کہ وہ اسی یقین کو بار بار انسان کے ذہن میں تازہ کرے۔

نماز کا ارادہ کرنے کے ساتھ ہی روح کی تربیت اور اسلامی سیرت کی تعمیر کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور پھر ایک ایک حرکت، ایک ایک فعل اور ایک ایک قول جو نماز سے متعلق ہے کچھ اس طور پر رکھا گیا ہے کہ اس سے خود بہ خود انسان کی سیرت اسلام کے سانچے میں ڈھلتی چلی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ط

ترجمہ: ''یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔'' (العنکبوت۔۴۵)

اسی بنا پر نماز قدیم ترین زمانے سے انبیا کی تعلیمات کا جزو رہی ہے۔ جتنے انبیا خدا کی طرف سے آئے ہیں ان سب کی شریعت میں نماز اولین رکن اسلام تھی۔ اسلامی تحریک میں جب بھی کبھی زوال آیا نماز کا نظام تربیت ٹوٹ جانے کی وجہ ہی سے آیا کیوں کہ اسلام کے طریقے پر چلنے کے لیے اسلامی سیرت ضروری ہے، اور اسلامی سیرت نماز کے نظام تربیت ہی سے بنتی ہے اور جب یہ نظام ٹوٹے گا تو سیرتیں بگڑ جائیں گی اور اس کا لازمی نتیجہ زوال وانحطاط ہوگا۔

۴۔ ضبط نفس:

تعمیر سیرت کے ساتھ نماز انسان میں ضبط نفس کی طاقت بھی پیدا کرتی ہے۔ نماز میں دعاؤں اور تسبیحوں کے ساتھ اوقات کی پابندی طہارت وغیرہ کی شرائط اور جسمانی حرکات کا جوڑ اسی لیے لگایا گیا ہے کہ انسان اپنے نفس پر پوری طرح قابو یافتہ رہے، اور اسے اپنے ارادے کے تحت چلانے میں مشاق ہو جائے۔ صبح کا وقت ہے، نیند آ رہی ہے، آرام طلب نفس کہتا ہے پڑے رہو، اب کہاں اٹھ کر جاؤ گے، نماز کہتی ہے کہ وقت آ چکا ہے۔ سیدھی طرح اٹھو، وضو کرو، جاڑے کا موسم ہے تو ہوا کرے، پانی گرم نہیں ہے، نہ سہی، ٹھنڈا ہی پانی استعمال کرو اور چلو مسجد کی طرف۔ ان دو مطالبات میں سے اگر کسی نے نفس کے مطالبے کو پورا کر دیا تو اس کا نفس اس سے جیت گیا ورنہ اس نے نفس پر قابو پا لیا۔ اسی طرح ظہر، عصر، مغرب، عشا ہر وقت نفس کسی نہ کسی مشغولیت، فائدے، نقصان، لطف، لذت، مشکلات وغیرہ کے بہانے ڈھونڈتا ہے لیکن نماز ہر وقت تازیانہ بن کر آ جاتی ہے اور آپ کی اونگھتی ہوئی قوت ارادی کو جگاتی ہے۔ اگر آپ نماز کا مطالبہ پورا کرتے رہے تو آپ خواہشات نفس کا زور توڑ دیں گے، ان پر حکم داں ہو جائیں گے اور آپ میں یہ طاقت پیدا ہو جائے گی کہ اپنے علم وارادے کے مطابق انہیں تبدیل کر سکیں۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ نماز چھوڑ کر آدمی خواہشات نفس کا پیرو بن کر گمراہ ہو جاتا ہے:

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ

ترجمہ: ''پھر ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ آئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور خواہشات نفس کی پیروی اختیار کر لی، لہٰذا عنقریب وہ گمراہی میں مبتلا ہوں گے۔'' (مریم۔۵۹)

یہاں تک ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ نماز کے فوائد ومنافع کا صرف ایک پہلو ہے، یعنی یہ کہ نماز افراد کو کس طرح تیار کرتی ہے۔ ہم نے دیکھا کہ نماز

(۱) آدمی کے ذہن میں اس حقیقت کو تازہ رکھتی ہے کہ وہ دنیا میں خود مختار نہیں ہے بلکہ اللہ رب العالمین کا بندہ ہے اور اسی حیثیت سے کام کرتا ہے؛

www.CSSExamPoint.com

(۲) انسان کو فرض شناس بناتی ہے؛

(۳) فرض شناس اور فرض ناشناس میں تمیز کا ذریعہ بہم پہنچاتی ہے؛

(۴) خیالات کا ایک پورا نظام ترتیب دیتی ہے تا کہ اس کی سیرت پختہ ہو سکے؛

(۵) انسان میں یہ قوت پیدا کرتی ہے کہ وہ اپنے عقیدے اور بصیرت کے مطابق جس طرز عمل کو صحیح سمجھتا ہے اس پر عمل کر سکے: اور

(۶) بندے کو رب کے قریب لاتی ہے اور اس کے قلب کو پاکیزگی اور روح کو بالیدگی عطا کرتی ہے۔

نماز کے روحانی، اخلاقی اور سماجی اثرات

نماز کے روحانی و اخلاقی اثرات

نماز کی ادائیگی سے انسان کی روحانی زندگی پر بھی اثر پڑتا ہے صبح کے وقت جب کہ تمام فضا میں سکوت طاری ہوتا ہے کائنات کی ہر شے بزبان حال اپنے خالق و مالک کی حمد و ثنا میں مصروف ہوتی ہے پرندے اپنے میٹھے اور سریلے راگ الاپتے ہیں تو انسان کی روح خود بخود اپنے پیدا کرنے والے کی طرف کھنچتی ہے اور اس میں ایک عجیب کیفیت و سرور پیدا ہوتا ہے چونکہ اس وقت ایک نورانی منظر سے روح پر وجدانی کیفیت طاری ہوتی ہے اس لیے خالق فطرت نے حکم دیا کہ انسان اس وقت ذکر الٰہی میں مصروف ہو اور روحانی غذا حاصل کرے۔

صبح کی نماز سے فراغت کے بعد انسان اپنے دنیاوی کاروبار میں لگ جاتا ہے اور ایک بجے تک اس طرح مصروف رہتا ہے اور اسے ضرورت ہوتی ہے کہ تھوڑی سی دیر کے لیے اپنا کام چھوڑ کر آرام کر لے تا کہ آدھے دن کی تھکاوٹ دور ہو جائے اس موقع پر انسان ظہر کی نماز ادا کرتا ہے تا کہ وہ اپنے کاروباری مشاغل کے ساتھ ساتھ روحانی غذائی ضرورت سے بھی غافل نہ رہے۔ ظہر اور عصر کی نمازوں کے دوران انسان کو پھر کام کرنے کی اجازت ہے۔ عصر کی نماز بھی روحانی غذا حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ عصر کے بعد مغرب کے وقت بھی روحانی غذا دی جاتی ہے تا کہ مادی غذا کی اصلاح و شکریہ ادا ہو سکے اور سونے سے پہلے عشاء کے وقت یاد خداوندی سے رات بھر روحانیت کا اثر رہتا ہے۔

از روئے حدیث ہر نماز کو پڑھتے وقت یہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ میری آخری نماز ہے ممکن ہے کہ اس کے بعد موت آجائے اور پھر انسان کو نماز پڑھنا بھی نصیب نہ ہو۔

۱۔ اللہ تعالیٰ سے رابطہ:

نماز سے انسان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق استوار ہو جاتا ہے۔ وہ پانچ وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں عبادت کرنے، قرآن پاک پڑھنے اور دعا کرنے سے اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے اور رابطہ قائم کرتا ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

اِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا صَلّٰی یُنَاجِیْ رَبَّهٗ

ترجمہ: یقیناً تم میں سے کوئی شخص جب نماز پڑھتا ہے تو (گویا) اپنے رب سے چپکے چپکے بات کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے مسلسل رابطہ رہنے سے بہت سے فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔ روح کو بالیدگی، دل کو تقویت اور سہارا اور ذہن کو سکون ملتا ہے۔

www.CSSExamPoint.com

۲۔ گناہ جھڑتے ہیں:

نماز پڑھنے سے انسان کے گناہ جھڑتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ ایک درخت کی ایک خشک ڈالی کو ہلایا جس سے اس کے پتے جھڑنے لگے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: جب ایک مسلمان اچھی طرح وضو کرتا ہے اور پانچ نمازیں پڑھتا ہے تو اس کے گناہ اسی طرح جھڑ جاتے ہیں جیسے یہ پتے۔

۳۔ برائیوں سے اجتناب:

ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (العنکبوت ۲۹:۴۵)

ترجمہ: بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

۴۔ بے حیائی اور بُرے کاموں سے پرہیز:

یوں تو نماز کے بہت سے فوائد ہیں لیکن ان میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ نماز انسان کو بے حیائی اور برے کاموں سے بچاتی ہے۔ بے حیائی اور بے کاموں میں ظلم بھی شامل ہے۔ اس لیے انسان اس سے بھی بچتا ہے۔ اگر کوئی نمازی باقاعدگی سے مسجد میں جاتا ہے اور ایک روز نہ جائے تو سبھی اس کی خیریت دریافت کرتے ہیں۔

۵۔ وقت کی پابندی:

پنج وقتہ نماز ادا کرنے سے یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ انسان وقت کا پابند ہو جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ ہر کام بروقت کرتا ہے کیونکہ جو لوگ وقت کی پابندی نہیں کرتے وہ دوسروں کے سامنے آنے سے گریز کرتے ہیں۔

۶۔ صحت مندی:

جو شخص پنج گانہ نماز ادا کرتا ہے اس کے تمام جسمانی اعضاء درست رہتے ہیں اور نمازی خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہے اور سستی اور کاہلی اس کے نزدیک تک نہیں پھٹکتی اور وہ ہر وقت چاق و چوبند رہتا ہے۔

۷۔ فرض شناسی کا جذبہ:

نمازی کے اندر فرض شناسی کا جذبہ نہ صرف پیدا ہوتا ہے بلکہ بڑھتا ہے اور انسان ہر لمحہ اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے کوشاں رہتا ہے جس سے نہ صرف نمازی کو از خود فائدہ پہنچتا ہے بلکہ دوسرے لوگ بھی اس کی تقلید کر کے مثالی معاشرے کو تشکیل کرنے کا باعث بن سکتے ہیں۔

۸۔ سرخروئی کا حصول:

جو شخص پنج گانہ نماز ادا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دنیا اور آخرت کو بہتر بنا دیتا ہے جس کے نتیجے میں انسان اللہ تعالیٰ کے آگے سرخرو ہو جاتا ہے۔

نماز کے سماجی اثرات

۱۔ باہمی دکھ درد و خوشیوں میں شریک:

نماز کا فائدہ یہ بھی ہے کہ نمازی ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے دکھ درد اور خوشیوں میں شریک ہوتے ہیں اور مشکل میں پھنسے ہوئے نمازی کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

www.CSSExamPoint.com

۲۔ باہمی مساوات کا عمل:

جب نمازی کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو جاتے ہیں تو غریب امیر، بڑے چھوٹے، جوان اور عمر رسیدہ کی تمیز ختم ہو جاتی ہے اور اس طرح کوئی بھی شخص خواہ کسی حال میں بھی ہو خود کو دوسروں سے کسی طور پر بھی کم نہیں سمجھتا۔

۳۔ اطاعت امیر کا تصور:

نماز کی ادائیگی سے انسان کے دل میں اطاعت امیر کا عنصر نمایاں طور پر ابھر آتا ہے اور وہ ادب و آداب سے آشنا ہوتا ہے اور اسے اس عمل سے نہ صرف مساوات کا سبق ملتا ہے بلکہ دوسروں کے سامنے اسلام کی اجتماعی شان کا اظہار ہوتا ہے اور اسلامی عبادات کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

۴۔ قوم ایک پلیٹ فارم پر:

پنج گانہ نماز کی ادائیگی کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ نمازی ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر باہمی مسائل کو حل کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں چونکہ نماز میں تمام مسلمانوں کو قبلہ رو ہو کر کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا ہے اس لیے اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمانوں کا مرکز ایک ہی ہے۔

زکوٰۃ

معنی و مفہوم:

زکوٰۃ کے لغوی معنی ہیں پاک کرنا، نمو پانا، افزائش۔ دینی اصطلاح میں زکوٰۃ سے مراد مقررہ حد سے زیادہ مال رکھنے والوں سے مقررہ شرح سے مال وصول کر کے اسے مقررہ مصارف پر خرچ کرنا ہے۔ زکوٰۃ کے اصطلاحی مفہوم میں مذکورہ دونوں لغوی معنی موجود ہیں۔ زکوٰۃ سے مال پاک بھی ہوتا ہے اور اس میں برکت بھی آتی ہے۔

زکوٰۃ کی فرضیت:

زکوٰۃ ہر اس عاقل اور بالغ مسلمان پر فرض ہے جو

۱۔ مقررہ حد کے مال (نصاب) کا مالک ہو۔

۲۔ اس مال پر اس کو تصرف حاصل ہو (یعنی وہ اسے استعمال میں لا سکتا ہو)

۳۔ اس مال پر پورا سال گزر گیا ہو۔

۴۔ اس مال میں نمو یعنی بڑھنے کی صلاحیت ہو۔

نوٹ: بنیادی ضرورت کی اشیاء مثلاً رہائشی مکان، لباس اور اسباب وغیرہ پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی۔

لغوی اعتبار سے زکوٰۃ کا مطلب ہے پاک کرنا۔ لیکن شرعی اصطلاح میں اس سے مراد اپنے مال میں سے ایک مقررہ حصہ ایک معین طریقے سے ہر سال راہ خدا میں دینا۔ قرآن پاک کی سورہ توبہ آیت 103 میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا.

ترجمہ: ''(اے نبی ﷺ) لوگوں کے مال سے صدقہ وصول کیجئے یہ صدقہ ان کے مال کو ظاہر اور پاکیزہ بنا دے گا۔''

www.CSSExamPoint.com

انبیائے کرام علیہ السلام پر زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ انبیاء گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اس آیت کریمہ سے دل کی پاکیزگی اور تزکیہ نفس کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔

فلسفہ زکوٰۃ

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرضیت زکوٰۃ کے فلسفہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: تشریع زکوٰۃ میں دو بڑی مصلحتیں ہیں ایک کا مقصد تزکیہ نفس ہے کیونکہ انسان کی اصل جبلت میں حرص اور بخل ودیعت رکھے گئے ہیں۔ بخل ایک قبیح ترین عادت ہے جس سے انسان کو آخرت میں نقصان ہوتا ہے جس میں بخل نے جڑ پکڑ لی وہ جب مرتا ہے تو اس کا دل مال و دولت کے ساتھ وابستہ اور اس کی طرف نگران ہوتا ہے یہی بات اس کے لیے عذاب کا موجب بنتی ہے۔ جب آدمی زکوٰۃ کی مشق کرتا ہے اور اس کا عادی بن جاتا ہے تو اس کا نفس بخل کی بری عادت سے پاک ہو جاتا ہے اور یہ بات اس کے لیے آخرت میں نہایت مفید ثابت ہوتی ہے۔ نیز جب کسی مسکین محتاج کو کوئی شدید ضرورت پیش آتی ہے اور تدبیر الٰہی کا اقتضا یہ ہوتا ہے کہ اس کی وہ حاجت پوری کر دی جائے تو کسی ذی استعداد صاحب استطاعت کے دل میں اس کی اعانت اور دستگیری کا الہام کیا جاتا ہے اور اس کا قلب فراخدلی کے ساتھ اس کو قبول کر لیتا ہے۔ اس سے اس کو انشراح روحانی حاصل ہوتا ہے اور رحمت الٰہی کے اس مقام پر فائز ہونے کی اس میں استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور یہ بات اس کے تزکیہ نفس کے لیے مفید ہے۔

دوسری مصلحت کا مقصود نظام مدنیت کو بہتر طریقے پر قائم رکھنا ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ مدنیت خواہ کتنے ہی چھوٹے پیمانے پر ہو کمزور اور اپاہج اشخاص اور ارباب حاجت غریبوں، مسکینوں پر مشتمل ہوتی ہے نیز حوادث اور آفات ارضی وسماوی کا ہر ایک قوم کسی نہ کسی صورت میں نشانہ بنتی ہے۔ بنابریں اگر اس بات کا التزام نہ ہو کہ غریبوں اور مسکینوں اور ارباب حاجت کی دستگیری کی جائے تو اس کا نتیجہ قوم کی ہلاکت ہوگا اس لیے یہ ضروری قرار پایا اور آپ ﷺ نے یہ سنت قائم کی کہ ان کے وصول کرنے کا اہتمام حکومت کرے۔

زکوٰۃ کے وجوب کی مذہبی حیثیت کے بعد ایک مسلمان کے لیے یہ ضروری نہیں رہ جاتا کہ وہ اس کے دیگر فوائد جاننے کے بعد ہی ایمان لائے۔ بلکہ ایک مسلمان کی شان یہی ہے کہ وہ جب یہ سمجھ لے کہ یہ اسلام کا مطالبہ ہے، خدا کا حکم ہے اور پیارے پیغمبر ﷺ کا فرمان ہے تو وہ بے چون و چرا اس پر عمل کرے۔ اس کی شان یہ ہے کہ وہ کہے سمعنا واطعنا ہم نے سن لیا اور مان لیا، تاہم اس کی تسلی اور اطمینان قلب کے لیے مناسب ہے کہ زکوٰۃ سے حاصل ہونے والے دیگر دنیوی فوائد پر کچھ تھوڑی بہت روشنی ڈال دی جائے۔ زکوٰۃ کی مذہبی حیثیت کے بعد اس کے معاشرتی اور معاشی فوائد زیادہ اہم ہیں اس لیے اس بیان کو اختصار کا روپ دیا گیا ہے۔

زکوٰۃ کے بارے میں چند آیات قرآنی:

1- وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ O

ترجمہ: ''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کرو۔ (سورہ البقرہ آیت 43)

2- وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

ترجمہ: ''پس نماز قائم کرو اور ادا کرو زکوٰۃ اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی۔'' (سورہ نور آیت 56)

3- وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ O لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ O

ترجمہ: ''اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے مالوں میں حاجت مندوں اور ناداروں کے لئے سلام مقرر حق ہے۔'' (سورہ المعارج آیت 25-24)

www.CSSExamPoint.com

4- وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ

ترجمہ: اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ (سورہ المومنون آیت 4)

5- وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ.

ترجمہ: ''اور اپنے گھروں میں قرار کیے رکھو اور سابق دور جاہلیت کی شان وشوکت نہ دکھاتی پھرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو۔'' (سورہ الاحزاب آیت 33)

مقاصدِ زکوٰۃ

زکوٰۃ کے مقاصد کے بارے میں کتاب وسنت میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کا جائزہ لیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کے تین اہم فوائد یا مقاصد ہیں:

تزکیۂ نفس:

زکوٰۃ کا حقیقی اور بنیادی مقصد جس کا تعلق بالکلیہ شخص کی اپنی ذات سے ہوتا ہے، یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کا دل دنیا کی حرص سے پاک ہو کر نیکی اور تقویٰ کے کاموں کے لیے تیار ہو جائے۔ قرآن میں ہے:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۭ

ترجمہ: ''اس شخص کو جہنم سے دور رکھا جائے گا جو خدا سے ڈرنے والا ہو اور جو اپنے تزکیہ کی خاطر دولت دوسروں کو دیتا ہو۔'' (الیل ۱۸-۱۷)

گویا صدقہ اور زکوٰۃ کی اصل غایت دل کی پاکی اور نفس کا تزکیہ ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ دنیا کی محبت ہی وہ چیز ہے جو خدا پرستی کی اصل دشمن ہے اور جو انسان کو خدا اور آخرت سے بیگانہ بنا کر رکھ دیتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا بھی ہے کہ ''دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔'' دنیا کی محبت مختلف شکلوں میں آسکتی ہے لیکن اس کی سب سے معروف اور خطرناک شکل دولت کی محبت ہے۔ آپ ﷺ نے اسی کو امت مسلمہ کے لیے سب سے بڑا خطرہ بتایا تھا۔ آپ ﷺ کا قول ہے ''میری امت کا (سب سے بڑا) فتنہ مال ہے۔'' اگر آدمی اپنے آپ کو اس فتنے کی گرفت سے بچالے تو اور بہت سی برائیوں سے بچ سکتا ہے اور اچھائیاں نشوونما پاسکتی ہیں۔ خود زکوٰۃ کے لفظی معنی بھی پاکیزگی اور نمو کے ہیں، گویا اس طرح نفس میں پاکیزگی آتی ہے اور صفات حسنہ کی قوت نمو میں اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ زکوٰۃ کا بنیادی مقصد محض اس بات سے حاصل نہیں ہوتا کہ اپنی دولت کا ایک حصہ نکال کر کسی غریب کو دے دیا جائے بلکہ اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب اس عمل کے پیچھے سچی نیت اور عملی اہتمام ہو۔ مقصود صرف خدا کی رضا کا حصول ہو، نام ونمود کی خواہش یا کسی پر احسان دھرنے کا جذبہ کارفرما نہ ہو، لینے والے کی عزت نفس کو ٹھیس نہ پہنچائی جائے، زکوٰۃ پاک کمائی سے ادا کی جائے اور زکوٰۃ کے لیے جو چیزیں دی جائیں وہ عمدہ قسم کی ہوں؛ جس طرح نماز کا ظاہری پہلو اس کے ارکان ہیں لیکن اصل چیز توجہ والی اللہ ہے اسی طرح زکوٰۃ کا ظاہری پہلو ادائیگی نقد وجنس ہے لیکن اس کا باطن دنیا کے مقابلے میں آخرت کو فوقیت دینا ہے اور باطن کے تقاضے اسی وقت پورے ہوسکتے ہیں جب اوپر کی شرائط کا خیال رکھا جائے۔

www.CSSExamPoint.com

امداد باہمی:

زکوٰۃ کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ ملت کے نادار افراد کی مدد کی جائے تا کہ ان کی بنیادی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

ان اللہ افترض علیھم صدقہ توخذ من اغنیائھم فترد الی فقراء ھم.

ترجمہ: ''اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے کہ ان کے امرا سے لی جائے اور غربا میں تقسیم کر دی جائے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا ایک خالص اجتماعی اور معاشی پہلو بھی ہے اور اس کے بغیر زکوٰۃ کا اسلامی پہلو مکمل نہیں ہوتا۔ ایک شخص نے پوری دلجمعی اور خلوص کے ساتھ اپنی دولت کا حصہ نکالا تو بلاشبہ اس نے اپنے دل کی پاکی اور اپنے نفس کے تزکیے کا اہتمام کر لیا مگر اس کا یہ فعل شریعت کے نزدیک ابھی ادائے زکوٰۃ نہیں بنا۔ یہ ادائے زکوٰۃ اس وقت بنے گا جب وہ اپنی نکالی ہوئی دولت کو حق داروں کے حوالے کر دے گا۔ یعنی دل کی پاکی اور نفس کے تزکیے کا زکوٰۃ کی بنیادی غرض و غایت ہونا مسلم، لیکن اس مال وزکوٰۃ کا غریبوں کی حاجت روائی کا ذریعہ بننا بھی اپنی جگہ بالکل ضروری ہے اور اس کے بغیر زکوٰۃ کا شرعی فریضہ ادا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے زکوٰۃ کو کھاتے پیتے افراد کی دولت میں غریبوں کا حصہ کہا ہے۔ اور یہ حق ایسا ہے جس کی خاطر اسلامی حکومت تلوار بھی اٹھا سکتی ہے۔ دین میں اس بات کی جو اہمیت ہے اس کا پورا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے کہ ''وہ شخص مومن نہیں جو خود تو سیر ہو کر کھالے اور اس کے پہلو میں اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔'' اسی طرح ایک طویل حدیث میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک انسان سے کہے گا کہ میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا لیکن تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ بندہ جواب دے گا کہ خدایا میں تجھے کیسے کھلا سکتا ہوں، تو تو اس سارے جہان کا پالنہار ہے۔ ارشاد ہوگا کہ تجھے نہیں معلوم کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا لیکن تو نے اسے کھلانے سے انکار کر دیا تھا۔

جو دین ایک حاجت مند کی بھوک پیاس کو خود اللہ تعالیٰ کی بھوک پیاس سے تعبیر کرتا ہو، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے یہاں غریبوں اور ناداروں کی حاجت براری کی کیا اہمیت ہوگی۔

دین کی نصرت:

زکوٰۃ کا ایک اور مقصد دین کی حفاظت اور نصرت ہے۔ قرآن میں اہل ایمان سے جگہ جگہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو۔ جہاں اہل ایمان کی بنیادی صفات بیان کی جاتی ہیں ان میں اللہ کی راہ میں اپنے مال سے جہاد کرنے کی بات لازماً موجود ہوتی ہے۔ اس کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ اور وہ یہ کہ دین کی خاطر جہاد کرنے کے لیے جن مصارف کی بھی ضرورت پڑے انہیں اپنے پاس سے مہیا کرو۔

دین کی حفاظت و نصرت معمولی کام نہیں، اس لیے اس کی خاطر اپنی دولت خرچ کرنا بھی معمولی کام نہیں۔ قرآن حکیم نے ایک جگہ جہاد کا حکم دیتے ہوئے فرمایا

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ

ترجمہ: ''اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور ہاتھ روک کر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔''

(البقرۃ۔۱۹۵)

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ دین کی حفاظت و نصرت کے لیے مالی انفاق سے جی چرانا ہلاکت کو مول لینا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

www.CSSExamPoint.com

زکوٰۃ کا نصاف اور شرح

۱۔ سونا چاندی:

سونے کا نصاب ساڑھے سات (7½) تولے اور چاندی کا ساڑھے باون (52½) تولے ہے۔ ان پر زکوٰۃ کی شرح (2½) فیصد ہے۔

۲۔ روپیہ اور مال تجارت:

روپیہ پیسہ اور مال تجارت کی قیمت اگر (7½) تولے سونے یا (52½) تولے چاندی کے برابر ہو۔ اس کی قیمت لگا کر (2½) فیصد کی شرح سے اس پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔

۳۔ سوائم:

یعنی چرنے والے وہ مویشی جو سال کا غالب حصہ چراگاہوں میں چرتے ہیں۔ ان کا نصاب اس طرح ہے:

اونٹ پانچ (۵) عدد

بقر (گائے، بیل، بھینس تیس (۳۰) عدد

غنم (بھیڑ بکریاں) چالیس (۴۰) عدد

جانوروں کی زکوٰۃ کی شرحیں مقررہ ہیں۔ ان میں بڑی تفصیلات پائی جاتی ہیں جن کو بیان کرنے کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں۔

۴۔ زرعی پیداوار:

کل زرعی پیداوار پر، بلالحاظ نصاب، زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔ زرعی پیداوار پر زکوٰۃ کو عشر کہتے ہیں۔ عشر کا معنی ہے دسواں حصہ۔ زمین بارش یا سیلاب یا قدرتی ندی نالے یا چشمے سے سیراب ہو تو اس پر عشر کی شرح دس فیصد ہے اور اگر کنوئیں یا ٹیوب ویل وغیرہ کسی مصنوعی ذریعے سے زمین سینچی گئی ہو تو عشر کی شرح فیصد (یعنی بیسواں حصہ) ہوگی۔

مصارف زکوٰۃ

قرآن حکیم (سورہ توبہ، ۹:۶۰) میں زکوٰۃ کے مندرجہ ذیل آٹھ مصارف بتائے گئے ہیں:

۱۔ فقراء:

فقراء جمع ہے فقیر کی۔ عربی زبان میں فقیر کا معنی ہے محتاج یعنی ایسا شخص جو کسی ایسی ضرورت سے دوچار ہو جس کو پورا کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ مثلاً کسی موذی مرض میں مبتلا ہو جس کے علاج کے لیے اس کے پاس پیسہ نہ ہو۔

۲۔ مساکین:

مساکین جمع ہے مسکین کی۔ مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جو کام کرنے سے معذور ہو لیکن عزت نفس کا خیال اسے دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے باز رکھے۔

۳۔ عاملین:

یعنی وہ عاملین جو زکوٰۃ کی وصولی، اس کے حساب کتاب اور تقسیم وغیرہ کے امور سرانجام دیں۔ ان کی تنخواہیں زکوٰۃ سے ادا کی جائیں گی۔

www.CSSExamPoint.com

۴۔ مؤلفۃ القلوب:

اس کا لفظی معنی ہے وہ لوگ جن کے دل جوڑے گئے ہیں اس سے مراد وہ لوگ تھے جو اسلام لائے تو بلا لحاظ اس کے کہ وہ امیر تھے یا غریب، مال و دولت سے ان کی دلجوئی کی گئی، نئے اسلام لانے والوں کی زکوۃ کے مال سے دلجوئی کی جاسکتی ہے، خواہ وہ امیر ہوں یا غریب۔

۵۔ غلاموں کی آزادی:

زکوۃ کے مال سے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جائے۔

۶۔ غازمین:

ایسے ضامن یا مقروض جو زرِ ضمانت یا مالِ قرض ادا کرنے سے قاصر ہوں۔

۷۔ فی سبیل اللہ:

(اللہ کی راہ) اس سے مراد ان لوگوں کی مدد کرنا ہے جو اللہ کی راہ میں کوشاں ہیں اور روزی کمانے کی فرصت نہیں رکھتے۔ مثلاً جہاد کرنے والے، دین کی تبلیغ و اشاعت کرنے والے، نادار طالب علم وغیرہ۔

۸۔ ابن سبیل:

اس سے مراد وہ مسافر ہیں جو حالت سفر میں محتاج ہو جائیں خواہ وہ اپنے گھر میں مالدار ہوں۔ زکوۃ سے مسافر کی مدد اس کی اصل حاجت کے مطابق کرنی چاہیے نہ کہ اس کی حیثیت کے مطابق۔

ادائیگی زکوۃ:

1- زکوۃ صرف مسلمانوں سے وصول کر کے مسلمانوں کو ہی دی جاسکتی ہے یعنی غیر مسلم اس کے حق دار نہیں ہیں۔

2- ایسے عزیز و اقارب جن کی کفالت شرعی اعتبار سے ایک فرد پر فرض ہے مثلاً ماں، باپ، بیٹا، بیٹی، شوہر اور بیوی وغیرہ کو زکوۃ نہیں دی جاسکتی البتہ دور کے عزیز، غیروں کے مقابلے میں قابل ترجیح ہیں۔

3- عام حالات میں ایک بستی کی زکوۃ خود اس بستی میں تقسیم ہونی چاہیے البتہ اس بستی میں مستحق زکوۃ کے نہ ہونے یا کسی دوسری بستی میں ہنگامی صورت حال مثلاً سیلاب، زلزلہ، قحط وغیرہ کے مواقع پر زکوۃ دی جاسکتی ہے۔

4- زکوۃ دیتے وقت یہ اطمینان کر لیا جائے کہ جس شخص کو زکوۃ دی جا رہی ہے وہ اس کا مستحق بھی ہے یا نہیں۔

5- زکوۃ کی رقم سے ضرورت کی اشیاء کی خریداری بھی کی جاسکتی ہے۔

6- مستحق زکوۃ کو بتانا ضروری نہیں کہ یہ پیسہ مال زکوۃ کا ہے۔

7- سفید پوشوں کو زکوۃ دیتے وقت اس امر کا خیال رکھا جائے کہ ان کی سفید پوشی کا بھرم قائم رہے اور اعلانیہ یہ نہ کہا جائے کہ اسے (سفید پوش) زکوۃ دی گئی ہے۔

زکوۃ معاشی نقطۂ نظر سے:

اسلام دین اور دنیا کے امتزاج کا داعی ہے۔ اس لیے اس کی عبادات بھی اخلاقی فوز و فلاح کے ساتھ دنیوی زندگی کی اصلاح اور اس کی صحیح خطوط پر تعمیر کی بھی ضامن ہیں۔ زکوۃ جہاں جب مال کو کم کرتی اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے اور مال قربان کرنے کا جذبہ پیدا کرتی ہے وہیں معاشی

www.CSSExamPoint.com

نقطۂ نظر سے یہ سماجی فلاح کی ایک ہمہ گیر اسکیم ہے جس کے ذریعہ ملک وملت کے غریب اور نادار افراد کی مدد کی جاتی ہے اور انہیں زندگی کی جدوجہد میں برابر کی شرکت کے لائق بنایا جاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ ذہنیت یہ بات پیدا کرتی ہے کہ ہر شخص کی دولت صرف اسی کے لیے ہے اور معاشی دوڑ میں جو پیچھے رہ جائے اور جو گر جائے اسے فنا ہو جانا چاہیے۔ کشمکش حیات میں زندہ رہنے کا حق صرف اس کو ہے جو مسابقت میں دوسروں سے آگے بڑھ جائے۔ اسلام اس ذہنیت کی نفی کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے: جو کچھ دولت تم کھاتے ہو وہ صرف تمہاری محنتوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس میں فطرت کی بے شمار قوتیں شریک کار ہیں۔ نیز پورا معاشرہ ہزاروں طریقے پر تمہارا معاون ومددگار ہے۔ اس لیے تمہارے مال میں تمہارے علاوہ دوسروں کا بھی حق ہے۔ اہل ثروت کی ذمہ داری ہے کہ معاشی دوڑ میں جو پیچھے رہ جائے اسے سہارا دیں اور آگے بڑھائیں۔ جو معاشرہ کمزوروں کی مدد نہ کرے، ناداروں کو سہارا نہ دے، اور گرتوں کو تھام نہ لے وہ انسانی معاشرہ کہے جانے کا مستحق نہیں۔ اسلام نظام زکوٰۃ کے ذریعے سے معیشت کو صحت مند بنیادوں پر استوار کرتا ہے اور اس میں امداد باہمی کی روح کو جاری وساری کر دیتا ہے۔

جدید علم معیشت میں سماجی فلاح کا تصور بہت نیا ہے لیکن اسلام نے پہلے ہی دن سے فلاحی اور خدمتی ریاست کا تصور پیش کیا اور زکوٰۃ کی شکل میں امداد باہمی کا ایک ایسا نظام قائم کیا جس کے ذریعے سے تمام شہریوں کی بنیادی ضروریات کی ضمانت دی گئی۔ اسلامی حکومت نے ابتدا سے ہی اس نظام کو عملاً قائم کیا، آبادی کی مردم شماری کی، ناداروں کے رجسٹر بنائے، ہر ضرورت مند کو سرکاری وظیفے دیے اور تھوڑے ہی عرصے میں یہ حال ہو گیا کہ بقول مورخ طبری زکوٰۃ دینے والے تو ہر طرف تھے مگر زکوٰۃ لینے والے نہ تھے۔

پھر زکوٰۃ دولت کی تقسیم میں غیر فطری عدم مساوات کو ختم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس ذریعہ سے امیروں کی دولت غریبوں کی طرف منتقل ہوتی ہے اور اس طرح تقسیم دولت صحت مند بنیادوں پر واقع ہوتی ہے۔

معیشت کا ایک اور بنیادی مسئلہ دولت کی ذخیرہ اندوزی کو روکنا اور سرمایہ کاری کو بڑھاتا رہا ہے۔ آج کی دنیا میں جہاں جہاں معاشی پسماندگی ہے اس کا بڑا سبب دولت کی غلط تقسیم اور صحیح سرمایہ کاری کا فقدان ہی ہے۔ زکوٰۃ کا ایک معاشی وظیفہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے سے دولت آپ سے آپ سرمایہ کاری کی طرف منتقل ہوتی ہے اس لیے کہ اگر اسے ذخیرہ کیا جائے تو ۴۰ سال میں وہ آپ سے آپ ختم ہو جائے گی۔ اس لیے اس کا فطری تقاضا یہ ہوتا ہے کہ دولت کو روک رکھنے کے بجائے کاروبار میں لگایا جاتا ہے اور اس سے معاشی ترقی رونما ہوتی ہے۔

پھر معاشی بحران کے جس چکر میں سرمایہ دارانہ دنیا گرفتار ہے اس کو دور کرنے میں بھی زکوٰۃ بڑی مفید ومعاون ہو سکتی ہے۔ تجارتی چکر سرمایہ کاری اور قوت صرفہ میں عدم توازن کی بنا پر رونما ہوتا ہے لیکن زکوٰۃ جہاں ایک طرف پیداواری عمل کو تیز تر کرتی ہے وہیں دوسری طرف عوام میں قوت خرید کا اضافہ بھی کرتی ہے۔ اس طرح یہ معیشت میں معاشی توازن قائم کرنے کا ایک خودکار آلہ بن جاتی ہے۔

زکوٰۃ ایک انقلابی معاشی تصور ہے اور یہ حقیقت بڑی افسوس ناک ہے کہ خود مسلمانوں نے ابھی تک اس کے ہمہ جہتی معاشی پہلوؤں کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔ اگر اس کے معاشی فوائد پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ پورے نظام معاشی کی قلب ماہیت کر دیتی ہے۔ اسے صحت منداور انسانی بنیادوں پر قائم کرتی ہے اور ایک ایسا نظام قائم کرتی ہے جس میں جدوجہد کے دروازے سب کے لیے کھلے ہوں اور زندگی کی نعمتیں تمام انسانوں کے لیے عام ہوں۔

زکوٰۃ کی اہمیت

زکوٰۃ اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔ ہر صاحب نصاب پر زکوٰۃ فرض ہے۔ زکوٰۃ کا منکر مرتد اور واجب القتل ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کیا تھا، حالانکہ وہ لوگ اسلام کے باقی چار ارکان کو مانتے تھے۔

قرآن حکیم میں جہاں بھی اقامت صلوٰۃ کا حکم آیا ہے اس کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرنے کا بھی حکم آیا ہے۔

www.CSSExamPoint.com

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ.

ترجمہ: نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو۔

یہ حکم متعدد بار آیا ہے۔ زکوۃ ادا نہ کرنے والوں کے لیے سخت عذاب کی وعید آئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لا فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ

ترجمہ: اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی بشارت دیجئے۔

حدیث شریف میں بھی زکوۃ ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور زکوۃ نہ دینے والے کے لیے دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے۔ جس مال کی زکوۃ نہ دی جائے حدیث نبوی کی رو سے، وہ مال قیامت کے روز حب مال کے لیے عذاب بن جائے گا۔

اسلامی ریاست میں زکوۃ کی اہمیت

۱۔ اسلام کا نصب العین فلاحی ریاست Welfare State کا قیام ہے جہاں ہر شخص کی بنیادی ضروریات کی ریاست ضامن ہو۔ صحت کے لیے ضروری خوراک، ستر ڈھانپنے اور موسم کی شدت سے بچاؤ کے لیے لباس، مکان، علاج، تعلیم یہ سب بنیادی ضروریات ہیں اور ہر شخص کو لازماً ملنی چاہئیں۔ کوئی بھی شخص ان میں سے کسی بھی ضرورت سے محروم نہیں رہنا چاہیے۔ اسلامی ریاست ان کی فراہمی کی ضامن ہے۔

۲۔ اسلام ہر فرد معاشرہ کو سماجی تحفظات Social Securities مہیا کرنا چاہتا ہے۔ بیماری، بے روزگاری، مقروض یا دیوالیہ ہونے، یتیم یا بیوہ ہونے، غرض ہر ایسی مصیبت میں کہ جب انسان بے بس اور بے سہارا ہو کر مدد کا محتاج ہو جائے اسلامی ریاست پر فرض ہے کہ وہ اس کی ضروری مدد کرے۔ ہر فرد معاشرہ کو یہ احساس حاصل ہو کہ اس کا اور اس کے زیر کفالت افراد کا مستقبل محفوظ ہے اور وہ کسی بھی صورت کسمپرسی اور بے چارگی کی حالت سے دوچار نہ ہوں گے۔ ضرورت پڑنے پر ریاست ان کی مدد کو لپکے گی۔

۳۔ اسلام اس بات کا ہرگز روادار نہیں کہ دولت معاشرے کے چند افراد کے ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ جائے۔ اس کی منشاء تو یہ ہے کہ دولت تقسیم ہو اور گردش میں رہے۔

۴۔ اسلام اپنے پیروؤں کے دلوں سے مال و دولت کی محبت کو نکال دینا چاہتا ہے وہ انہیں دنیا کے بجائے آخرت کی اہمیت کا احساس دلانا چاہتا ہے۔ اگرچہ اسلام رہبانیت کا قائل نہیں لیکن دنیوی مال و متاع سے محبت کرنے، ان کے انبار لگانے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ وہ مال و دولت کے بجائے اللہ اور اس کی مخلوق سے محبت دیکھنا چاہتا ہے۔

ان اعلیٰ اور ارفع مقاصد کے حصول کے لیے زکوۃ ایک اہم اور مؤثر ذریعہ ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ریاست کو فلاحی بنانے اور سماجی تحفظات کی فراہمی کے لیے خاطر خواہ مقدار میں مالی وسائل کی ضرورت ہے۔ اسلامی ریاست کو یہ ضروری مالی وسائل زکوۃ سے فراہم ہوتے ہیں۔ زکوۃ کے بغیر اسلامی ریاست نہ تو ایک فلاحی ریاست بن سکتی ہے اور نہ ہی کسی فرد معاشرہ کو سماجی تحفظات مہیا کر سکتی ہے۔ دولت کو مرتکز ہونے سے روکنے اور مال و دولت کی محبت کو دلوں سے نکالنے کے لیے بھی زکوۃ ایک نہایت مؤثر ذریعہ ہے۔

www.CSSExamPoint.com

زکوٰۃ کے اخلاقی، روحانی اور سماجی اثرات

زکوٰۃ کے اخلاقی و روحانی اثرات

۱۔ مال پاک ہو جاتا ہے:

زکوٰۃ ادا کرنے سے مال پاک ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے مال کو اطمینان قلب کے ساتھ اپنے جائز تصرف میں لا سکتا ہے۔ جب تک وہ زکوٰۃ نہ دے اس کا مال پاک نہ ہوگا، کیونکہ اس کے مال میں غریبوں کا حق ہے۔ زکوٰۃ دینے سے غریبوں کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ نہ دینے سے وہ غریبوں کے حق کا غاصب ہوگا۔

۲۔ تزکیہ نفس:

زکوٰۃ ادا کرنے سے تزکیہ نفس حاصل ہوتا ہے۔ اپنے ہاتھ سے اور اپنی خوشی سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جب انسان اپنے مال میں سے زکوٰۃ نکالتا ہے تو اس سے مال کی محبت کم ہوتی ہے، بخل اور کنجوسی کا جذبہ مغلوب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق استوار ہوتا ہے۔ برائیوں سے اجتناب کرتا ہے۔ مال کی بے پناہ محبت بہت سی اخلاقی برائیوں کو جنم دیتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا

ترجمہ: ”اے نبی ﷺ! ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) لیجیے جس کے ذریعے آپ ﷺ انہیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں۔“

۳۔ اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے:

زکوٰۃ ادا کرنے سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کا اجر دے گا۔ ارشاد ربانی ہے:

ترجمہ: ”جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیے ہوئے مال میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس بڑے درجات اور مغفرت اور بہترین رزق ہے (الانفال، ۸: ۳، ۴)

۴۔ نیکی (بر) حاصل ہوتی ہے:

زکوٰۃ دینے سے نیکی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بغیر نیکی ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔ کوئی مسلمان خواہ کتنا ہی عبادت گزار کیوں نہ ہو، دیگر نیکیاں چاہے کتنی ہی کرتا ہو۔ جب تک اپنے اوپر عائد زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا اسے نیکی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۵

ترجمہ: ”تم نیکی کو ہرگز نہیں پا سکتے جب تک کہ تم اپنی ان چیزوں میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہیں۔“

www.CSSExamPoint.com

۵۔ مال بڑھتا ہے:

زکوٰۃ دینے سے مال گھٹتا نہیں بلکہ بڑھتا ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کیے ہوئے مال کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے قرض بتایا ہے اور اس کا وعدہ ہے کہ وہ اسے بڑھا دے گا

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ (التغابن: ۱۷)

ترجمہ: ''اگر تم اللہ کو قرض حسن دو تو وہ اس کو تمہارے لیے دوگنا کر دے گا اور تمہاری مغفرت کر دے گا اور اللہ قدر کرنے والا بردبار ہے۔''

سورہ البقرہ (۲۷۶:۲) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقٰتِ ؕ

ترجمہ: ''اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔''

زکوٰۃ کے سماجی اثرات

۱۔ دولت گردش میں آتی ہے:

کسی بھی ملک کی معاشی ترقی کے لیے یہ بات اشد ضروری ہے کہ دولت مندوں کے پاس دولت منجمد ہو کر نہ پڑی رہے بلکہ معاشرے میں پھیل کر گردش میں آئے۔ زکوٰۃ کے ذریعے (2½) فیصد مال و دولت مال داروں کی تجوریوں سے نکل کر گردش میں آتی ہے۔ کافی لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ کر ان میں قوت خرید بڑھاتی ہے۔ وہ مارکیٹوں میں جا کر خریداری کرتے ہیں۔ اشیاء کی مانگ بڑھتی ہے پھر لامحالہ پیداوار بھی بڑھے گی۔ اگر عوام کی اکثریت قوت خرید سے محروم رہے تو لازماً کساد بازاری کا سامنا کرنا پڑے گا جس سے ملکی معیشت ترقی نہ کر سکے گی۔

۲۔ چند ہاتھوں میں ارتکاز دولت میں کمی:

اگر دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو جائے جیسا کہ جاگیرداری اور سرمایہ داری نظام میں ہوتا ہے تو اس سے مال دار (Haves) اور نادار (Havenots) طبقوں کے درمیان تضاد و تفاوت بہت نمایاں اور گھناؤنی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ معیشت اور معاشرے دونوں کے لیے بالآخر تباہ کن ثابت ہوتا ہے۔ زکوٰۃ ارتکاز دولت کو کم کرتی ہے۔ اسلام چند ہاتھوں میں ارتکاز دولت کا روادار نہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ

ترجمہ: ''تاکہ وہ (مال) تمہارے مالداروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتا رہے۔''

۳۔ سرمایہ کاری میں اضافہ:

اگر مالدار شخص اپنے مال پر سانپ بن کر بیٹھا رہے اور کسی کاروبار میں نہ لگائے تو ہر سال زکوٰۃ ادا کرنے سے اس کا مال مسلسل گھٹتا چلا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ کوئی ہوش مند مال دار اس صورت حال کو پسند نہیں کرے گا، چنانچہ وہ اپنے مال کو زکوٰۃ کے ہاتھوں ختم ہونے سے بچانے کے لیے کسی نفع بخش کاروبار میں لگانے پر مجبور ہوگا۔ اس طرح ملک میں سرمایہ کاری کا رجحان بڑھے گا۔ سرمایہ کاری میں اضافہ سے ملکی معیشت ترقی کرے گی۔

www.CSSExamPoint.com

۴۔ سماجی تحفظات کی فراہمی:

زکوٰۃ کی بدولت ریاست اس قابل ہوتی ہے کہ افراد معاشرہ کو سماجی تحفظات فراہم کر سکے۔ اگر انہیں سماجی تحفظات حاصل ہوں گے تو وہ اطمینان کے ساتھ ملکی ترقی میں اپنا کردار ادا کریں گے۔

۵۔ جرائم میں کمی:

اگر معاشرے کی صورت یہ ہو کہ ہر شخص کو تن تنہا اپنی بقاء کی جنگ لڑنی پڑے۔ اس کا اور اس کے بال بچوں کا مستقبل غیر یقینی اور غیر محفوظ ہو۔ اسے اس طرف سے اطمینان نہ ہو کہ کسی ناگہانی مصیبت، بیماری، حادثہ وغیرہ کی صورت میں اس کے اہل خانہ عزت و آبرو کی زندگی بسر کر سکیں گے تو وہ اپنے اہل خانہ کے مستقبل کو محفوظ کرنے کے لیے دولت جمع کرنے کی کوشش کرے گا۔ وہ دولت کے حصول کے لیے جرائم کے ارتکاب سے بھی گریز نہیں کرے گا۔ اس طرح معاشرے میں اخلاقی و معاشی جرائم میں اضافہ ہوگا۔ اس کے برعکس زکوٰۃ کے نظام سے چونکہ فرد اپنی بقاء کی جنگ تن تنہا نہیں لڑتا بلکہ پورا معاشرہ اس کی پشت پر ہوتا ہے، اسے اطمینان ہوتا ہے کہ ناگہانی مصیبت کی صورت میں حکومت زکوٰۃ سے اس کی خاطر خواہ مدد کر کے اسے سنبھال لے گی۔ اس کی اور اس کے اہل خانہ کی بنیادی ضروریات بہر صورت پوری ہوتی رہیں گی تو اسے کیا ضرورت ہوگی جرائم کا ارتکاب کرنے کی۔

۶۔ طبقاتی کشمکش میں کمی:

اگر امراء اپنے معاشرے کے غریب و نادار لوگوں کے ساتھ بے حسی اور لاپرواہی کا رویہ رکھیں، جیسا کہ جاگیرداری اور سرمایہ داری نظام کا خاصہ ہے تو غریب لوگوں کے دلوں میں امیروں کے خلاف نفرت کا پیدا ہو جانا ایک فطری اور لازمی امر ہے۔ زکوٰۃ کے نظام میں چونکہ امراء غریبوں کی خبر گیری کرتے ہیں اور انہیں مالی امداد فراہم کرتے ہیں (حکومت کی وساطت سے) اس لیے غریب لوگوں کے دلوں میں ان کے خلاف پائی جانے والی نفرت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اس سے طبقاتی کشمکش اور منافرت بھی کمزور پڑ جاتی ہے جس کے نتیجے میں معاشرے کے افراد امن و سکون کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ امن و سکون کی فضا ملکی ترقی کے لیے نہایت مفید اور ضروری ہوتی ہے۔

۷۔ دینی و قومی بہبود کے کام:

زکوٰۃ سے بہت سے دینی و قومی بہبود کے کام سرانجام دیئے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ زکوٰۃ کا ایک مصرف ''فی سبیل اللہ'' بھی ہے۔ دین کی تبلیغ و اشاعت، جہاد فی سبیل اللہ اور نادار طلبہ کی امداد کے کاموں پر زکوٰۃ خرچ کر کے دین کے فروغ اور قومی و ملکی بہبود کے کام کیے جا سکتے ہیں۔

صوم رمضان (روزہ)

معنی و مفہوم:

صوم یا صیام کا لغوی معنی ہے کسی کام یا چیز سے رک جانا دینی اصطلاح میں اس سے مراد صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک عبادت کی نیت کے ساتھ کھانے پینے اور مباشرت سے پرہیز کرنا ہے۔

لغوی اعتبار سے روزے کا مطلب ہے رک جانا۔ باز رہنا، ٹھہر جانا لیکن شرعی اصطلاح میں اس سے مراد فجر سے لے کر مغرب تک کھانے پینے اور فعل جنسی اور دیگر برائیوں سے مکمل طور پر اجتناب کرنا ہے۔ امام راغب کہتے ہیں روزہ اصل میں کھانے، کلام کرنے اور چلنے سے رک جانا ہے (المفردات فی غرائب القرآن)۔

قرآن و حدیث میں صوم و صام کے الفاظ آئے ہیں برصغیر پاک و ہند میں اسے روزہ کہا جاتا ہے۔ بنیادی اسلامی عبادت اور اسلام کے ایک رکن کی حیثیت سے اس سے مراد ماہ رمضان کے روزے لی جاتی ہے۔

www.CSSExamPoint.com

فرضیت:

ماہ رمضان کے روزے ہر عاقل، بالغ اور مقیم مرد و زن پر فرض ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض ٹھہرایا گیا ہے جیسے ان پر فرض ٹھہرایا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار ہو۔''

اسی سورت میں تھوڑا آگے حکم ربانی ہے:

فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط

ترجمہ: ''پس تم میں سے جس نے یہ مہینہ (یعنی رمضان المبارک) پایا تو وہ اس میں روزے رکھے۔''

روزے کی اہمیت اور مقام

حصول تقویٰ:

روزے کی اہمیت کے بارے میں قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر اس کا ذکر آیا ہے۔ سورہ البقرہ آیت 183 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم پر روزہ اس طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے دوسرے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔''

اس آیت کریمہ سے جہاں روزے کی فرضیت ثابت ہے وہاں اس فرض کی حکمت بھی بیان کی گئی ہے یعنی حصول تقویٰ۔

امت محمدی ﷺ پر روزے کی فرضیت:

امت محمدی ﷺ پر روزہ ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوا۔ سورہ البقرہ آیت 185 میں ارشاد ربانی ہے:

فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ

ترجمہ: ''جو تم میں سے یہ مہینہ پائے تو اسے چاہیے کہ وہ روزے رکھے۔''

حدیث شریف میں آتا ہے: رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور شوال کا چاند دیکھ کر تمام کرو۔ اس لیے روزہ ہر تندرست مسلمان، عاقل، بالغ، مقیم مرد و عورت امیر و غریب پر فرض ہے۔

روزے کی فرضیت کی شرائط:

روزے کی اہمیت کے بارے میں قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر اس کا ذکر آیا ہے۔ سورہ البقرہ آیت 183 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

www.CSSExamPoint.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ O

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم پر روزہ اس طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے دوسرے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔''

اس آیت کریمہ سے جہاں روزے کی فرضیت ثابت ہے وہاں اس فرض کی حکمت بھی بیان کی گئی ہے یعنی حصول تقویٰ۔

روزے کی فرضیت کی تین شرائط ہیں:

1- اسلام 2- بلوغ 3- درستی ہوش وحواس

نابالغ اور مجنون پر روزے فرض نہیں اور فرضیت ادا کی دو شرطیں ہیں تندرستی اور افاقہ۔

بیمار کو حالت بیماری میں اور مسافر کو حالت سفر میں افطار کر لینا جائز ہے مگر پھر قضا دینا ہے اس ضمن میں اللہ تعالیٰ سورہ البقرہ کی آیت 184 میں فرماتے ہیں:

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ط فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ط

ترجمہ: ''گنتی کے دن ہیں تو تم میں جو کوئی بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی آسانی کے لیے یہ فرمایا کہ جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں انہیں چاہیے کہ وہ اس کے بدلے میں کسی مسکین کو کھانا کھلائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا۔''

اس کے ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ روزے رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔ اسی سورہ کی آیت 185 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے۔''

قرآن پاک کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں روزے کی اہمیت کو واضح کیا جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کیے اور میں نے تمہارے لیے نماز تراویح تجویز کی پس جو لوگ روزے رکھیں گے اور تراویح پڑھیں گے ایمان اور احتساب کے ساتھ تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہوں گے جیسے اس دن جبکہ وہ پیدا ہوئے تھے، گناہوں سے پاک تھے۔''

ترمذی اور ابوداؤد کی حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''جو شخص رمضان کا ایک روزہ بھی بلا عذر شرعی (سفر اور مرض) میں چھوڑ دے پھر مدت عمر روزے رکھے تو اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔''

www.CSSExamPoint.com

روزے کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الصَّوْمُ لِیْ: روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ روزہ کی جزا اللہ تعالیٰ خود ہی دیں گے۔

مذکورہ بالا احادیث اور آیات پر غور کرنے سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ فرضیت صیام کے مقاصد ہیں۔

ضبط نفس اور اخلاقی تربیت:

روزہ ایک ایسی عبادت ہے کہ جس سے ایسی خواہشات پر قابو پانے کی تربیت حاصل ہوتی ہے جو روزے کی ممنوعات میں سے ہیں یعنی کھانا پینا اور جنسی فعل سے مکمل طور پر اجتناب۔ یہ دو ایسی خواہشات ہیں کہ عام حالات میں ان پر قابو پانا مشکل ہوتا ہے لیکن ماہ رمضان میں جو شخص روزہ رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تکمیل کے لیے ان خواہشات کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتا ہے اس کے ساتھ ساتھ انسان ایسی بری، لغو، مکروہ اور بے ہودہ باتوں سے بھی احتراز کرتا ہے جسے معمول کے مطابق کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ چونکہ روزہ انسانی ذات تک محدود ہوتا ہے اس لیے ان اقدامات کی تکمیل کے لیے اس میں خوف خدا اور خود ضبطی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور یہی ضبط نفس ہے اور یہی تقویٰ ہے جو انسان کو ہر قسم کی برائی سے محفوظ رکھتا ہے۔ اسی لیے حدیث میں روزے کو ڈھال سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ روزے کا اصل مقصد ہی انسان کی خواہشات کو احکام الٰہی کے تابع کر کے اسے متقی بنانا ہے۔ جو شخص ہر سال ایک مہینہ تک اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر لیتا ہے اسے ضبط نفس کی ایسی قوت حاصل ہو جاتی ہے کہ جس سے وہ شیطان کی ہر ترغیب کا آسانی سے مقابلہ کر سکتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''جس نے اپنے نفس کو پاکیزہ کر لیا اس نے فلاح پائی اور جس نے ایسا نہ کیا اس نے اپنے آپ کو تباہ کیا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ شریف اور معزز اور سعادت مند انسان وہی ہے جو اپنے نفس پر قابو حاصل کرے اور اسے پاکیزہ بنائے۔

روزے کا حکم دینے کا بھی یہی فلسفہ ہے کہ نفس کی قوت کو توڑنے کے لیے اور اپنی تمام قوتوں کو اعتدال میں لانے کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی دخل نہیں۔

رخصتیں:

۱۔ اگر کوئی شخص بیمار ہو اور اس میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو، یا روزہ رکھنے سے اس کے مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو اسے رخصت ہے کہ روزہ نہ رکھے اور رمضان کے بعد مناسب وقت پر قضا کرے۔

۲۔ سفر میں روزہ رکھنے کی رخصت ہے بشرطیکہ سفر کم از کم تین منزل یعنی ۴۸ میل کی مسافت کا ہو اور منزل پر پندرہ دن سے زیادہ قیام کا ارادہ نہ ہو۔ سفر میں جتنے روزے رہ جائیں گے بعد میں ان کی قضا کرے۔

۳۔ عمر رسیدہ اور کمزور آدمی چاہے تو روزہ نہ رکھے۔ اس کی جگہ فدیہ ادا کرے۔ فدیہ یہ ہے کہ ہر روزہ کے بدلے میں ایک مسکین کو دو وقت کا کھانا کھلائے یا کھانے کے برابر جنس دے دے۔

۴۔ بچے کو دودھ پلانے والی ماں کی رخصت ہے کہ رمضان کے روزے نہ رکھے تاکہ بچے کے لیے دودھ میں کمی واقع نہ ہو۔ رمضان کے بعد ان روزوں کو قضا کرے۔

www.CSSExamPoint.com

نماز کی طرح روزہ بھی زمانہ قدیم سے انبیا کی شریعتوں کا لازمی جزو رہا ہے۔ نماز روزمرہ کا عمومی نظام تربیت ہے اور روزہ سال بھر میں ایک ماہ غیر معمولی نظام تربیت ہے جو آدمی کو تقریباً ۷۲۰ گھنٹے تک اپنے مضبوط ڈسپلن کے شکنجے میں کسے رکھتا ہے تاکہ روزانہ کی تربیت سے جو خرابیاں رہ گئی ہوں وہ دور ہو جائیں۔

روزے کا قانون یہ ہے کہ آخر شب طلوع سحر کی پہلی علامات ظاہر ہوتے ہی آدمی پر یکایک کھانا پینا اور مباشرت کرنا حرام ہو جاتا ہے اور غروب آفتاب تک پورے دن حرام رہتا ہے۔ شام آتے ہی حرمت کا بندا چانک ٹوٹ جاتا ہے، جو چیزیں ایک لمحہ پہلے تک حرام تھیں اب حلال ہو جاتی ہیں تا آنکہ دوسرے روز کی مقررہ ساعت آجاتی ہے۔ ماہ رمضان کی پہلی تاریخ سے یہ عمل شروع ہوتا ہے اور ایک مہینہ تک مسلسل اس کی تکرار جاری رہتی ہے، گویا پورے تیس دن انسان ایک شدید ترین ڈسپلن کے تحت رہتا ہے۔

روزہ کے مقاصد

۱۔ احساس بندگی:

اس نظام تربیت پر غور کرنے سے جو بات پہلی نظر میں واضح ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام اس طریقے سے انسان کے شعور میں اللہ کی حاکمیت کے اقرار و اعتراف کو مستحکم کرنا چاہتا ہے اور اس شعور کو اتنا مستحکم بنا دیتا ہے کہ احکام الٰہی کے روبرو انسان اپنی آزادی اور خود مختاری سے دست بردار ہو جائے۔ خدا کا وجود محض ایک مابعد الطبیعی عقیدہ نہ رہے بلکہ عملی زندگی میں محسوس و کارفرما ہو جائے۔ کفر اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان خدا کے مقابلے میں اپنے آپ کو خود مختار محسوس کرے اور اس کے مقابلے میں اسلام یہ ہے کہ انسان ہر آن اپنے آپ کو خدا کا بندہ اور محکوم محسوس کرے اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا نماز کا مقصد اس شعور بندگی کی یاد دہانی ہے، اسی طرح رمضان کے روزے سال میں ایک مرتبہ پورے ۷۲۰ گھنٹے پیہم اس شعور کو ذہن پر طاری رکھتے ہیں تاکہ سارے سال انسان کے ذہن پر اس کے اثرات قائم رہیں۔

۲۔ اطاعت امر:

احساس بندگی کے ساتھ ساتھ جو چیز لازمی پیدا ہوگی وہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو جس خدا کا بندہ سمجھ رہا ہے اس کی اطاعت کرے۔ ان دونوں میں فطری طور پر ایسا ربط ہے کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ آپ جس کی خداوندی کا اعتراف کریں گے لازماً اطاعت بھی اسی کی کریں گے۔ اور احساس بندگی جس درجہ شدید ہوگا اطاعت امر بھی اتنی ہی شدت سے ہوگی۔ چنانچہ روزے کا مقصد احساس بندگی کی یاد دہانی کے ساتھ ساتھ اطاعت امر کی تربیت دینا بھی ہے۔ روزہ انسان کو مہینہ مہینہ بھر کئی کئی گھنٹے اس حالت میں رکھتا ہے کہ اس کو اپنی ابتدائی ضروریات پوری کرنے کے لیے بھی خداوند عالم سے اذان و اجازت کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اپنی خواہش ہو یا دوسروں کی، انسان بلا اذان خداوندی روزہ نہیں چھوڑ سکتا؛ اس طرح اس کی اطاعتیں ہر طرف سے سمٹ کر ایک مرکزی اقتدار کی طرف پھر جاتی ہیں۔

روزے میں اگرچہ بظاہر صرف دو خواہشات (غذا اور صنفی خواہش) پر پابندی لگائی گئی ہے لیکن اس کی اصل روح یہ ہے کہ انسان پر بندگی کا احساس پوری طرح طاری رہے۔ اس کے بغیر اگر انسان محض بھوکا پیاسا رہ لے تو یہ روزہ لاش کی طرح بے روح ہوگا۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''جس نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو خدا کو کوئی حاجت نہیں کہ وہ شخص اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔'' اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ ''کتنے ہی روزہ دار ہیں کہ روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا انہیں کچھ حاصل نہیں ہوتا۔'' ان دونوں احادیث میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ روزے کا مقصد بھوکا پیاسا رہنا نہیں بلکہ تقویٰ اور طہارت ہے۔

www.CSSExamPoint.com

۳۔ تعمیر سیرت:

روزے کا تیسرا مقصد انسان کی سیرت کی تعمیر ہے۔ اس سیرت کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ تقویٰ سے مراد کوئی خاص شکل وصورت اختیار کرنا نہیں ہے بلکہ قرآن اس کو بڑے وسیع مضمون میں استعمال کرتا ہے وہ پوری انسانی زندگی کے ایسے رویے کو تقویٰ کے نام سے تعبیر کرتا ہے جس کی بنیاد احساس بندگی اور ذمہ داری پر ہو (اس کے مخالف رویے کا نام قرآن کی رو سے فجور ہے)۔ دنیا کے فساد کا سب فجور ہے۔ اور دیگر عبادات کی طرح روزے کا مقصد بھی یہ ہے کہ انسان میں فجور کے رجحانات ختم کیے جائیں اور تقویٰ کو نشو ونما دیا جائے۔ اب دیکھیے کہ روزہ کس طریقے سے اس کام کے سرانجام دینے میں مدد دیتا ہے۔

ایک شخص سے کہا جاتا ہے کہ خدا نے تم پر پابندی لگائی ہے کہ صبح سے شام تک کچھ نہ کھاؤ۔ نہ صرف جلوت میں بلکہ خلوت میں بھی اکل وشرب سے پرہیز کرو۔ اب ایسی صورت میں اگر کوئی شخص روزے کی تمام شرائط پوری کرتا ہے تو غور کیجئے کہ اس کے نفس میں کس قسم کی کیفیات ابھرتی ہیں۔

اول، تو یہ کہ اسے خدا کے عالم الغیب ہونے کا پورا یقین ہے اور یہی یقین ہے جو اسے تنہائی میں بھی روزے کی حدود کا پابند رکھتا ہے۔

دوم، اس کو آخرت اور حساب وکتاب پر پورا ایمان ہے اس لیے کہ اس کے بغیر کوئی شخص ۱۲، ۱۴ گھنٹے بھوکا نہیں رہ سکتا ہے۔

سوم، اس کے اندر اپنے فرض کا احساس ہے، بغیر اس کے کہ کوئی شخص اس پر کھانے پینے کی پابندی لگائے اس نے خود سے اپنے اوپر یہ پابندی عائد کر لی۔

چہارم، مادیت اور روحانیت کے انتخاب میں اس نے روحانیت کو منتخب کر لیا اور دنیا اور آخرت کے درمیان ترجیح کا سوال جب اس کے سامنے آیا تو اس نے آخرت کو ترجیح دی۔ اس کے اندر اتنی طاقت تھی کہ اخلاقی فائدے کی خاطر مادی نقصان برداشت کر لیا۔

پنجم، وہ اپنے آپ کو اس معاملے میں آزاد نہیں سمجھتا کہ سہولت دیکھ کر مناسب موسم میں روزے رکھ لے بلکہ جو بھی وقت مقرر کیا گیا ہے، اس نے اس کی پابندی کی ہے۔

ششم، اس میں صبر واستقامت، تحمل، یکسوئی اور دنیوی تحریصات کے مقابلے کی طاقت کم از کم اتنی ہے کہ رضائے الٰہی کے بلند نصب العین کی خاطر وہ ایک ایسا کام کرتا ہے جس کا نتیجہ مرنے کے بعد دوسری زندگی کو ملتوی کر دیا گیا ہے۔

یہ کیفیات، جو روزہ رکھنے کے ساتھ انسان کی زندگی مین ابھرتی ہیں، روزوں میں عملاً ایک طاقت بن جاتی ہیں اور ہر سال ایک ماہ روزہ رکھتے رکھتے یہ انسان کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہیں۔

۴۔ ضبط نفس:

اس تربیت کے ضابطے میں پابندی کے لیے دو خواہشوں کو خاص طور پر منتخب کیا گیا ہے۔ یعنی بھوک اور جنسی خواہش۔ اور ان کے ساتھ تیسری خواہش آرام کرنے کی خواہش بھی زد میں آجاتی ہے اس لیے کہ تراویح پڑھنے اور سحری کے لیے اٹھنے سے اس پر بھی کافی ضرب پڑتی ہے۔

بقائے نفس کے لیے غذا اور آرام اور بقائے نسل کے لیے توالد وتناسل حیوانی زندگی کے مطالبات میں اصل بنیاد کا حکم رکھتے ہیں۔ انسان کے حیوانی جسم کے اہم ترین مطالبات ہی ہیں اور چونکہ وہ ذرا اونچے قسم کا حیوان ہے لہٰذا وہ صرف غذا ہی نہیں مانگتا بلکہ اونچی قسم کی اور نت نئی غذائیں تلاش کرتا ہے۔ یہی حال دیگر خواہشات کا ہے کہ ان میں بھی انسان کا مطالبہ محض جسمانی تسکین نہیں رہ جاتا، ہزاروں نزاکتیں اور باریکیاں نکل آتی ہیں۔ اب اگر انسان کا مطمع نظر یہ بن جائے کہ کسی طرح ان خواہشات کی تسکین کرتا رہے تو یہ خواہشات نفس انسانی پر سوار ہو جاتی ہیں۔ اس کے برخلاف اگر انسان ارادے کی باگیں مضبوطی سے تھامے رہے تو ان خواہشات کو اپنے پیچھے اور مرضی کے مطابق چلا سکتا ہے۔ روزے کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد انسان کو اس کے حیوانی جسم پر اقتدار بخشنا ہے۔ مذکورہ بالا تین خواہشات، جو انسان کی تمام حیوانی خواہشات میں سب سے زیادہ اہم ہیں، روزہ

www.CSSExamPoint.com

ان تینوں کو گرفت میں لے لیتا ہے اور ان کے منہ میں مضبوط لگام دے کر ہمیں ہمارے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ تین دن کی مسلسل مشق کا مقصد یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ ہمارا نفس ہم پر غلبہ حاصل کرلے ہم اپنے خادم پر پورا اقتدار حاصل کرلیں، جس خواہش کو چاہیں روک دیں اور اپنی خواہشات کا مقابلہ کرنے کی کبھی عادت نہ رہی ہو اور جو نفس کے ہر مطالبے پر بے چون وچرا سر جھکا دینے کا خوگر رہا ہو اور جس کے لیے حیوانی جبلت کا داعیہ ایک فرمان واجب الاذعان کا حکم رکھتا ہو، دنیا میں کوئی بڑا کام نہیں کرسکتا۔

یہاں روزے اور غیر اسلامی نفس کشی کی مشقوں کا اصولی فرق ذہن میں رکھنا چاہیے اس لیے کہ یہ دوسری قسم کا اقتدار تو دراصل ایسی جاہل، مطلق العنان خودی کا استبداد ہے جو اپنے سے بالاتر کسی حاکم کی مطیع اور کسی ضابطہ وقانون کی پابند نہیں ہے۔ اس اقتدار کے لیے انسان خود اپنی فطرت سے لڑتا ہے اور جسم اور نفس سے ان کے جائز حقوق چھینتا ہے۔ اس کے برخلاف اسلامی روزہ جس خودی کو نفس اور جسم پر اقتدار دیتا ہے وہ مطلق العنان خودی نہیں بلکہ خدا اور اس کے قانون کی اطاعت کرنے والی خودی ہے۔ ایسی خودی جو خدا کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت، علم اور کتاب منیر کی رہنمائی میں چلنے والی ہے، وہ خدا کے دیے ہوئے نفس وجسم کو اپنی ملکیت نہیں سمجھتی بلکہ اسے خدا کی امانت مان کر اس پر خدا کی منشا کے مطابق حکومت کرتی ہے۔ ایسی خودی کا حامل اپنے جسم پر ظلم نہیں کرتا بلکہ اس کو تمام جائز راحتیں بہم پہنچاتا ہے لیکن وہ اسے اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ حدود اللہ کو توڑ ڈالے۔

احکام رمضان
فرمودات رسول ﷺ کی روشنی میں

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''تم روزہ نہ رکھو جب تک رمضان کا چاند نہ دیکھ لو اور روزے موقوف نہ کرو جب تک شوال کا چاند نہ دیکھ لو پس اگر چاند بادلوں میں چھپا ہو تو (تیس) روزوں کی گنتی پوری کرلو۔

☆ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حمزہ بن عمرو اسلمی نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! میں روزے رکھا کرتا ہوں تو کیا سفر میں بھی روزہ رکھوں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرا جی چاہے تو روزہ رکھ نہ چاہے تو نہ رکھ۔''

☆ ایک سفر کے موقع پر ایک شخص بدحال ہو کر گر گیا اور اس کے گرد لوگ جمع ہو گئے۔ نبی ﷺ نے یہ حال دیکھ کر دریافت فرمایا: ''کیا معاملہ ہے؟'' عرض کیا گیا یہ روزے سے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ نیکی ہرگز نہیں۔'' یعنی مسافر کے لیے ضروری نہیں کہ وہ روزہ رکھے اور خواہ مخواہ تکلیف اٹھائے۔

☆ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دشمن سے مقابلہ درپیش ہے اس لیے روزہ چھوڑ دو تا کہ تمہیں لڑنے کی قوت حاصل ہو۔''

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''روزہ ڈھال ہے پس جب تم میں سے کوئی روزہ دار ہو تو اسے چاہیے کہ بیہودہ نہ بکے اور جہالت کا رویہ اختیار نہ کرے۔ اگر کوئی شخص اسے گالی بکے یا لڑے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔''

☆ نبی اکرم ﷺ سورج ڈوبتے ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آواز دیتے تھے کہ لاؤ ہمارا شربت۔ بلال رضی اللہ عنہ عرض کرتے: ''یارسول اللہ ﷺ! ابھی تو دن چمک رہا ہے۔'' آپ ﷺ فرماتے: ''جب رات کی سیاہی مشرق سے اٹھنے لگے تو روزے کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔''

☆ حضرت عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے روزے کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب سفید اور کالے دھاگے میں امتیاز پیدا ہو جائے تب سے روزہ شروع کرو۔ میں نے دو سفید اور کالے دھاگے بنائے

www.CSSExamPoint.com

اور انہیں دیکھ کر روزہ شروع کرنے لگا۔ رسول کریم ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اس سے مراد رات اور دن میں تمیز پیدا ہوتا ہے۔"

نماز تراویح:

رمضان المبارک میں مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے نماز تراویح ادا کرنا سنت موکدہ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے یہ نماز پڑھی ہے تراویح کی جماعت کرنا سنت کفایہ ہے۔

تراویح کی تعداد آٹھ یا بیس رکعتیں ہیں دو دو رکعت کی نیت کے ساتھ ہر چہار رکعت کے بعد تھوڑی دیر بیٹھنا مستحب ہے۔ اس کو ترویحہ کہتے ہیں۔ اس تسبیح کا پڑھنا افضل ہے۔ تسبیح کے الفاظ یہ ہیں:

سبحان ذی الملک والملکوت سبحان ذی العزة وَالْعَظَمَة والهيبة والقدرة ط والكبرياء والجبروت ط سبحان الملک الحی الذی لاینام ولایموت ط سبوح قدوس ربنا ورب الملئکة والروح اللهم اجرنا من النار یا مجیر یا مجیر یا مجیر.

تراویح کا وقت عشاء کے بعد سے لے کر فجر تک ہے۔ نماز تراویح بلا عذر بیٹھ کر پڑھنی مکروہ ہے۔

اعتکاف:

شرعی اصطلاح میں اعتکاف کے معنی ہیں کہ انسان کا مسجد یا گھر کے کسی معین گوشہ میں بحالت روزہ عبادت کی نیت سے جم کر بیٹھ جانا اور سوائے طبعی حاجات کے وقت مقررہ تک اس گوشہ سے نہ نکلنا یہ اعتکاف مسنون ہے کیونکہ حضور ﷺ ہمیشہ کیا کرتے تھے۔ اعتکاف کے متعلق مختصر طور پر اتنا جان لینا چاہیے کہ معتکف گویا سب سے کٹ کر حق تعالیٰ سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ دنیاوی امور و مشاغل سے کنارہ کش ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لیتا ہے اور خود کو عبادت الٰہی کے لیے وقف کر دینا گویا دنیا کے سامنے رجوع الی اللہ کا ایک کامل نمونہ ہوتا ہے۔

اعتکاف رمضان المبارک کے آخری عشرے میں کیا جاتا ہے۔

روزے کے اخلاقی، روحانی اور سماجی اثرات

روزے کے اخلاقی و روحانی اثرات

۱۔ تقویٰ پیدا ہوتا ہے:

خود باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ روزے اس لیے فرض کیے گئے ہیں تا کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔ روزے میں انسان ممنوع اور حرام چیزیں تو کجا بعض حلال چیزوں سے بھی پرہیز کرتا ہے۔ رمضان المبارک میں یہ ٹریننگ اسے بعد میں بھی برائیوں سے اجتناب کرنا سکھاتی ہے۔

۲۔ ضبط نفس:

روزے سے انسان کے اندر ضبط نفس کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ روزہ ضبط نفس کی تربیت ہے اور ضبط نفس کا ملکہ تعلقات اور دنیوی امور میں کامیابی کا ضامن ہے۔

www.CSSExamPoint.com

۳۔ اخلاص:

روزے سے انسان کے اندر اخلاص پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی عبادت ہے جو محض بندے اور خدا کو ہی معلوم ہوتی ہے۔ انسان تنہائی میں بھی ممنوعہ چیزوں سے پرہیز کرتا ہے، صرف اللہ کے لیے۔ روزے میں دکھاوا، ریاکاری اور کوئی دنیوی مفاد و منفعت مقصود ہی نہیں ہوتے۔

۴۔ دوسروں کی محرومیوں کا احساس:

روزے میں انسان بھوک پیاس برداشت کرتا ہے تو اسے دوسرے غریب بھائیوں کی محرومیوں کا بھی احساس ہوتا ہے۔ اس سے اس کے اندر غریبوں سے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

۵۔ طبی فائدے:

روزے سے پیٹ کی کئی بیماریوں سے نجات ملتی ہے۔ پیٹ کی کئی بیماریاں بسیار خوری کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ موٹاپا جو کئی بیماریوں کا موجب ہے روزہ رکھنے سے کم ہوتا ہے اور بھی کئی طبی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

۶۔ قبول دعا:

روزہ دار سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے، اس لیے روزہ دار کی دعا قبول ہوتی ہے۔ ارشاد نبوی ہے کہ افطار کے وقت روزہ دار کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

۷۔ اجر عظیم:

روزہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے اس لیے اس کا اجر بھی عظیم ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ انہ لی و انا اجزی بہ.

۸۔ رمضان المبارک کی فضیلت:

رمضان کے مبارک مہینے میں قرآن حکیم اتارا گیا۔ اسی مہینے میں ایک رات ہے جسے لیلۃ القدر کہتے ہیں جس میں عبادت ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔

۹۔ شکر:

شکر دو قسم کا ہوتا ہے قولاً اور عملاً۔ روزہ عملی شکر کی بہترین مثال ہے دن بھر بھوک پیاس سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انسان خلوص دل سے اعتراف کرتا ہے اور اس کے دل میں شکر الٰہی بجالانے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

۱۰۔ رُشد:

کیونکہ ماہ مبارک میں انسان ہر برائی سے بچنے کی کوشش کرنے کے ساتھ ساتھ دل لگا کر عبادت الٰہی انجام دیتا ہے اس لیے اس کا ایمان پختہ تر ہوتا ہے گویا روزہ انسان کی رشد و ہدایت کا سبب بھی بنتا ہے۔

۱۱۔ بھوک پیاس کا احساس:

یہ ایک ایسا جذبہ ہے کہ جس سے دوسرے کے احساسات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے غریبوں اور ناداروں کے لیے دل میں ہمدردی کے جذبات مزید پیدا ہوتے ہیں۔

www.CSSExamPoint.com

۱۲۔ حوصلہ مند قوم کی تشکیل:

روزے نے مسلمان قوم کو ایک حوصلہ مند مشقت پسند قوم بنا دیا ہے روزے نے مسلمانوں کے اندر مشکلات اور مصائب کا مقابلہ کرنے کی طاقت پیدا کی ہے اور انہیں بتایا ہے کہ وہ بھوکے اور پیاسے رہ کر اس کارگاہ حیات میں کس طرح آگے بڑھ سکتے ہیں۔

۱۳۔ تعمیر سیرت:

دنیا میں عبادت اور ریاضت کی بے شمار صورتیں ہیں جو دنیا کے مختلف مذاہب نے پیش کی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ روزہ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ریاضت نہیں۔ روزہ انسان کی سیرت کی تعمیر کرتا ہے اطاعت الٰہی اور بندگی کا بہترین ذریعہ ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ روزہ ہی تھا جس نے کہ مسلمانوں کو ناقابل تسخیر قوم بنا دیا اور اس قوم نے دنیا کی تاریخ اور دنیا کا نقشہ ہی بدل ڈالا۔

روزے کے سماجی اثرات

اگرچہ روزہ انفرادی فعل ہے لیکن نماز کے باجماعت ہونے کی وجہ سے جس طرح نماز اجتماعی فعل بن جاتی ہے اسی طرح روزہ رکھنے کے لیے ایک خاص مہینے کے تقرر نے اس فعل کو ایک اجتماعی عمل بنا دیا ہے۔ اس حکیمانہ تدبیر سے روزے کے اخلاقی و روحانی منافع میں جو اضافہ ہوا ہے اس کی طرف یہاں چند مختصر اشارات کیے جاتے ہیں:

جماعتی احساس:

اجتماعی عمل کا ایک دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے لوگوں میں فطری اور اصلی وحدت پیدا ہوتی ہے۔ نسل یا زبان کا اشتراک فطری قومیت پیدا نہیں کرتی۔ آدمی کا دل صرف اسی سے ملتا ہے جو خیالات اور عمل میں اس سے ملتا ہے۔ یہی وہ اصلی رشتہ ہے جو دو آدمیوں کو ایک دوسرے سے باندھتا ہے۔ جب کوئی شخص اپنے گرد و پیش کے لوگوں کو ذہنیت اور عمل میں اپنے سے مختلف پاتا ہے تو صریح طور پر اپنے آپ کو ان کے درمیان اجنبی محسوس کرتا ہے۔ مگر جب بہت سے لوگ مل کر ایک ہی ذہنی عمل کے ساتھ ایک ہی عمل کرتے ہیں تو ان میں باہمی یگانگت، رفاقت، یک جہتی اور برادری کے گہرے تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں۔ نیکی ہو یا بدی دونوں صورتوں میں اجتماعی نفسیات اسی طرح کام کرتی ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ بدی کے راستے میں افراد کی نفسیات کا دخل رہتا ہے جس کا فطری میلان فرد فرد کو پھاڑ کر الگ کر دینے کی طرف ہے۔ اس بنا پر برادری مستحکم نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف نیکی کے راستے میں نفسیات دبتی ہے اور نیک خیالات و افعال کا اشتراک بہترین رشتۂ اخوت پیدا کر دیتا ہے۔

امداد باہمی کی روح:

اس اجتماعی عبادت کا تیسرا زبردست کام یہ ہے کہ یہ عارضی طور پر تمام لوگوں کو ایک سطح پر لے آتی ہے، اگرچہ امیر امیر ہی رہتا ہے اور غریب غریب، لیکن روزہ چند گھنٹوں کے لیے امیر پر بھی وہی کیفیت طاری کر دیتا ہے جو اس کے فاقہ کش بھائی پر گزرتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کی مصیبت حقیقی طور پر محسوس کرتا ہے۔ اور خدا کی رضا کا جذبہ اسے غریب بھائیوں کی مدد پر اکساتا ہے۔ جس قوم کے امیروں میں غریبوں کی تکلیف کا احساس اور ان کی عملی ہمدردی کا جذبہ ہو اور جہاں صرف اداروں ہی کو خیرات نہ دی جاتی ہو بلکہ فرداً فرداً بھی حاجت مندوں کو تلاش کر کے مدد پہنچائی جاتی ہو، وہاں نہ صرف یہ کہ قوم کے کمزور حصے تباہ ہونے سے بچ جاتے ہیں اور اجتماعی فلاح برقرار رہتی ہے بلکہ غربت اور امارت میں حسد و نفرت کے بجائے محبت اور شکر گزاری کے تعلقات استوار ہوتے ہیں اور وہ طبقاتی کشمکش کبھی رونما نہیں ہو سکتی جو ان قوموں میں برپا ہوتی ہے جن کے مالدار لوگ جانتے ہی نہیں کہ فقر و فاقہ کیا چیز ہوتی ہے اور جو قحط کے زمانے میں تعجب سے پوچھتے ہیں کہ لوگ بھوکے کیوں مر رہے ہیں — انہیں روٹی نہیں ملتی تو وہ کیک کیوں نہیں کھاتے؟

www.CSSExamPoint.com

نامور یورپی مفکر پروفیسر آرنلڈ کی رائے:

روزہ مسلمانوں کی عبادت ہی نہیں ہے بلکہ روزہ میں وہ بے پناہ قوت ہے جس نے مسلمانوں کو ناقابل تسخیر قوم بنا دیا ہے۔ پیغمبر اسلام نے ایک مہینے کے مسلسل روزے رکھوا کر مسلمان قوم کو فاقہ کشی اور نفس کشی کا عادی بنا دیا ہے ان میں تحمل اور برداشت کی بے پناہ قوت پیدا کر دی ہے اور انہیں اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت اور تکلیف کو بھی نظر میں نہ لا سکیں۔ تحمل برداشت اور نفس کشی کی اس تعلیم کے بعد جب یہ قوم آگے بڑھی تو دنیا پر سیلاب کی طرح چھاتی چلی گئی اور ایسا ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ جو قوم مشکل پسند بن جاتی ہے اس کا مقابلہ کوئی بھی نہیں کر سکتا۔

قرآن حکیم کے انگریزی مترجم محمد مارماڈیوک پکتھال:

دنیا میں صرف انہی قوموں نے ترقی کی ہے جو مشکل پسند ہیں دنیاوی مشکلات کو نظر میں نہیں لاتیں۔ جو بسیار خوری، آرام طلبی اور نفس پرستی کو گناہ سمجھتی ہیں اور یہ تمام صفات ایک قوم میں روزے ہی کے ذریعے آسانی سے پیدا ہو سکتی ہیں۔ روزے میں صرف کھانے پینے اور دیگر نفسانی خواہشات ہی سے اجتناب نہیں کیا جاتا بلکہ ہر برائی سے اپنے آپ کو بچایا جاتا ہے یہاں تک کہ روزہ دار کو اس بات کی بھی اجازت نہیں کہ وہ کوئی برا خیال اپنے ذہن میں پیدا کر سکے۔ گویا روزہ جہاں انسان میں غیر معمولی تحمل اور مشکلات کی طاقت پیدا کر دیتا ہے وہیں مسلسل تیس دن تک تمام اخلاقی برائیوں سے کنارہ کش ہونے کے لیے ریاض کرنا بھی سکھاتا ہے جس کا یقینی طور پر روزہ داروں کے اوپر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔

حج (Hajj)

لغوی اعتبار سے اس کا مطلب ہے قصد و ارادہ کرنا لیکن شرعی اصطلاح میں اس سے مراد خانہ خدا کی زیارت اور مناسک حج کی ادائیگی ہے۔ یہ مکہ مکرمہ میں ماہ ذوالحجہ میں ہوتا ہے۔

حج دین اسلام کا اہم رکن اور اہم مالی عبادت ہے۔ ہر عاقل، بالغ اور صاحب استطاعت مسلمان مرد اور عورت کو عمر بھر میں ایک مرتبہ حج کرنا فرض ہے۔

اس ضمن میں اللہ تعالیٰ سورہ آل عمران آیت 97 میں فرماتے ہیں:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ.

ترجمہ: ”لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے گا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔“

اس آیت مبارکہ سے حج کی فرضیت کے ساتھ اس فریضہ کی اہمیت کا احساس بھی ہو جاتا ہے۔

یہ صحیح روایت ابوداؤد، دارمی، احمد اور حاکم نے نقل کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ”جس کا ارادہ حج کرنے کا ہو اسے چاہیے کہ وہ جلدی کرے۔“

حج کی اس درجہ اہمیت و فرضیت کے باوجود بہت سے لوگ ہیں جو حج کرنے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی اس فریضہ کی ادائیگی سے غافل رہتے ہیں یا اس کی ادائیگی کو مختلف حیلوں بہانوں سے ٹالتے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ حج کیے بغیر ہی فوت ہو جاتے ہیں۔

www.CSSExamPoint.com

صحیح بخاری میں ہے:

''جو شخص زادراہ اور سواری رکھتا ہو جس سے بیت اللہ تک پہنچ سکے اور پھر بھی حج نہ کرے تو اس کا اس حالت میں مرنا یہودی یا عیسائی ہو کر مرنا برابر ہے۔''

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جو شخص اتنا سرمایہ رکھتا ہے اور وہ ہوائی سفر یا بحری سفر کے ذریعے حج ادا کرنے کے لیے نہیں جاتا وہ مسلمان ہو کر نہیں بلکہ عیسائی یا یہودی ہو کر مرے گا۔

کعبے کی اہمیت:

کعبے کی تعمیر آج سے تقریباً ساڑھے چار ہزار برس پہلے حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ اس کی تعمیر کا حکم اور جگہ کا تعین دونوں خدا کی طرف سے تھے۔ یہ دنیا میں پہلا گھر ہے جو خدا کی عبادت کے مرکز کی حیثیت سے بنایا گیا۔ اس گھر کی اہمیت سے متعلق قرآن میں آیا ہے کہ

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ط وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيمَ مُصَلًّى ط

ترجمہ: ''اور جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے مرجع اور امن کی جگہ بنایا اور حکم دیا کہ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو۔'' (البقرہ۔۱۲۵)

جس وقت اس گھر کی تعمیر شروع ہوئی اس وقت اس کے معماروں نے خدا کے حضور میں دعا کی تھی کہ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ج رَبَّنَا و اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ج اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ O

ترجمہ: ''خدایا، ہمارے عمل کو قبول فرما، یقیناً تو سب کچھ سنتا اور جانتا ہے، مالک، ہمیں اپنا سچا فرماں بردار بنا دے اور ہماری اولاد میں سے ایک ایسا گروہ پیدا کر دے جو تیرا فرماں بردار ہو اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتلا اور ہم پر کرم کی نظر رکھ، بیشک تو نظر کرم فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔'' (البقرۃ۔۲۲۷۔۲۲۸)

اس دعا سے معلوم ہوا کہ جس مقصد کی خاطر اس عمارت کی تعمیر عمل میں آئی ہے اس کی تکمیل ایک ایسے گروہ کے ذریعے سے ہوگی جو انہیں بزرگوں کی یا دوسرے الفاظ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوگا۔ چنانچہ جب کعبے کی تعمیر مکمل ہوگئی تو حضرت اسماعیل علیہ السلام یہیں بس گئے۔ انہیں کی اولاد میں سے حضور اکرم ﷺ ہیں جن کے ہاتھوں حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی دعا پوری ہوئی۔ کعبے کی اسی اہمیت کے پیش نظر سے مسلمانوں کا قبلہ، یعنی مرکز قرار دیا گیا کہ تمام مسلمان اس طرف رخ کر کے نماز پڑھا کریں۔

لبیک اللھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک، ان الحمد و النعمة لک و الملک، لاشریک لک.

ترجمہ: ''حاضر ہوں، میرے اللہ، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاجر ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ حمد تیری ہی ہے، نعمتیں تیری ہی ہیں اور بادشاہی تیری ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں۔''

www.CSSExamPoint.com

حج کی اہمیت:

حج کے ابتدائی مضمون میں سورہ آل عمران کی آیت اور احادیث نبوی ﷺ کے حوالے سے پتہ چلتا ہے کہ حج کی اہمیت کس قدر زیادہ ہے۔ اگر کوئی شخص زاد راہ اور سواری رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتا تو وہ مسلمان ہو کر نہیں مرتا۔

حج ہی ایک ایسی عبادت ہے جو تاریخی تسلسل کے ساتھ گزشتہ چار ہزار سال سے کی جا رہی ہے۔ قرآن حکیم کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حج کرنے کا حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیا گیا تھا انہوں نے ہی خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی۔

جیسا کہ سورہ آل عمران کی آیت 96 سے واضح ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ.

ترجمہ: ''سب سے پہلا گھر جو آدمیوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے وہی ہے جو مکہ میں ہے وہ برکت والا اور سارے جہان کے لیے ہدایت ہے۔''

حج مسلمانوں پر زندگی میں صرف ایک دفعہ واجب ہے۔ ایک سے زیادہ حج کرنا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی سعادت حاصل کرنا ہے لیکن اس کے برعکس اگر کوئی شخص استطاعت رکھے اور حج بھی نہ کرے تو اس کے لیے بڑی وعید آئی ہے۔

ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا:

''حج اور عمرہ گناہوں کو اس طرح دھو دیتے ہیں جس طرح بھٹی سونے اور چاندی کے میل اور کھوٹ کو صاف کر دیتی ہے۔''

حدیث نبوی ﷺ میں حج کرنے والوں کے لیے بڑے اجر کی بشارت دی گئی ہے مثلاً جو شخص حج کرے اور اس موقع پر نہ کوئی فحش اور بے ہودہ حرکت کرے اور نہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہو کر واپس آئے گا جیسا کہ وہ پیدائش کے وقت تھا۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ حج اور عمرہ کرنے والے لوگ اللہ کے مہمان خاص ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے جو دعا مانگیں اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے اور اس سے مغفرت مانگیں تو وہ انہیں بخش دیتا ہے۔

اندازہ لگائیے کہ اللہ تعالیٰ نے فریضہ حج ادا کرنے والے کو کس قدر عزت سے نوازا ہے اسے اپنا مہمان قرار دیا ہے کیا یہ سعادت کم ہے۔

جن لوگوں کا حج اللہ تعالیٰ قبول کر لیتے ہیں ان کے بارے میں صحیح مسلم کی حدیث میں کہا گیا ہے:

الحج المبرور لیس له جزاء الا الجنة.

ترجمہ: ''مقبول حج کا اجر جنت کے سوا کچھ نہیں۔''

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''سب سے افضل جہاد حج مبرور (مقبول) ہے۔''

آپ ﷺ کے اسی ارشاد گرامی کے پیش نظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے حج کا سامان تیار رکھو یہ بھی ایک جہاد ہے۔

حج کی جلد ادائیگی بھی بڑی ضروری ہے کیونکہ کچھ پتہ نہیں کہ کب اجل کی گھڑی آ جائے اور انسان استطاعت رکھتے ہوئے بھی اس اہم فریضہ کی ادائیگی سے محروم ہو جائے اور دل کی حسرت دل ہی میں لے کر چلتا بنے۔ اس ضمن میں حضور ﷺ نے فرمایا:

www.CSSExamPoint.com

تعجلوا الی الحج یعنی الفریضۃ فان احدکم لا یدری ما یعرض لہ

(ترغیب)

اللہ تعالیٰ نے ایسی خواتین، بوڑھوں اور کمزور افراد کو حج کی ادائیگی پر جہاد کے برابر ثواب کا عہد کیا ہے جیسا کہ نسائی کی اس حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بوڑھوں، کمزور اور عورتوں کے لیے حج اور عمرہ کرنا ثواب میں جہاد کے برابر ہے۔

خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ استطاعت رکھنے کے باوجود حج پر نہ جانے والوں کے بارے میں فرماتے تھے۔

''جو لوگ استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتے میرا جی چاہتا ہے کہ ان پر جزیہ لگا دوں وہ مسلمان نہیں ہیں۔ وہ مسلمان نہیں ہیں۔

حج کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ماضی میں لوگوں نے یہ فریضہ پا پیادہ ادا کیا۔

اقسام حج:

حج کی تین قسمیں ہیں: 1- افراد 2- قران 3- تمتع

1- افراد:

اس طریقے کو کہتے ہیں جس میں حج کا احرام باندھا جاتا ہے عازم حج اس میں عمرہ نہیں کرتا بلکہ وہ صرف حج ہی کرتا ہے احرام باندھنے سے حج کے اختتام تک عازم حج کو احرام کی شرائط کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔

2- قرآن:

یہ وہ طریقہ ہے جس میں عازم حج عمرہ اور حج کا ایک ساتھ احرام باندھتا ہے اور مکہ مکرمہ پہنچ کر پہلے عمرہ کرتا ہے جس میں وہ صرف طواف اور سعی کرتا ہے اور سر کے بال ابھی نہیں منڈائے گا بلکہ حج سے فارغ ہونے کے بعد منڈائے گا۔ تاہم اس طرح وہ حج تک احرام کی حالت میں رہتا ہے اور اسی احرام سے وہ حج کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر حج کرنے میں مہینہ یا پندرہ دن کی دیر ہو اور اس دوران احرام کا کپڑا گندہ ہو جائے میلا ہو جائے یا ناپاک ہو جائے تو احرام کو تبدیل کر سکتا ہے مگر اس پر احرام کی تمام پابندیاں حج کرنے تک برقرار رہتی ہیں۔

3- تمتع:

تمتع وہ طریقہ حج ہے جس میں دو رکعت نماز نفل پڑھ کر پہلے عمرہ کی نیت کی جاتی ہے اور مکہ مکرمہ میں عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام کی حالت سے باہر آ جائیں اور روزمرہ کے کپڑے پہن لیں اس طرح احرام کی پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں پھر حج کے ایام شروع ہونے سے پہلے یعنی 8 ذی الحجہ کو جب حج کرنے جاتے ہیں تو اس سے پہلے حج کا احرام باندھ لیتے ہیں اور بجائے عمرہ کے حج کی نیت کرتے ہیں اور حج مکمل کرنے تک احرام کی پابندیاں عائد رہتی ہیں اس میں عمرہ اور حج ایک ہی سفر میں کرنا ضروری ہے۔

ان تینوں اقسام میں سے تمتع کا طریقہ آسان ترین طریقہ ہے اکثر حجاج تمتع ہی کرتے ہیں۔

حج کی نیت:

حج کی نیت یہ ہے:

www.CSSExamPoint.com

اللھم انی ارید الحج فیسرہ لی وتقبلہ منی واعنی علیہ وبارک لی فیہ

نویت الحج واحرمت بہ للہ تعالیٰ

ترجمہ: ''اے اللہ میں حج کی نیت کرتا ہوں پس اس کو میرے لیے آسان کردے اور مجھ سے قبول کرلے اور اس میں میری مدد فرما اور اس میں میرے لیے برکت ڈال نیت کی میں نے حج کی اور احرام باندھا اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے۔''

فرائض وواجبات حج

فرائض حج:

فرائض حج تین ہیں یعنی 1- احرام باندھنا 2- وقوت عرفات اور 3- طواف زیارت

واجبات حج:

واجبات حج تعداد میں چھ ہیں یعنی:

1- مزدلفہ میں وقوف کے مقررہ وقت میں ٹھہرنا۔

2- صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا۔

3- رمی جمار یعنی شیطانوں کو کنکریاں مارنا۔

4- قارن اور تمتع کا قربانی کرنا۔

5- سر کے بال منڈوانا یا ترشوانا۔

6- آفاقی (مکہ کے باہر سے آنے والے) کو طواف وداع کرنا۔

حج کرنے کا طریقہ:

1- مال حلال وطیب کا انتظام اور مال حرام سے اجتناب کیا جائے کیونکہ حرام مال کا حج مسترد کردیا جاتا ہے اور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث کے مطابق اس گوشت وپوست کو جہنم کا ایندھن بنایا جاتا ہے جو مال حرام سے پرورش پائے۔

2- ایسے رفقاء حج کا انتخاب کیا جائے جو صحیح العقیدہ اور ایمان والے ہوں۔

3- جب حاجی میقات پر پہنچ جائے تو وہاں سے احرام باندھے اگر ہوئی جہاز میں ہو تو میقات کے قریب پہنچتے ہی احرام باندھ لے اور میقات سے ہرگز تجاوز نہ کرے۔

میقات:

مکہ مکرمہ کے باہر سے آنے والے تمام حجاج کے لیے مندرجہ ذیل میقات نبی ﷺ نے مقرر فرمائی ہیں:

1- ذوالحلیفہ 2- جحفہ 3- قران المنازل

4- ذات عرق 5- یلملم

www.CSSExamPoint.com

جو لوگ حج یا عمرہ کی نیت سے آتے ہوں ان میقات سے گزریں چاہے یہ حاجی حضرات میقات کے باہر دور یا قریب کے ہوں یا دنیا کے کسی بھی خطے سے آرہے ہوں انہیں بہر حال یہاں سے احرام باندھ کر ہی جانا چاہیے۔

احرام:

احرام باندھنے سے پہلے جسم کی صفائی وستھرائی کرنا، غسل کرنا اور خوشبو لگانا مستحب ہے میقات پہنچ کر احرام کے کپڑے زیب تن کرے اور ہوائی جہاز سے سفر کرنے والا شخص گھر ہی کپڑے پہنے اور میقات پہنچ کر تلبیہ کہہ کر حج یا عمرہ کی نیت کرے۔

مرد کا احرام:

مرد کے لیے سنت ہے کہ وہ دو صاف ستھرے کپڑوں میں احرام باندھے جو سلے ہوئے نہ ہوں اور اپنے سر کو نہ ڈھانپے بلکہ اس کو کھلا رکھے۔

عورت کا احرام:

عورت حالت احرام میں کسی بھی قسم کے کپڑے پہن سکتی ہے اس کے لیے مخصوص قسم کے کپڑے ضروری نہیں ہاں شرط یہ ہے کہ اس کا لباس کشادہ اور بے پردگی اور اظہار زیب وزینت والا نہ ہو اس کے لیے احرام کے وقت دونوں ہاتھوں میں دستانے پہننا یا نقاب کے ذریعہ چہرے کو چھپانا ممنوع ہے۔ البتہ اگر غیر محرم سامنے آجائے تو چہرہ پر کوئی کپڑا لٹکا لینا یا کسی اور چیز سے منہ چھپانا منع نہیں ہے۔

ممنوعات احرام:

احرام کی حالت میں تمام حاجیوں کے لیے حسب ذیل باتیں منع ہیں:

1- جماع اور متعلقات جماع، فحش باتیں کرنا، اسی طرح نکاح کرنا اور نکاح کرانا اور منگنی کرنا۔
2- کسی چپکنے والی چیز سے سر کو ڈھانپنا لیکن چھتری یا خیمہ گاڑی کی چھت کے ذریعہ سایہ حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔
3- سر منڈوانا یا بال کتروانا۔
4- ناخن تراشنا۔
5- خوشبو لگانا اور خوشبو سونگھنا۔
6- خشکی کے جانور کا شکار کرنا اور اس کی نشاندہی کرنا بھی۔
7- مرد کے لیے قمیص یا کوئی دوسرا سلا ہوا کپڑا ڈالنا۔
8- عورت کا چہرے اور ہاتھوں پر نقاب یا سلا ہوا کپڑا ڈالنا۔
9- مرد جوتے پہن سکتا ہے لیکن جوتے نہ ملیں تو موزے استعمال کر سکتا ہے۔

تلبیہ:

لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملک لاشریک لک.

ترجمہ: ''میں حاضر ہوں یا اللہ میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں بے شک تمام تعریفیں اور نعمتیں تیرے لیے ہیں اور تیرا کوئی شریک نہیں۔''

www.CSSExamPoint.com

حج کے لغوی معنی زیارت کا ارادہ کرنے کے ہیں۔ شریعت کی زبان میں حج کی عبادت کو حج اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں انسان کعبہ کی زیارت کا ارادہ کرتا ہے۔ حج ہر بالغ اور صاحب استطاعت مسلمان پر زندگی میں ایک بار فرض کیا گیا ہے۔ جو شخص حج کی قدرت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتا، وہ اپنے مسلمان ہونے کو جھٹلاتا ہے

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ط وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ O

ترجمہ: ''لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو بھی استطاعت رکھتا ہو اس کے گھر کا حج کرے اور جس نے کفر کی روش اختیار کی (اسے جان لینا چاہیے کہ) اللہ سارے اہل جہاں سے بے نیاز ہے۔'' (آل عمران۔۹۷)

اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ ''جس شخص کو کسی بیماری یا واقعی ضرورت یا ظالم حکمران نے روک نہ رکھا ہو اور اس کے باوجود وہ حج نہ کرے تو چاہے وہ یہودی مرے چاہے نصرانی۔''

حج کی اس اہمیت کے پیش نظر ہمیں دیکھنا چاہیے کہ آخر کعبہ کیا چیز ہے جس کی زیارت کی اتنی اہمیت ہے، اور جو مراسم حج میں ادا کیے جاتے ہیں ان کے پیچھے کون سے تصورات کام کر رہے ہیں؟

مناسک حج:

حج کی رسوم کو مناسک کہا جاتا ہے۔ اہم مناسک درج ذیل ہیں:

میقات:

مکہ معظمہ سے خاص فاصلوں پر بعض مقامات مقرر ہیں جن کو میقات کہتے ہیں۔ ان مقامات پر حج یا عمرہ کے لیے احرام باندھا جاتا ہے۔

احرام:

احرام سے مراد ایسی حالت ہے کہ جس میں محرم (احرام والے) پر چند حلال چیزیں مثلاً زیب و زینت، خوشبو، شکار اور مباشرت وغیرہ حرام ہو جاتی ہیں۔ مرد سلا ہوا لباس نہیں پہن سکتا، بلکہ ان سلی ہوئی دو چادروں سے جسم ڈھانپتا ہے۔ یہ چادریں پہننا ہی احرام کہلاتا ہے۔

تلبیہ:

احرام کے بعد کثرت سے حاجی تلبیہ کرتا ہے یعنی لبیک (اے اللہ میں تیرے بلانے پر حاضر ہوا) کہتا ہے۔

استلام:

اس کا لفظی معنی چومنا ہے۔ مراد ہے خانہ کعبہ کی ایک دیوار میں نصب حجر اسود کو چومنا۔

طواف:

لفظی معنی چکر کاٹنا۔ حاجی کعبہ کے گرد دائیں طرف سے شروع ہو کر سات پے در پے چکر لگاتے ہیں۔ اس کو طواف کہتے ہیں۔

مقام ابراہیم علیہ السلام میں نماز:

خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت جس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو گارا اور پتھر دیتے تھے اس کو مقام ابراہیم کہتے ہیں۔ حاجی اس جگہ دو رکعت نماز پڑھتے ہیں۔

www.CSSExamPoint.com

صفا و مروہ کی سعی:

خانہ کعبہ کے قریب ہی صفا و مروہ نامی دو ٹیلوں کے درمیان حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے پانی کی تلاش میں بے چینی سے دوڑی تھیں۔ ان کی یاد میں صفا و مروہ کے درمیان حاجی سعی کرتے (دوڑ لگاتے) ہیں۔

منیٰ میں پڑاؤ:

ذوالحجہ کی ۸ تاریخ کو حاجی یہاں جمع ہو کر ایک دن اور رات قیام کرتے ہیں۔ اس دن کو یوم الترویہ کہتے ہیں۔

عرفات میں وقوف:

۹ ذی الحجہ کو حاجی منیٰ سے عرفات کے میدان میں جاتے ہیں۔ اس دن کو یوم عرفہ کہتے ہیں عرفات مکہ معظمہ سے کوئی چودہ میل کے فاصلے پر ایک وسیع و عریض میدان ہے۔ یہاں ایک پہاڑ ہے جسے جبل رحمت کہتے ہیں۔ اس پہاڑ کے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حجۃ الوداع کا خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ حاجی یہاں امام کا خطبہ سنتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کی یہیں دوبارہ ملاقات ہوئی تھی۔

وقوف عرفات ہی اصل حج ہے جو شخص اس سے رہ گیا وہ حج سے رہ گیا۔ خواہ باقی تمام مناسک وہ ادا کر لے۔

مغرب کے وقت حجاج یہاں سے کوچ کرتے ہیں۔ رات مزدلفہ میں بغیر خیموں کے گزارتے ہیں اگلی صبح آفتاب سے پہلے منیٰ کی طرف سفر کرتے ہیں۔

قربانی:

۱۰ ذی الحجہ کو منیٰ میں پہنچ کر قربانی کرتے ہیں۔ اس کے بعد حاجی احرام کھول دیتے ہیں۔

رمی جمرات:

منیٰ میں تین پتھر نصب ہیں جن کو جمار یا جمرات کہتے ہیں۔ حجاج تین دن (۱۰ تا ۱۲ ذی الحجہ) رمی کرتے ہیں، یعنی ان پتھروں کو سات سات کنکریاں مارتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کے لیے لے جا رہے تھے تو راستے میں شیطان نے ان تین جگہوں پر ان کو بہکانے کی کوشش کی تھی۔ آپ ﷺ نے ہر موقع پر اس کو کنکریاں اٹھا کر ماری تھیں۔ رمی جمرات اسی واقعہ کی یادگار ہے۔

طواف زیارت:

منیٰ میں ۱۰ ذی الحجہ کے بعد دو دن قیام کرنا واجب ہے۔ اگر کوئی حاجی چاہے تو تیسرے روز بھی قیام کر سکتا ہے۔ دسویں تاریخ کو خانہ کعبہ کا دوسری بار طواف کرتے ہیں۔ اسے طواف زیارت کہتے ہیں۔

طواف وداع:

مکہ سے روانہ ہونے سے قبل حاجی بیت اللہ کا تیسری مرتبہ طواف کرتے ہیں اسے طواف وداع کہتے ہیں۔

مقاصد حج

1- حج کے مقاصد میں سب سے بڑا مقصد تو یہ ہے کہ اس سے سنت ابراہیمی کی تجدید کا عہد ہو جاتا ہے اور دوسرا فرض کی ادائیگی بھی۔

2- مسلمانان عالم ایک ہی مرکز پر جمع ہو کر توحید کا بول بالا کرتے ہیں اسی اجتماع سے ایک خدا کی عبادت کا تصور مزید ابھرتا ہے۔

3- مسلمانان عالم کے مابین یک جہتی اور ہم آہنگی کے جذبات ابھرتے ہیں اور وہ اپنے مسائل کو حل کرنے میں باہمی مشاورت کے ساتھ جلد کامیاب ہو جاتے ہیں۔

www.CSSExamPoint.com

4- مختلف نسلوں، رنگوں اور مختلف مقامات سے آئے ہوئے اور مختلف زبانیں بولنے والے ایک ہی لباس میں ملبوس خدا کی وحدانیت کا پرچار کرتے ہیں اور یوں امیر، غریب، کالے، گورے، چھوٹے، بڑے، عربی، عجمی کے مابین تمیز مٹ جاتی ہے۔

5- حاجی جب لبیک اللھم لبیک کے الفاظ بیک وقت کہتے ہیں تو ان کے درمیان جو اشتراک عمل پیدا ہوتا ہے اس سے توحید کا پرچم بلند ہوتا ہے اور ہر طرح کے شرک کا خاتمہ ہو جاتا ہے گویا اس وقت وہ خدا کے خدمتگار سپاہیوں کی ایک فوج معلوم ہوتے ہیں۔

6- اہل دل کو سفر حج اور در محبوب ﷺ کی حاضری سے جو تسکین ملتی ہے اس کی لذت کچھ اور ہی ہوتی ہے۔

7- دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک جگہ جمع ہو کر اپنے علمی و سیاسی اور معاشرتی مسائل سے نہ صرف آگاہی ہوتی ہے بلکہ ان مسائل کو باہمی مشاورت اور بحث و تمحیص کے ذریعے حل کرنے کا خوبصورت موقع ملتا ہے۔ اس سے ایک طرف باہمی خیر سگالی کے جذبات کو تقویت ملتی ہے تو دوسری جانب مسلمانان عالم کے مابین اتحاد و مساوات اور افہام و تفہیم اور بھائی چارے اور باہم مل بیٹھنے کا عنصر نمایاں ہوتا ہے۔

8- چونکہ مسلمانان عالم ایک ہی امیر کی امامت میں مناسک حج ادا کرتے ہیں اس لیے ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اس سے بڑی کوئی مثال نہیں ملتی۔

9- اس عالمی اجتماع سے بین الاقوامی تعلقات کو فروغ دینے میں بڑی مدد ملتی ہے اور اس طرح امن و آشتی کا دور دورہ ہوتا ہے۔

10- حج کی ادائیگی سے مسلمانان عالم اپنے ساتھ ایمان اور تقویٰ کی پاکیزگی کی جو دولت لے کر جاتے ہیں اس سے اصلاح احوال میں بڑی مدد ملتی ہے اور لوگوں کی اکثریت آئندہ کے لیے گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتی ہے۔

11- اس کا ایک نہایت اہم پہلو یہ بھی ہے کہ مسلمانان عالم تجارتی اور اقتصادی فوائد حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے مال کی کھپت کر سکتے ہیں اور اس طرح وہ معاشی نفع بھی حاصل کر سکتے ہیں جو حج کے بغیر ممکن نہیں۔

12- ایک دوسرے سے دور دراز رہنے سے اجنبیت کا جو عنصر حج کی ادائیگی سے قبل مسلمانان عالم میں پایا جاتا ہے وہ دور ہو جاتا ہے اور دنیا سمٹ کر گلوبل ویلج نظر آنے لگتی ہے۔

13- مسلمان جب مدینہ منورہ میں روضہ رسول ﷺ پر جا کر حاضری دیتا ہے تو اس کی دلی کیفیات ہی بدل جاتی ہیں اور اس کا اندازہ صرف اور صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس تجربے سے گزرے ہوں تیز زائر کے دو حج بھی قبول ہو جاتے ہیں اس ضمن میں حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

جس شخص نے مکہ مکرمہ کا حج کیا پھر میری مسجد میں میری زیارت کا قصد کیا اس کے لیے دو حج مقبول لکھے جاتے ہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جس نے حج کیا اور میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

14- نوع انسانی متعدد معاشروں میں بٹی ہوئی ہے قومی اور ملکی حدود کی یہ تقسیم ایک ناگزیر ضرورت ہے لہٰذا دنیا میں بیک وقت بہت سے مسلم معاشرے قائم ہو سکتے ہیں اس لیے اس بات کی حقیقی ضرورت تھی کہ ان معاشروں کے درمیان برادرانہ مراسم اختیار کرنے اور انہیں مضبوط بنانے کی بھی کوئی موثر راہ نکالی جائے۔ حج اس ضرورت کا جواب ہے۔

حج چونکہ تمام عبادات کا مجموعہ ہے اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا:

www.CSSExamPoint.com

من حج فلم یرفث ولم یفسق رجع کما ولدته امه

ترجمہ: "جس نے (خلوص نیت سے) حج کیا اور اس میں فسق اور برائیوں سے بچا رہا تو وہ ایسا پاک وصاف ہو کر لوٹے گا جیسے اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔"

حج ابتدا سے انتہا تک ارکان ومناسک سے بھرپور ہے جس سے ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت اور اس کی رحمت کا شعور ہوتا ہے اور ہر وہ شخص جو فریضہ حج کی ادائیگی کی خاطر دل ودماغ کے ساتھ حاضر ہوتا ہے تو اس پر حج کی حکمتیں اور اس کی خوبیاں واضح ہو جاتی ہیں اور اس کے اسرار ورموز اس پر منکشف ہوتے ہیں۔

حج کی شان جامعیت:

ان باتوں کے علاوہ اگر حج کے مراسم کو ایک اور پہلو سے دیکھیے، تو محسوس ہوگا کہ یہ حج اگرچہ کہنے کو ایک عبادت ہے لیکن فی الواقع اس میں ہر عبادت اور ہر عملی خیر کی روح موجود ہے۔

(۱) وہ نماز بھی ہے، اس لیے کہ نماز کی حقیقت ذکر یا یاد دہانی ہے اور حج میں آدمی مسلسل زبان سے ذکر (لبیک اللھم لبیک) کرتا رہتا ہے اور ساتھ ہی ان مقامات کی زیارت کرتا ہے جو اس کے احساس عبدیت کو ابھار دیتی ہیں۔

(۲) وہ زکوۃ بھی ہے، اس لیے کہ ہر حج کرنے والے کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ قربانی کا گوشت غریبوں کو کھلائے۔ اس کے علاوہ بغیر مالی قربانی کے حج کیا ہی نہیں جا سکتا، زکوۃ کی حقیقت بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کی خاطر اپنی دولت صرف کی جائے۔

(۳) وہ روزہ بھی ہے، اس لیے کہ جنسی ملاپ روزے میں اگر صرف دن کو ممنوع ہے تو حج کے دوران راتوں میں بھی ممنوع رہتا ہے۔ رہا کھانے پینے کا معاملہ تو روزے کی طرح اگرچہ حج میں کھانا پینا منع نہیں ہے مگر اس کے بجائے اس میں زیب وزینت وغیرہ کی جو دوسری بہت سی پابندیاں عائد ہوتی ہیں وہ بڑی حد تک اس ممانعت کی قائم مقام بن جاتی ہیں۔ اس طرح نفس کی خواہشوں کو کنٹرول کرنے کی مشق جس طرح روزے میں ہوتی ہے اسی طرح حج میں بھی ہوتی ہے۔

اسلامی عبادات کے اس مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادات کے اس نظام کا اصل مقصد اسلام کا انسان مطلوب تیار کرنا ہے۔ یہ انسان کو اس ذمہ داری کے لیے تیار کرتی ہیں جو خدا اور اس کے رسول ﷺ نے ہمارے سپرد کی ہے۔ یہ انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کی صفات محمودہ انسان میں پیدا کرتی ہیں، سیرت وکردار کی تعمیر کرتی ہیں اور روحانی ترقی اور اخلاقی بالیدگی کی راہ ہموار کرتی ہیں۔ عبادات کا اصل مقصد یہ ہے کہ نفس کا تزکیہ ہو، تقویٰ کی روح پیدا ہو، خدا سے تعلق استوار ہو، اور خدا کی اطاعت، اس کی بندگی اور اس کی محبت ہر چیز پر غالب آ جائے۔ نفس کی اصلاح کے بغیر کوئی اصلاح ممکن نہیں اور نفس کی اصلاح کا اصل اور مؤثر ترین طریقہ وہ عبادات ہیں جو خدا اور اس کے رسول ﷺ نے مقرر کی ہیں۔

حج کی حکمتیں

1- احرام کی حکمت:

ارکان حج میں سب سے پہلا رکن نیت ہے اور نیت کا تعلق صرف دل سے ہوتا ہے اس لیے اگر دل اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو جائے تو سارے اعمال درست ثابت ہوں گے اور اگر وہی دل غیر اللہ کی طرف پھر جائے تو سارے اعمال فاسد و بے کار ہو جائیں گے اور نیت تمام اعمال کی بنیاد ہے۔

www.CSSExamPoint.com

لہٰذا حج میں حاجی کا سب سے پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ خالص اللہ کے لیے حج کی نیت کرے کیونکہ اللہ رب العزت ایسے بندے کے حج کو شرف قبولیت نہیں بخشے گا جو اپنے حج کے ذریعے ریا، نمود یا کوئی فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہو اس لیے کہ حج اللہ کے راستے میں ہجرت اور ہجرت کی کوئی قیمت نہیں ہوگی جس میں غیر اللہ کا قصد کیا گیا ہو۔

حج کی نیت کو احرام کہا جاتا ہے جس کے دو شعار ہیں۔

1. اس کا تعلق دیکھنے سے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سلے ہوئے کپڑے اور جسمانی زیب و زینت کے مظاہر مثلاً خوشبو کے استعمال اور بال تراشنے اور کاٹنے یا اکھاڑنے اور دیگر ممنوعات احرام سے اجتناب کیا جائے اور نفس کو ایسے امور کے ارتکاب سے باز رکھا جائے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے

فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج (سورہ البقرہ آیت 197)

2. ان اشعار کا تعلق سننے اور بولنے سے ہے یعنی تلبیہ کے کلمات لبیک اللھم لبیک باآواز بلند پڑھا جائے۔ ہر حاجی کو اس احرام کے ذریعے یہ محسوس کرنا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کے لیے حاضر ہوا ہے اور اللہ کے ہر حکم کی تعمیل اور اس پر لبیک کہنے کے لیے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی صاحب ملک و نعمت ہے اس لیے اس کے علاوہ کسی دوسرے کی نہ تو تعریف و ستائش کرے گا نہ کسی غیر سے اپنی حاجت طلب کرے گا۔

احرام کی حکمت یہ ہے کہ اس سے تمام مسلمانوں کے درمیان اخوت و مساوات کا اظہار ہوتا ہے اور تمام حجاج کرام کا لباس احرام میں ملبوس ہونا اخروی زندگی اور قیامت کا منظر پیش کرتا ہے اور اس سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ ایک مومن عاقل کے لیے مناسب نہیں ہے کہ فانی دنیا کے فتنے اور اس کی رنگینیوں میں الجھ کر ہمیشہ کی زندگی کو اعمال صالحہ کے ذریعے سنوارنے سے محروم ہو جائے۔

شروع تلبیہ کے بارے میں امام مالک نے نافع عن ابن عمر کے طریق سے آنحضور ﷺ کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنحضور ﷺ اپنی زبان مبارک سے یہ تلبیہ پڑھتے تھے:

لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملک لاشریک لک۔

ترجمہ: "اے میرے اللہ میں حاضر ہوں، حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں ساری تعریفیں اور نعمتیں تیرے ہی لیے ہیں اور حکومت و بادشاہت پر بھی تیرا ہی حق ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔"

تلبیہ کا باآواز بلند پڑھنا بہت سے مقامات پر مستحب ہے مثلاً

1- سواری پر چڑھتے یا اترتے وقت
2- وادی میں اترتے یا کسی بلند ٹیلے پر چڑھتے وقت
3- مسافروں کی جماعت سے جب ملاقات ہو
4- ہر فرض نماز کے بعد
5- رات کے پچھلے پہر

2- طواف کعبہ کی حکمت:

طواف بیت اللہ کی حکمت یہ ہے کہ اس سے صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور اپنی عبودیت کا اظہار مقصود ہے۔
خانہ کعبہ کے طواف کا حکم مثل نماز ہے اس لیے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ نماز کے جملہ آداب کی رعایت کرتے ہوئے نہایت ہی خشوع و

www.CSSExamPoint.com

خضوع اور حضور قلب کے ساتھ طواف کریں اور بیت اللہ کے رب کی عظمت و کبریائی اپنے دلوں میں محسوس کریں اس لیے کہ خانہ کعبہ کے طواف سے صرف جسم کا طواف مطلوب نہیں بلکہ دل و دماغ کا طواف بھی مقصود ہے۔ خانہ کعبہ کا طواف مسلمانوں کی وحدت و جمعیت کا ایک امر ہے اور اسلامی روابط مستحکم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

3- صفاومروہ کے مابین سعی کی حکمت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا (سورہ البقرہ آیت 158)

ترجمہ: "بے شک صفاومروہ یہ دونوں پہاڑیاں اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں پس جو شخص حج کے لیے آئے یا عمرہ کے لیے تو اس کے اوپر کوئی حرج نہیں کہ وہ ان پہاڑیوں کا طواف کرے۔"

صفاومروہ کی سعی سے سلف صالحین کے آثار و نقوش یاد رکھیں چنانچہ سعی بین الصفاوالمروہ کی حکمت آج تک باقی ہے دنیا کے مختلف گوشوں اور خطوں سے گناہوں اور خطاؤں کے بار سے دبے ہوئے حجاج کرام جوق در جوق آتے ہیں اور اپنے گناہوں اور خطاؤں سے صفاومروہ کے درمیان بخشش طلب کرتے ہیں اور اللہ کی رحمت و مغفرت کے طلبگار ہوتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

4- وقوف عرفہ کی حکمت:

عرفہ کے میدان میں حاجی کو قیامت کا میدان اور تمام امتوں کا اجتماع اور اللہ کے سامنے حاضری کا دن یاد آتا ہے اور عرفہ کے میدان میں وہ دن یاد آتا ہے جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن منادی کرے گا کہ آج کس کی حکومت ہے تو ساری مخلوق ایک زبان ہو کر پکار اٹھے گی للہ الواحد القہار. اور قیامت کا خوفناک منظر سامنے آجاتا ہے اس لیے حضور پاک ﷺ نے فرمایا الحج عرفہ یعنی حج عرفہ ہے۔

5- رمی جمار کی حکمت:

رمی جمار سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور عزم و یقین کے ساتھ خواہشات نفس کی بیخ کنی مقصود ہے۔ رمی جمار ایک اسلامی شعائر ہے اور شر کے عوامل کو زیر کرنے اور نفس امارہ کو ذلیل کرنے کا ایک وسیلہ ہے اور رمی جمرات واضح ثبوت کے ارتکاب سے روک دیا گیا ہے۔

سلام پڑھتے ہوئے صورت یہ ہوتی ہے کہ روضہ مبارک سامنے اور قبلہ پشت کی جانب ہوتا ہے لیکن سلام پڑھ لینے کے بعد دعا مانگنے کے لیے قبلہ کی طرف رخ کر کے ہی دعا مانگی جائے بہت سے لوگ مسجد نبوی ﷺ کے اندر یا باہر دور سے روضہ مبارک کی طرف رخ کر کے صلاۃ وسلام پڑھتے ہیں یہ طریقہ مناسب نہیں۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرمارہے تھے "تم اپنی مقدور بھر کفار و مشرکین کے خلاف طاقت و قوت اور گھوڑوں کو جہاد کے لیے تیار رکھو اور یاد رکھو کہ طاقت و قوت رمی (تیراندازی) ہے آپ ﷺ نے یہ جملہ تین بار دہرایا۔"

6- قربانی کرنے کی حکمت:

قربانی کا مقصد فضائل کی بنیادیں استوار کرنے والے مضبوط ہاتھوں کے ذریعے رذائل کا خون بہانا اور نفس امارہ کو تہ تیغ کر کے اور انسان کے جسم سے خارج کر کے اس کی جگہ خیر و برکت کی روح پیدا کرنی ہے۔

www.CSSExamPoint.com

قربانی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے اور اس کے ذریعے ایام عید میں فقراء و مساکین پر خرچ کرنے سے اللہ کی عطا کردہ نعمت کا اظہار ہوتا ہے اس لیے کہ عید کا دن اللہ رب العزت کی جانب سے تمام مومنوں کے لیے ضیافت کا دن ہوتا ہے۔ قربانی حج کے ارکان میں سے ہے اس لیے کہ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کی تجدید اور احیاء ہوتی ہے اور آپ علیہ السلام کی قوت ایمانی اور ایثار کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

حج کے اخلاقی، روحانی اور سماجی اثرات

حج کے اخلاقی و روحانی اثرات

۱۔ گناہوں کی مغفرت:

حج مبرور یعنی مقبول حج کے نتیجے میں حاجی پچھلے گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ حج اور عمرہ گناہوں کو اس طرح مٹا دیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے کے زنگ کو۔ ایک اور حدیث کی رو سے انسان حج کرنے کے بعد اس طرح معصوم ہو جاتا ہے جیسے پیدائش کے وقت معصوم ہوتا ہے۔

۲۔ ضبط نفس کی تربیت:

احرام باندھنے کے بعد کئی حلال چیزیں حرام ہو جاتی ہیں۔ وہ ان چیزوں کے میسر ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ان سے اجتناب کرتا ہے اس سے ضبط نفس کی تربیت ملتی ہے۔

۳۔ نظم وضبط کی تربیت:

حج کے موقع پر لاکھوں انسان ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ بعض مناسک مثلاً طواف، رمی، جمرات، عرفات سے واپسی کی ادائیگی کے وقت سخت ہجوم ہوتا ہے لیکن نہ کبھی لڑائی جھگڑا ہوتا ہے اور نہ کوئی حاجی کسی دوسرے حاجی کو گالی دیتا یا برا بھلا کہتا ہے۔ حجاج کے لیے لڑنا جھگڑنا اور گالی گلوچ ممنوع ہے۔ نادانستہ طور پر ایک دوسرے کے ہاتھوں سخت تکالیف بھی اٹھانا پڑتی ہیں لیکن کیا مجال کہ کوئی شخص تکلیف پہنچانے والے کو سخت الفاظ بھی کہے۔ حج کے موقع پر مسلمانوں کو نظم وضبط کی بہت اعلیٰ تربیت ملتی ہے۔

۴۔ جفاکشی کی تربیت:

زندگی پھولوں کی سیج نہیں بلکہ مسلسل جدوجہد کا نام ہے۔ وہی افراد اور قومیں عزت اور کامیابی حاصل کر سکتی ہیں جو جفاکش ہوں۔ حج جفاکشی کی تربیت کا ایک بہت اچھا ذریعہ ہے۔ انسان اپنے گھر سے دور اپنے گھر والوں اور اہل وطن سے دور سخت تکالیف اور صعوبتیں اٹھا کر مناسک حج ادا کرتا ہے، اس سے اس میں مشقت اٹھانے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔

۵۔ سادگی کی تربیت:

حج میں سادگی کی تربیت ملتی ہے۔ ایک تو اپنے گھر اور وطن سے دور ویسے بھی آدمی ناز و نعمت کی زندگی نہیں گزار سکتا، خواہ وہ ارب پتی ہی کیوں نہ ہو۔ وہاں تو خیموں میں رہنا پڑتا ہے۔ آسمان کے نیچے فرش زمین پر بھی سونا پڑتا ہے۔ دوسرے حالت احرام سے انتہائی سادگی پیدا ہوتی ہے۔ ان سلی ہوئی دو چادروں سے جسم ڈھانپتا ہے۔ سر ننگا ہوتا ہے۔ ننگے سر پر دھوپ میں پھرتا ہوتا ہے، آرائش، خوشبو وغیرہ کا استعمال حرام ہوتا ہے۔

۶۔ روحانی بالیدگی اور تقرب الٰہی:

گھر سے روانہ ہونے کے بعد گھر واپس آنے تک حاجی کا تمام تر وقت عبادت و ریاضت میں گزرتا ہے۔ دو دنیا و مافیہا سے الگ تھلگ صرف یاد الٰہی میں ہمہ وقت مصروف رہتا ہے۔ اس کا دھیان ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف لگا رہتا ہے۔ اس سے اس کی روح کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

www.CSSExamPoint.com

حج کے سماجی اثرات

۱۔ مساوات کا عملی مظاہرہ:

اسلام مساوات کا علمبردار ہے اور حج کے موقع پر مساوات کا شاندار عملی مظاہرہ ہوتا ہے۔ سب حاجی خواہ کوئی امیر ہو یا غریب، حاکم ہو یا محکوم، چھوٹا ہو یا بڑا، ایک جیسا لباس پہنے یکساں پابندیوں کے ساتھ ایک جیسے حالات میں رہتے ہوئے ایک جیسے مناسک حج ادا کرتے ہیں۔ کسی بھی موقع پر کسی قسم کا امتیاز روا نہیں ہوتا۔

۲۔ اتحاد ملی:

حج دنیا بھر کے مسلمانوں کے اتحاد و یگانگت کا مظہر ہے۔ دنیا کے کونے کونے سے مختلف رنگوں، زبانوں اور نسلوں کے مسلمان ایک جگہ جمع ہو کر مل جل کر رہتے اور مناسک حج ادا کرتے ہیں۔ اس سے دنیا بھر کے مسلمانوں میں یہ احساس اجاگر ہوتا ہے کہ وہ ایک ملت ہیں۔

۳۔ مرکزیت:

حج مسلمانوں کی مرکزیت کی علامت ہے۔ بیت اللہ شریف تمام مسلمانوں کا مرکز ہے دنیا بھر کے مسلمان اس ایک مرکز پر جمع ہوتے ہیں۔ ایک مرکز ان میں وحدت کا احساس پیدا کرتا ہے۔

۴۔ شکوہ ملی کا اظہار:

حج کے موقع پر دنیا بھر سے آئے ہوئے لاکھوں مسلمانوں کے ایک جگہ عظیم انسانی اجتماع سے مسلمانوں کے شکوہ ملی کا اظہار ہوتا ہے اور دوسری تمام اقوام بھی محسوس کرتی ہیں کہ مسلمان ایک عظیم ملت ہیں۔

۵۔ علمی و اقتصادی فوائد:

حج سے علمی و اقتصادی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ بری، بحری اور ہوائی راستوں سے سفر کا تجربہ۔ نئے علاقوں کی سیاحت مختلف علاقوں سے آئے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ تبادلۂ خیالات سے انسان کی معلومات میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا ہے۔ حج کے موقع پر مکہ معظمہ اور اس کا نواحی علاقہ، نیز مدینہ منورہ عالمی منڈی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ مختلف مسلم علاقوں کی مصنوعات وہاں پہنچتی ہیں۔ ان سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ وہاں ان کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور بعد ازاں مختلف مسلم ممالک میں باہم تجارت ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆

www.CSSExamPoint.com

باب 2: سیرت طیبہ ﷺ کا مطالعہ بحیثیت نمونۂ عمل

آؤٹ لائن

- انفرادی زندگی
- سفارت کار
- سپہ سالار اور جنگی منصوبہ ساز
- پیغمبر امن
- معلم انسانیت

www.CSSExamPoint.com

انفرادی زندگی
حضور ﷺ کے اخلاق کے نمایاں پہلو

تعارف:

نبی کریم ﷺ ایسے جمال خلق اور کمال خلق سے متصف تھے جو حیطہ بیان سے بہار ہے۔ اس جمال و کمال کا اثر یہ تھا کہ دل آپ ﷺ کی تعظیم اور قدر و منزلت کے جذبات سے خود بخود لبریز ہو جاتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی حفاظت اور اجلال و تکریم میں لوگوں نے ایسی ایسی فداکاری و جاں نثاری کا ثبوت دیا جس کی نظیر دنیا کی کسی اور شخصیت کے سلسلے میں پیش نہیں کی جا سکتی۔ آپ ﷺ کے رفقاء اور ہم نشین وارفتگی کی حد تک آپ ﷺ سے محبت کرتے تھے۔ انہیں گوارا نہ تھا کہ آپ ﷺ کو خراش تک آ جائے خواہ اس کے لیے ان کی گردنیں ہی کیوں نہ کاٹ دی جائیں۔ اس طرح کی محبت کی وجہ یہی تھی کہ جن کمالات پر جان چھڑکی جاتی ہے ان کمالات سے جس قدر حصہ وافر آپ ﷺ کو عطا ہوا تھا کسی اور انسان کو نہ ملا۔ ذیل میں ہم عاجزی و بے مائیگی کے اعتراف کے ساتھ ان روایات کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں جن کا تعلق آپ ﷺ کے جمال و کمال سے ہے۔

حالانکہ آپ ﷺ ماں کے پیٹ ہی میں یتیم ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ کی زندگی یتیمی و بے کسی کی حالت سے شروع ہوئی۔ مگر جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو تمام ملک عرب کے شہنشاہ تھے۔ عرب کا کوئی صوبہ ایسا نہ تھا جہاں آپ ﷺ کی دنیوی حکومت اور شہنشاہی نہ ہو گئی ہو۔ ان تمام حالات اور تمام مدارج زندگی میں آپ ﷺ کی سادہ معاشرت یکساں طور پر نظر آتی ہے اور صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی اپنے آپ ﷺ کو دنیوی کام کاج میں دوسروں پر فضیلت نہیں دی بلکہ جس طرح تم سب لوگ اپنے گھروں میں اپنا کام کرتے ہو ایسے ہی آپ ﷺ بھ کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ خود ہی اپنی بکریوں کا دودھ دوہ لیتے اور خود ہی اپنی جوتیاں گانٹھ لیتے تھے۔ مدینہ منورہ میں جب مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر ہو رہی تھی تو آپ ﷺ سب کاموں میں شریک تھے۔ یہاں تک کہ معمولی مزدوروں کی طرح آپ ﷺ بھی اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ جنگ احزاب میں آپ ﷺ بھی خندق کھودنے والوں میں شامل تھے۔ اپنے ہاتھوں سے مٹی اٹھاتے اور پتھر توڑتے تھے۔ آپ ﷺ کی غذا عموماً جو کی روٹی ہوتی تھی۔ آپ ﷺ کے گھر میں چھلنی نہ تھی۔ پھونک مار کر بھوسی اڑا دی جاتی تھی۔ کبھی دو دن تک متواتر یہ جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر آپ ﷺ کو نہ ملی۔ بعض مرتبہ ایک ایک مہینہ تک آپ ﷺ کے گھر آگ نہیں جلی، صرف کھجوروں اور پانی پر آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے گھر والوں نے زندگی بسر کی۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی کھانے کو برا نہیں کہا۔ نہ اس میں عیب نکالے جو کچھ موجود ہوتا وہی تناول فرما لیتے۔ بھوک نہ ہوتی یا مرغوب نہ ہوتا تو ہاتھ کھینچ لیتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آنحضرت ﷺ کا بستر آپ ﷺ کے گھر میں کس چیز کا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ ادھوڑی کا، جس میں کھجوروں کی چھال بھری ہوئی تھی۔ یہی سوال حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بھی کیا گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک ٹاٹ کا ٹکڑا تھا جسے ہم دوہرا کر دیا کرتے تھے۔ ایک رات میں نے خیال کیا کہ اس کی چار تہیں کر دوں تا کہ آپ ﷺ کو زیادہ آرام ملے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ رات تم نے میرے لیے کیا بچھایا تھا۔ میں نے کہا کہ وہی آپ ﷺ کا ٹاٹ تھا مگر اس کی چار تہیں کر دی تھیں تا کہ آپ ﷺ کو زیادہ آرام ملے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، تم اسے جیسا پہلے تھا ویسا ہی کر دو۔ اس نے رات مجھے نماز شب سے باز رکھا۔ وفات سے پہلے آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میرے ورثاء کو میرے ترکے میں روپیہ پیسہ وغیرہ نقدی کچھ نہ ملے۔ ایک یہودی کے پاس آپ ﷺ کی زرہ بعوض تیس درہم گروی رکھی تھی۔ آپ ﷺ کے پاس زر نقد اتنا نہ تھا کہ اس کو چھڑا لیتے۔ آپ ﷺ نے ترکے میں اپنے ہتھیار، ایک خچر اور ایک زرہ چھوڑی۔ ان چیزوں کی نسبت بھی یہی ارشاد تھا

www.CSSExamPoint.com

کہ خیرات کر دی جائیں۔ کیا وہ لوگ اندھے نہیں ہیں جو یہ کہتے کہ آنحضرت ﷺ نے نعوذ باللہ ذاتی اغراض، نفسانی مقاصد، جاہ طلبی، حصول زر اور ملک گیری کے لیے اپنی قوم پر تلوار اٹھائی تھی؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں آٹھ برس کا تھا جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور برابر دس برس تک خدمت نبوی ﷺ میں رہا، مگر اس طویل مدت میں کبھی ایک مرتبہ بھی آپ ﷺ نے اف تک نہیں کی اور نہ یہ فرمایا کہ یہ کام کیوں کیا اور وہ کام نہ کیا۔ آپ ﷺ کی زبان سے کبھی کوئی فحش اور بیہودہ کلمہ نہیں نکلا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ لوگوں نے آپ ﷺ سے کہا مشرکین کے لیے بددعا کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں لعنت کرنے کے لیے نہیں آیا ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کی طبیعت میں بیہودگی اور لغویت بالکل نہ تھی۔ آپ ﷺ بچوں کو اپنی گود میں بٹھا لیتے اور ان سے کھیلا کرتے۔ مریضوں کی عیادت اور مزاج پرسی کے لیے شہر کے دور دراز محلوں میں آپ ﷺ تشریف لے جاتے تھے۔ جس کسی سے ملتے پہلے خود سلام کرتے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی نے آپ ﷺ سے مصافحہ کیا ہو اور آپ ﷺ نے اس کے ہاتھ کھینچنے سے پہلے اپنا ہاتھ کھینچ لیا ہو۔ آپ ﷺ احتراماً اپنے اصحاب کا نام نہ لیتے بلکہ کسی کنیت سے مخاطب کرتے اور محبت آمیز پسندیدہ ناموں سے ان کو یاد کرتے تھے۔ آپ ﷺ کسی کا قطع کلام نہیں کرتے تھے۔ البتہ اگر کوئی نازیبا بات کہتا تو آپ ﷺ اسے منع فرما دیتے یا اُٹھ کر کھڑے ہو جاتے تاکہ وہ خود ہی رک جائے۔

حلیہ مبارک:

ہجرت کے وقت رسول ﷺ ام معبد رضی اللہ عنہ خزاعیہ کے خیمے سے گزرے تو اس نے آپ ﷺ کی روانگی کے بعد اپنے شوہر سے آپ ﷺ کے حلیہ مبارک کا جو نقشہ کھینچا وہ یہ تھا: ''چمکتا رنگ، تابناک چہرہ، خوبصورت ساخت، نہ توندے پن کا عیب نہ گنجے پن کی خامی، جمال جہاں تاب کے ساتھ ڈھلا ہوا پیکر، سرگیں آنکھیں، لمبی پلکیں، بھاری آواز، لمبی گردن، سفید و سیاہ آنکھیں، سیاہ سرگیں پلکیں، باریک اور باہم ملے ہوئے ابرو، چمکدار کالے بال، خاموش ہوں تو باوقار، گفتگو کریں تو پُرکشش، دور سے (دیکھنے میں) سب سے تابناک و پُر جمال، قریب سے سب سے خوبصورت اور شیریں، گفتگو میں چاشنی، بات واضح اور دوٹوک، نہ مختصر نہ فضول، انداز ایسا کہ گویا لڑی سے موتی جھڑ رہے ہیں۔ درمیانہ قد، نہ چھوٹا کہ نگاہ میں نہ جچے، نہ لمبا کہ ناگوار لگے۔ دو شاخوں کے درمیان ایسی شاخ کی طرح ہیں جو سب سے زیادہ تازہ و خوش منظر ہے، رفقاء آپ ﷺ کے گرد حلقہ بنائے ہوئے کچھ فرمائیں تو توجہ سے سنتے ہیں، کوئی حکم دیں تو لپک کر بجالاتے ہیں۔ مطاع و مکرم، نہ ترش رو، نہ لغو گو۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''آپ ﷺ نہ لمبے تڑنگے تھے نہ ناٹے کھوٹے، لوگوں کے حساب سے درمیانہ قد کے تھے۔ بال نہ زیادہ گھنگریالے تھے نہ بالکل کھڑے کھڑے بلکہ دونوں کے بیچ بیچ کی کیفیت تھی۔ رخسار نہ بہت زیادہ پر گوشت تھا، نہ ٹھوڑی چھوٹی اور پیشانی پست، چہرہ کسی قدر گولائی لیے ہوئے تھا۔ رنگ گورا گلابی، آنکھیں سرخی مائل، پلکیں لمبی، جوڑوں اور مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی بڑی، سینہ پر ناف تک بالوں کی ہلکی سی لکیر، بقیہ جسم بال سے خالی، ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں پر گوشت، چلتے تو قدرے جھٹکے سے پاؤں اٹھاتے اور یوں چلتے گویا کسی ڈھلوان پر چل رہے ہیں۔ جب کسی طرف توجہ فرماتے تو پورے وجود کے ساتھ متوجہ ہوتے۔ دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ آپ ﷺ سارے انبیاء علیہم السلام کے خاتم تھے۔ سب سے زیادہ سخی دست اور سب سے زیادہ صادق اللہجہ اور سب سے بڑھ کر عہد و پیمان کے پابند وفاء۔ سب سے زیادہ نرم طبیعت اور سب سے شریف ساتھی۔ جو آپ ﷺ کو اچانک دیکھتا ہیبت زدہ ہو جاتا۔ جو جان پہچان کے ساتھ ملتا محبوب رکھتا۔ آپ ﷺ کا وصف بیان کرنے والا یہی کہہ سکتا ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے پہلے اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ جیسا نہیں دیکھا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کا سر بڑا تھا، جوڑوں کی ہڈیاں بھاری بھاری تھیں، سینے پر بالوں کی لمبی لکیر تھی۔ جب آپ ﷺ چلتے تو قدرے جھک کر چلتے گویا کسی ڈھلوان سے اُتر رہے ہیں۔

www.CSSExamPoint.com

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کا دہانہ کشادہ تھا، آنکھیں ہلکی سرخی لیے ہوئے اور ایڑیاں باریک۔

حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ گورے رنگ، پرملاحت چہرے اور میانہ قد وقامت کے تھے۔

حضرت انس رضی الہ عنہ بن مالک کا ارشاد ہے کہ آپ ﷺ کی ہتھیلیاں کشادہ تھیں، اور رنگ چمکدار، نہ خالص سفید، نہ گندم گوں، وفات کے وقت تک سر اور چہرے کے بیس بال بھی سفید نہ ہوئے تھے۔

صرف کنپٹی کے بالوں میں کچھ سفیدی تھی اور چند بال سر کے سفید تھے۔

حضرت عبداللہ بن بسر کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کے عنفقہ (داڑھ بچہ) میں چند بال سفید تھے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کا پیکر درمیانی تھا۔ دونوں کندھوں کے درمیان دوری تھی۔ بال دونوں کانوں کی لو تک پہنچتے تھے۔ میں نے آپ ﷺ کو سرخ جوڑا زیب تن کئے ہوئے دیکھا کبھی کوئی چیز آپ ﷺ سے زیادہ خوبصورت نہ دیکھی۔

پہلے آپ ﷺ اہل کتاب کی موافقت پسند کرتے تھے، اس لیے بال میں کنگھی کرتے تو مانگ نہ نکالتے، لیکن بعد میں مانگ نکالا کرتے تھے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آپ ﷺ کا چہرہ سب سے زیادہ خوبصورت تھا اور آپ ﷺ کے اخلاق سب سے بہتر تھے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا نبی ﷺ کا چہرہ تلوار جیسا تھا، انہوں نے کہا: ''نہیں بلکہ چاند جیسا تھا۔'' ایک روایت میں آپ ﷺ کا چہرہ گول تھا۔

ربیع بنت معوذ کہتی ہیں کہ اگر تم حضور ﷺ کو دیکھتے تو لگتا کہ تم نے طلوع ہوتے ہوئے سورج کو دیکھا ہے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک بار چاندنی رات میں آپ ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ پر سرخ جوڑا تھا۔ میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا اور چاند کو دیکھتا۔ آخر (اس نتیجہ پر پہنچا کہ) آپ ﷺ چاند سے زیادہ خوبصورت ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ خوبصورت کوئی چیز نہیں دیکھی۔ لگتا تھا سورج آپ ﷺ کے چہرے میں رواں دواں ہے۔ اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی کو تیز رفتار نہیں دیکھا۔ لگتا تھا زمین آپ ﷺ کے لیے لپیٹی جارہی ہے۔ ہم تو آپ ﷺ کو تھکا مارتے تھے اور آپ ﷺ بالکل بے فکر۔

حضرت کعب بن مالک کا بیان ہے کہ جب آپ ﷺ خوش ہوتے تو چہرہ دمک اٹھتا، گویا چاند کا ایک ٹکڑا ہے۔

ایک بار آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف فرما تھے۔ پسینہ آیا تو چہرے کی دھاریاں چمک اٹھیں۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابوکبیر ہذلی کا یہ شعر پڑھا:

واذا نظرت الی اسرة وجهه　　برقت کبرق العارض المتهلل

''جب ان کے چہرے کی دھاریاں دیکھو تو وہ یوں چمکتی ہیں جیسے روشن بادل چمک رہا ہو۔''

ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو دیکھ کر یہ شعر پڑھتے:

أمين مصطفى بالخير يدعو　　كضوء البدر زايله الظلام

''آپ ﷺ امین ہیں، چنیدہ و برگزیدہ ہیں، خیر کی دعوت دیتے ہیں، گویا ماہ کامل کی روشنی ہیں جس سے تاریکی آنکھ مچولی کھیل رہی ہے۔''

www.CSSExamPoint.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ زہیر کا یہ شعر پڑھتے جو ہرم بن سنان کے بارے میں کہا گیا تھا کہ:

لو کنت من شیء سوی البشر کنت المضیٔ للیلة البدر

''اگر آپ ﷺ بشر کے سوا کسی اور چیز سے ہوتے تو آپ ﷺ ہی چودھویں کی رات کو روشن کرتے۔''

پھر فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ ایسے ہی تھے۔

جب آپ ﷺ غضبناک ہوتے تو چہرہ سرخ ہو جاتا گویا دونوں رخساروں میں دانہ انار نچوڑ دیا گیا ہے۔

حضرت جابر بن سمرہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کی پنڈلیاں قدرے پتلی تھیں اور آپ ﷺ ہنستے تو صرف تبسم فرماتے (آنکھیں سرگیں تھیں) تم دیکھتے تو کہتے کہ آپ ﷺ نے آنکھوں میں سرمہ لگا رکھا ہے حالانکہ سرمہ نہ لگا ہوتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی حریر و دیبا نہیں چھوا جو رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو۔ اور نہ کبھی کوئی عنبر یا مشکل یا کوئی ایسی خوشبو سونگھی جو رسول اللہ ﷺ کی خوشبو سے بہتر ہو۔

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کا ہاتھ اپنے چہرہ پر رکھا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔

حضرت جابر بن سمرہ — جو بچے تھے — کہتے ہیں: ''آپ ﷺ نے میرے رخسار پر ہاتھ پھیرا تو میں نے آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایسی ٹھنڈک اور ایسی خوشبو محسوس کی گویا آپ ﷺ نے اسے عطار کے عطردان سے نکالا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کا پسینہ گویا موتی ہوتا تھا، اور حضرت ام سلیم کہتی ہیں کہ یہ پسینہ ہی سب سے عمدہ خوشبو ہوا کرتی تھی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''آپ ﷺ کسی راستے سے تشریف لے جاتے اور آپ ﷺ کے بعد کوئی اور گزرتا تو آپ ﷺ کے جسم یا پسینہ کی خوشبو کی وجہ سے جان جاتا کہ آپ ﷺ یہاں سے تشریف لے گئے ہیں۔

آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی جو کبوتر کے انڈے جیسی اور جسم مبارک ہی کے مشابہ تھی۔ یہ بائیں کندھے کی کری (نرم ہڈی) کے پاس تھی۔ اس پر مسوں کی طرح تلوں کا جمگھٹ تھا۔

کمال نفس اور مکارم اخلاق:

نبی ﷺ فصاحت و بلاغت میں ممتاز تھے۔ آپ ﷺ طبیعت کی روانی، لفظ کے نکھار، فقروں کی جزالت، معانی کی صحت اور تکلیف سے دوری کے ساتھ ساتھ جوامع الکلم (جامع باتوں) سے نوازے گئے تھے۔ آپ ﷺ کو نادر حکمتوں اور عرب کی تمام زبانوں کا علم عطا ہوا تھا، چنانچہ آپ ﷺ ہر قبیلے سے اسی کی زبان اور محاوروں میں گفتگو فرماتے تھے۔ آپ ﷺ میں بدویوں کا زورِ بیان اور قوتِ تخاطب اور شہریوں کی شستگی الفاظ اور سفتگی و شائستگی جمع تھی اور وحی پر مبنی تائید ربانی الگ سے۔

بردباری، قوت برداشت، قدرت پا کر درگزر اور مشکلات پر صبر ایسے اوصاف تھے جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تربیت کی تھی۔ ہر حلیم و بردبار کی کوئی نہ کوئی لغزش اور کوئی نہ کوئی زبان کی بے احتیاطی جانی جاتی ہے مگر نبی ﷺ کی بلندی کردار کا عالم یہ تھا کہ آپ ﷺ کے خلاف دشمنوں کی ایذا رسانی اور بدمعاشوں کی خودسری و زیادتی جس قدر بڑھتی گئی آپ ﷺ کے صبر و حلم میں اسی قدر اضافہ ہوتا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی

www.CSSExamPoint.com

ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو کاموں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ وہی کام اختیار فرماتے جو آسان ہوتا۔ جب تک کہ وہ گناہ کا کام نہ ہوتا۔ اگر گناہ کا کام ہوتا تو آپ ﷺ سب سے بڑھ کر اس سے دور رہتے۔ آپ ﷺ نے کبھی اپنے نفس کے لیے انتقام نہ لیا! البتہ اگر اللہ کی حرمت چاک کی جاتی تو آپ ﷺ اللہ کے لیے انتقام لیتے۔

جود وسخاوت:

آپ ﷺ سب سے بڑھ کر غیض وغضب سے دور تھے اور سب سے جلد راضی ہو جاتے تھے۔ جود وکرم کا وصف ایسا تھا کہ اس کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ آپ ﷺ اس شخص کی طرح بخشش ونوازش فرماتے تھے جسے فقر کا اندیشہ ہی نہ ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی ﷺ سب سے بڑھ کر پیکر جود وسخا تھے، اور آپ ﷺ کا دریائے سخاوت رمضان میں اس وقت زیادہ جوش پر ہوتا جب حضرت جبریل علیہ السلام آپ ﷺ سے ملاقات فرماتے اور حضرت جبریل علیہ السلام رمضان میں آپ ﷺ سے ہر رات ملاقات فرماتے اور قرآن کا دور کراتے۔ پس رسول اللہ ﷺ خیر کی سخاوت میں (خزائن رحمت سے مالا مال کر کے) بھیجی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ پیش پیش ہوتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ایسا کبھی نہ ہوا کہ آپ ﷺ سے کوئی چیز مانگی گئی ہو اور آپ ﷺ نے نہیں کہہ دیا ہو۔

شجاعت وبہادری اور دلیری میں بھی آپ ﷺ کا مقام سب سے بلند اور معروف تھا۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ دلیر تھے۔ نہایت کٹھن اور مشکل مواقع پر جبکہ اچھے اچھے جانبازوں اور بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے، آپ ﷺ اپنی جگہ برقرار رہے اور پیچھے ہٹنے کی بجائے آگے ہی بڑھتے گئے۔ پائے ثبات میں ذرا لغزش نہ آئی۔ بڑے بڑے بہادر بھی کبھی نہ کبھی بھاگے اور پسپا ہوئے ہیں مگر آپ ﷺ میں یہ بات کبھی نہیں پائی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب زور کا رن پڑتا اور جنگ کے شعلے خوب بھڑک اٹھتے تو ہم رسول اللہ ﷺ کی آڑ لیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص دشمن کے قریب نہ ہوتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک رات اہل مدینہ کو خطرہ محسوس ہوا لوگ شور کی طرف دوڑے تو راستے میں رسول اللہ ﷺ واپس آتے ہوئے ملے۔ آپ ﷺ لوگوں سے پہلے ہی آواز کی جانب پہنچ (کر خطرے کے مقام کا جائزہ لے) چکے تھے۔ اس وقت آپ ﷺ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے بغیر زین کے گھوڑے پر سوار تھے۔ گردن میں تلوار حمائل کر رکھی تھی اور فرما رہے تھے ڈرو نہیں، ڈرو نہیں (کوئی خطرہ نہیں)۔

عفت وعصمت:

آپ ﷺ سب سے زیادہ حیادار اور پست نگاہ تھے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ پردہ نشین کنواری عورت سے بھی زیادہ حیادار تھے۔ جب آپ ﷺ کو کوئی بات ناگوار گزرتی تو چہرے سے پتہ لگ جاتا۔ اپنی نظریں کسی کے چہرے پر گاڑتے نہ تھے۔ نگاہ پست رکھتے تھے اور آسمان کی بہ نسبت زمین کی طرف نظر زیادہ دیر تک رہتی تھی۔ عموماً نیچی نگاہ سے تاکتے۔ حیا اور کرم نفس کا عالم یہ تھا کہ کسی سے ناگوار بات نہ کہتے اور کسی کی کوئی ناگوار بات آپ ﷺ تک پہنچتی تو نام لے کر اس کا ذکر نہ کرتے بلکہ یوں فرماتے کہ کیا بات ہے کہ کچھ لوگ ایسا کر رہے ہیں۔ فرزوق کے اس شعر کے سب سے زیادہ صحیح مصداق آپ ﷺ تھے:

یغضی حیاء و یغضی من مهابته فلا یکلم الا حین یبتسم

''آپ ﷺ حیاء کے سبب اپنی نگاہ پست رکھتے ہیں اور آپ ﷺ کی ہیبت کے سبب نگاہیں پست رکھی جاتی ہیں، چنانچہ آپ ﷺ سے اسی وقت گفتگو کی جاتی ہے جب آپ تبسم فرما رہے ہوں۔''

www.CSSExamPoint.com

صدق:

آپ ﷺ سب سے زیادہ عادل، پاک دامن، صادق اللہجہ اور عظیم الامنۃ تھے۔ اس کا اعتراف آپ ﷺ کے دوست دشمن سب کو ہے۔ نبوت سے پہلے آپ ﷺ کو امین کہا جاتا تھا اور دور جاہلیت میں آپ ﷺ کے پاس فیصلے کے لیے مقدمات لائے جاتے تھے۔ جامع ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار ابوجہل نے آپ ﷺ سے کہا: ''ہم آپ کو جھوٹا نہیں کہتے البتہ آپ ﷺ جو کچھ لے کر آئے ہیں اسے جھٹلاتے ہیں۔'' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (۳۳،۶)

ترجمہ: ''یہ لوگ آپ ﷺ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔''

ہرقل نے ابوسفیان سے دریافت کیا کہ کیا اس (نبی ﷺ) نے جو بات کہی ہے اس کے کہنے سے پہلے تم لوگ ان پر جھوٹ کا الزام لگاتے تھے؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا کہ ''نہیں۔''

امانت:

آپ ﷺ ابتدائے عمر سے ہی دو القاب سے پکارے جاتے تھے، صادق اور امین۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے معاوضے پر تجارت کے لیے آپ ﷺ کی خدمات حاصل کی تھیں۔ اپنے ملازم سے حضور ﷺ کی امانت داری کی باتیں سنیں تو بے حد متاثر ہوئیں اور آخر کار نکاح کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ مکہ کے لوگ آپ ﷺ کے پاس اپنی امانتیں رکھا کرتے تھے۔ حضور ﷺ کی دعوت اسلام کی شدت سے مخالفت و مزاحمت کر رہے تھے لیکن امانتیں پھر بھی حضور ﷺ کے پاس رکھی تھیں۔ چنانچہ جس رات حضور اکرم ﷺ نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمائی اس وقت بھی لوگوں کی امانتیں آپ ﷺ کے پاس موجود تھیں، جن کو لوٹانے کے لیے آپ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے چھوڑ گئے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ امانتیں ان کے مالکوں کو واپس کرنے کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی۔ آپ ﷺ نے امانت داری کی تلقین فرمائی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: لا ایمان لمن لاامانۃ لہ، ''اس شخص کا کوئی ایمان نہیں جو امانتدار نہیں۔''

حضور ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا آخری پیغام لوگوں تک پہنچانے کے لیے امانت سونپی، حضور ﷺ نے اس امانت کے پاس اور احترام کا بھی حق ادا کر دیا۔ اللہ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے میں بے پناہ مصائب جھیلے اور اذیتیں برداشت کیں مگر اللہ تعالیٰ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کا کام جاری رکھا۔ آپ ﷺ کے ذمے پیغام (عملی وضاحت کے ساتھ) پہنچانا تھا لیکن آپ ﷺ کی امانت داری کی انتہا یہ تھی کہ اس غم میں آپ ﷺ کی جان گھلی جا رہی تھی کہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ آخر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی دی:

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ط (فاطر، ۸:۳۵)

ترجمہ: ''پس (اے میرے پیارے رسول ﷺ) ان لوگوں کی خاطر غم و افسوس میں آپ ﷺ کی جان نہ گھلے۔''

اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن حکیم آپ ﷺ پر نازل فرمایا آپ ﷺ نے من وعن لوگوں تک پہنچا دیا، اور آج تک اسی حالت میں موجود ہے جس حالت میں نازل ہوا تھا۔ آپ ﷺ کو اس امانت کا اس قدر احساس تھا کہ خطبہ حجۃ الوداع کے آخر میں (جس میں حضور ﷺ نے اسلام کی تمام اہم باتوں کا ذکر فرمایا تھا) لاکھوں مسلمانوں کے مجمع سے پوچھا، جب تم سے میرے بارے میں سوال ہوگا تو کیا کہو گے؟ لوگوں نے بیک آواز جواب دیا، آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ حضور ﷺ نے آسمان کی طرف تین بار انگلی اٹھا کر فرمایا: اے رب! گواہ رہ!

www.CSSExamPoint.com

رحم:

حضور ﷺ کے اخلاق کریمہ میں رحم غالب دکھائی دیتا ہے۔ آپ ﷺ کے رحمت ہونے کا اعلان تو خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ.

ترجمہ: ''اور ہم نے تو آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

حضور پاک ﷺ سراپا رحمت تھے۔ کسی کو بھی دکھ میں مبتلا دیکھتے تو آپ ﷺ کو بہت دکھ ہوتا۔ آپ ﷺ کی شفقت و رحمت اور دوسروں کے دکھ کو محسوس کرنے کی گواہی قرآن حکیم میں خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ.

ترجمہ: ''بے شک تمہارے پاس ایک رسول آیا ہے جو تمہیں میں سے ہے۔ تمہاری تکلیف اس پر شاق گزرتی ہے تمہاری بھلائی کا وہ حد درجہ متمنی ہے، ایمان لانے والوں کے لیے وہ بہت شفیق اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

حضور ﷺ کی رحمت کی بارش بچوں، عورتوں، غلاموں، غریبوں، یتیموں، مومنوں، کافروں، انسانوں اور جانوروں سب پر برستی تھی، سب آپ ﷺ کی رحمت سے بہرہ ور ہوئے، آج تک ہو رہے ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ رحمت کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ مثال کے طور پر چند واقعات درج ذیل ہیں:

۱۔ قریش مکہ نے اہل ایمان پر جو مظالم ڈھائے، آپ ﷺ کو جو اذیتیں دیں، پھر ہجرت مدینہ کے بعد جس طرح انہوں نے آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جنگیں مسلط کیں، غزوہ احزاب میں سارے عرب کو اکٹھا کر کے مدینہ کی ننھی سی بستی پر چڑھ آئے۔ یہ سب باتیں معلوم ہیں لیکن جب غزوۂ خندق کے بعد وہ قحط اور معاشی بدحالی کا شکار ہوئے اور اس نوبت کو پہنچ گئے کہ گلی سڑی لاشیں بھی کھانے لگے تو ان کا سردار ابوسفیان مدینہ جا کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا اور اپنی قوم کی تنگی اور بدحالی بیان کر کے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ اللہ سے دعا فرمائیں تو آپ ﷺ نے نہ صرف دعا فرمائی بلکہ پانچ سو دینار اور کچھ کھجوریں بھی امداد کے طور پر عطا فرمائیں۔ بدترین دشمنوں کے ساتھ ایسی رحمدلی فرمانا حضور ﷺ کا ہی خاصہ تھا۔

۲۔ مکہ معظمہ میں جب آپ ﷺ پر اور اہل ایمان پر مشرکین مکہ مظالم ڈھا رہے تھے اسی زمانے میں ایک صحابی حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ، دشمنوں کے حق میں بددعا فرمایئے۔ یہ سن کر آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک غصہ سے سرخ ہو گیا۔ ایک اور موقع پر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے اسی قسم کی درخواست کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا، میں دنیا کے لیے لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ طائف میں آپ ﷺ دعوت اسلام کے لیے تشریف لے گئے تو طائف والوں نے آپ ﷺ پر پتھر برسائے لیکن آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔

۳۔ آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور متبنیٰ حضرت زید بن حارثہ غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے تو ان کی بچی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ حضور اس کے غم کو دیکھ کر بہت غمزدہ ہوئے اور اس قدر روئے کہ گلے میں آواز رندھ گئی۔

۴۔ ایک دفعہ ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ اپنے غلام کو پیٹ رہے تھے۔ حضور ﷺ نے دور سے دیکھ لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ابومسعود! تم کو جتنا

www.CSSExamPoint.com

اس غلام پر اختیار ہے اللہ کو اس سے زیادہ تم پر اختیار ہے۔ ابو مسعود رضی اللہ عن نے مڑ کر دیکھا تو حضور پاک ﷺ تھے۔ عرض کی، یا رسول اللہ، میں نے اس غلام کو اللہ کی رضا کے لیے آزاد کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اگر تم ایسا نہ کرتے تو دوزخ کی آگ تمہیں چھو لیتی۔

حضور ﷺ نے جنگ کے دوران جن اخلاقی اقدار کو ملحوظ فرمایا اور جن کو تعلیم دی وہ بھی آپ ﷺ کی بے پایاں رحمت کا مظہر ہے۔ یعنی یہ کہ مثلہ نہ کیا جائے، بچوں، عورتوں، معذوروں، راہبوں وغیرہ بے ضرر لوگوں کو قتل نہ کیا جائے، بستیوں، فصلوں، کھیتوں اور باغات کو نہ اجاڑا جائے اور کسی بھی قسم کا کوئی وحشیانہ فعل نہ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے رحم کرنے کی تعلیم دی ہے، بالخصوص کمزوروں، یعنی بچوں، عورتوں، غلاموں اور خادموں پر۔ اسی طرح جانوروں پر بھی رحم کرنے کی تعلیم دی ہے۔

عفو و درگزر:

حضور ﷺ غالب ہونے کی صورت میں اپنے بدترین دشمن کو بھی معاف فرما دیتے تھے، کبھی آپ ﷺ نے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ مشرکین مکہ نے آپ ﷺ پر اور ایمان والوں پر کیا کیا ظلم کیے تھے، کیسی کیسی اذیتیں دی تھیں، تاریخ کے صفحات ان کی تفصیل سے بھرے پڑے ہیں۔ لیکن جب مکہ فتح ہوا تو رحمۃ للعالمین ﷺ نے ان کے مظالم کا انتقام لینے کے بجائے ان سب کو معاف فرما دیا۔ حالانکہ اس زمانے کے دستور کے مطابق مفتوحین کے ساتھ یہ سلوک کرنا جائز تھا کہ لڑنے کے قابل سب مردوں کو قتل کر دیا جاتا اور بچوں اور عورتوں کو غلام لونڈی بنا لیا جاتا اور ان کے مال و جائیداد لوٹ لیے جاتے لیکن آپ ﷺ نے ان کو مال و جان کی امان عطا فرمائی۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے، ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے ان کی نعش کی سخت بے حرمتی کی، ان کا کلیجہ نکال کر چبایا۔ فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ نے اسے بھی معاف فرما دیا۔

صبر و استقامت:

حضور ﷺ نے بعثت سے لے کر وصال تک دین حق کی سربلندی کے لیے جس استقامت کا مظاہرہ فرمایا اور اس راہ میں پہنچنے والی تکالیف و مصائب پر جس طرح صبر سے کام لیا اس کی مثال ملنی محال ہے۔ اس پورے تیئس برس کے طویل عرصہ میں آپ ﷺ کو مسلسل طرح طرح کے مصائب و مشکلات پیش آئے لیکن آپ ﷺ نے بے مثال صبر و استقامت کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔ آپ ﷺ نے تن تنہا نعرۂ توحید بلند کیا، اس پر آپ ﷺ کی شدید مخالفت اور پھر مزاحمت شروع ہو گئی۔ آپ ﷺ کے اپنے خاندان میں سے صرف آپ ﷺ کے چچا ابو طالب آپ ﷺ کا ساتھ دے رہے تھے۔ ایک دن قریش مکہ نے حضرت ابو طالب کو دھمکی آمیز لہجے میں کہا کہ اپنے بھتیجے سے کہو کہ اپنے نئے دین سے باز آ جائے ورنہ ہم دونوں میں سے ایک فریق مٹ جائے گا۔ ظاہر بات ہے کہ یہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ کو مٹانے کی دھمکی تھی، کیونکہ سارا شہر ایک طرف تھا اور حضور ﷺ اکیلے ایک طرف۔ حضرت ابو طالب نے حضور ﷺ کو قریش کی یہ دھمکی بتانے کے بعد کہا، اے میرے بھتیجے، مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈال کہ میں اٹھا نہ سکوں۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا، چچا جان! آپ نے اب تک میری جو مدد کی ہے اس کا شکریہ۔ آپ بے شک میری مدد سے کنارہ کش ہو جائیں۔ اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تو بھی میں اپنے دین سے نہ ہٹوں گا تا آنکہ اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب کر دے یا میری جان چلی جائے۔ حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا یہ عزم صمیم دیکھ کر حضور ﷺ سے فرمایا، جا اور جیسے جی چاہے تبلیغ کر، میں ہرگز تیرا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔"

www.CSSExamPoint.com

قریش مکہ کہ حضور پاک ﷺ کا اور آپ ﷺ کا ساتھ دینے والے ہر شخص کا سوشل بائیکاٹ کا فیصلہ کیا۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خاندان کے لوگ بچوں اور عورتوں سمیت تین سال تک مکہ کے قریب ایک گھاٹی میں محصور رہے جو شعب ابی طالب کے نام سے مشہور ہے۔ کفار مکہ سخت نگرانی رکھتے تھے کہ کوئی شخص چوری چھپے بنو ہاشم کو کھانے پینے کی کوئی چیز نہ دے دے۔ فاقوں تک نوبت آجاتی، بچے بھوک پیاس سے بے چین ہو کر بلک بلک کر روتے اور چلاتے۔ کفار مکہ پہاڑیوں کی اوٹ میں رونے اور چیخنے کی یہ آوازیں سنتے تو خوش ہوتے کہ بس اب بنو ہاشم گھٹنے ٹیک دیں گے لیکن صبر واستقامت کے پیکر حضور ﷺ نے نہ صرف اپنی دعوت اسلام کو جاری رکھا بلکہ آپ ﷺ کی تبلیغی سرگرمیاں پہلے سے بھی بڑھ گئیں۔

کفار مکہ آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نت نئے طریقوں سے ایذائیں دیتے رہے، آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھاتے، آپ ﷺ پر مٹی اور پتھر پھینکتے، آپ ﷺ کے گھر آکر ہنڈیا میں گندگی ڈال جاتے۔ آپ ﷺ نے اپنے اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہونے والے مظالم پر انتہائی صبر سے کام لیا۔ مخالفین کے خلاف کبھی بددعا تک نہ کی بلکہ ان کے لیے دعا ہی فرماتے۔ آپ ﷺ اپنے دین پر ثابت قدمی کے ساتھ ڈٹے رہے۔ قریش مکہ کے مظالم کی انتہا ہوگئی تو آپ ﷺ نے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ ہجرت فرمائی۔ مشرکین مکہ نے وہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا، انہوں نے مسلسل کئی جنگیں مسلط کیں۔ ہر جنگ میں کفار مکہ کی تعداد اور سامان جنگ کی کثرت اور مسلمانوں کی تعداد اور اسلحہ میں قلت کے باوجود حضور ﷺ نے بے مثال صبر واستقامت سے کام لیا، اپنے موقف پر مضبوطی کے ساتھ ڈٹے رہے اور گھبرا کر پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے آکر ان کا عزم وحوصلہ کے ساتھ مقابلہ کیا اور انہیں شکست دی۔ مدینہ میں منافقین اور یہودیوں کی سازشیں اس کے علاوہ تھیں۔ یہ آستین کے سانپ تھے، جب بھی موقع ملتا ڈسنے کی کوشش کرتے، رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے واقعہ افک کے ذریعے حضور ﷺ کو اور آپ ﷺ کے خاندان کو سخت ذہنی اذیت پہنچائی مگر آپ ﷺ نے اس پر بھی صبر کیا۔ عمر مبارک کے آخری حصہ میں، جب سارا عرب آپ ﷺ کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہو چکا تھا اور پورے عرب نے ایک اسلامی ریاست کی شکل اختیار کر لی تھی اس نوزائیدہ اسلامی ریاست کو سلطنت روما کے عیسائیوں کی طرف سے شدید خطرات درپیش ہو گئے۔ آپ ﷺ کو ان خطرات کو دور کرنے کے لیے اپنی عمر کے اس حصے میں تبوک جیسی سخت مشکل اور صبر آزما مہم پر جانا پڑا۔ غرض آپ ﷺ کی پوری حیات طیبہ صبر واستقامت سے عبارت ہے۔

فقر وزہد:

حضور اکرم ﷺ نے نہایت فقر وزہد کی زندگی بسر فرمائی۔ آپ ﷺ نے اپنی خوشی سے اپنے اور اپنے خاندان کے لیے فقر وزہد کو اختیار فرمایا۔ آپ ﷺ کا فقر اختیاری تھا، جبری نہ تھا۔ آپ ﷺ کو جو کچھ ملتا غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم فرما دیتے اور خود تنگی کی زندگی گزارتے۔ آپ ﷺ کے فقر وزہد سے متعلق چند باتیں اور واقعات بطور مثال ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں:

۱۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کے گھر والوں نے آپ ﷺ کے وصال تک کبھی جو کی روٹی بھی لگاتار دو دن شکم سیر ہو کر نہیں کھائی۔

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم دو ماہ میں تین (مرتبہ) چاند دیکھ لیا کرتے تھے اور اس عرصہ میں رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں چولھا نہیں جلتا تھا، کھجور اور پانی پر گزارا ہوتا تھا۔

۳۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی خوشحالی اور دولت مندی کا

www.CSSExamPoint.com

ذکر کرنے کے بعد فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھا ہے کہ آپ ﷺ دن بھر بھوکے پیٹ رہتے اور آپ ﷺ کے پاس پیٹ بھرنے کے لیے ردی کھجور بھی نہ ہوتی تھی۔

۴۔ ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عمرو بن حارث، رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے وصال کے وقت نہ دینار چھوڑے نہ درہم، نہ غلام، نہ لونڈی اور نہ کوئی اور چیز سوائے اپنے سفید خچر کے جس پر آپ ﷺ سواری فرمایا کرتے تھے اور اپنے ہتھیار کے اور اس زمین کے جو آپ ﷺ نے مسافروں کے لیے وقف فرما رکھی تھی۔

۵۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے وقت آپ ﷺ کی ایک زرہ تیس صاع جو کے بدلے ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔

۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اے اللہ! محمد (ﷺ) کے گھر والوں کو اتنا رزق عطا فرما کر جو زندہ رہنے کے لیے ضروری ہو۔''

۷۔ جب سارے عرب پر آپ ﷺ کی حکومت قائم ہوگئی تو آپ ﷺ سے ازواج مطہرات نے خرچہ بڑھانے کا مطالبہ کیا، جسے آپ ﷺ نے منظور نہ فرمایا۔ بات بڑھی تو آپ ﷺ ان سے ناراض ہو کر گھر میں ہی الگ ہو گئے۔ اس علیحدگی کی حالت کو ایک ماہ گزرا تو اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرما کر آپ ﷺ کو حکم دیا:

ترجمہ: ''اے نبی ﷺ اپنی ازواج سے کہہ دیجیے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ متاع دے کر اچھی طرح رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور دار آخرت کو چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔''

ازواج مطہرات نے اللہ تعالیٰ، اللہ کے رسول ﷺ اور آخرت کو دنیا کی زینت پر ترجیح دی اور اسی طرح تنگی اور فقر و فاقہ سے زندگی گزارنا منظور کر لیا۔

حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فقر و زہد کا دائرہ صرف معاشی زندگی کو محیط ہے، بیوی سے پیار محبت کا اظہار اور اس کی ناز برداریاں فقر و زہد کے منافی نہیں ہیں۔

حضور ﷺ نے اپنی امت کو اس امر کی تعلیم فرمائی ہے کہ دنیا کی چیزوں میں کھو نہ جائیں۔ ذیل میں حضور ﷺ کے چند ارشادات گرامی درج کیے جاتے ہیں:

(الف) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جائداد نہ بناؤ، ایسا نہ ہو کہ دنیا کے ہو کے رہ جاؤ۔

(ب) حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر امت کے لیے کوئی نہ کوئی چیز آزمائش رہی ہے اور میری امت کی آزمائش مال ہے۔

(ج) حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ابن آدم کہتا ہے، میرا مال، میرا مال۔ اور اے ابن آدم کیا تیرے مال میں سے کچھ بھی تیرا ہے سوائے اس کے جو تو نے کھا کر فنا کر دیا یا پہن کر بوسیدہ کر ڈالا یا صدقہ کر کے آگے بھیج دیا۔

(د) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔

www.CSSExamPoint.com

(۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے دونوں کندھے پکڑ کر فرمایا: دنیا میں اس طرح رہ کہ گویا تو پردیسی یا راہ گیر ہے۔

صدق، امانت، عفو، صبر و استقامت اور فقر و زہد حضور اکرم ﷺ کے اخلاق کے نمایاں پہلو ہیں۔ ان کے علاوہ جو اخلاق حسنہ ہیں، مثلاً حلم، تحمل، تواضع و انکسار، ایفائے عہد، سخاوت اور شجاعت وغیرہ تو آپ ﷺ کی سیرت طیبہ میں ان کی نہایت شاندار اور اعلیٰ مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔

انکساری و تواضع:

آپ ﷺ سب سے زیادہ متواضع اور تکبر سے دور تھے۔ جس طرح بادشاہوں کے لیے ان کے خدام و حاشیہ بردار کھڑے رہتے ہیں اس طرح اپنے لیے آپ ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کھڑے ہونے سے منع فرماتے تھے۔ مسکینوں کی عیادت کرتے تھے، فقرا کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے، غلام کی دعوت منظور فرماتے تھے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں کسی امتیاز کے بغیر ایک عام آدمی کی طرح بیٹھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ اپنے جوتے خود ٹانکتے تھے، اپنے کپڑے خود سیتے تھے اور اپنے ہاتھ سے اس طرح کام کرتے تھے جیسے تم میں سے کوئی آدمی اپنے گھر کے کام کاج کرتا ہے۔ آپ ﷺ بھی انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ اپنے کپڑے خود ہی دیکھتے اپنی بکری خود دوہتے تھے اور اپنا کام خود کرتے تھے۔

آپ ﷺ سب سے بڑھ کر عہد کی پابندی اور صلہ رحمی فرماتے تھے، لوگوں کے ساتھ سب سے زیادہ شفقت اور رحم و مروت سے پیش آتے تھے، رہائش اور ادب میں سب سے اچھے تھے۔ آپ ﷺ کا اخلاق سب سے زیادہ کشادہ تھا۔ بدخلقی سے سب سے زیادہ دور و نفور تھے۔ نہ عادتاً فحش گو تھے نہ بہ تکلف فحش کہتے تھے، نہ لعنت کرتے تھے۔ نہ بازار میں چیختے چلاتے تھے، نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے، بلکہ معافی اور درگزر سے کام لیتے تھے۔ کسی کو اپنے پیچھے چلتا ہوا نہ چھوڑتے تھے اور نہ کھانے پینے میں اپنے غلاموں اور لونڈیوں پر ترفع اختیار فرماتے تھے۔ اپنے خادم کا کام خود ہی کر دیتے تھے۔ کبھی اپنے خادم کو اف نہیں کہا۔ نہ اس پر کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر عتاب فرمایا۔ مسکینوں سے محبت کرتے، ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھے اور ان کے جنازوں میں حاضر ہوتے تھے۔ کسی فقیر کو اس کے فقر کی وجہ سے حقیر نہیں سمجھتے تھے۔ ایک بار آپ ﷺ سفر میں تھے۔ ایک بکری کاٹنے پکانے کا مشورہ ہوا۔ ایک نے کہا، ذبح کرنا میرے ذمہ، دوسرے نے کہا کھال اتارنا میرے ذمہ، تیسرے نے کہا، پکانا میرے ذمہ، نبی ﷺ نے فرمایا ایندھن کی لکڑیاں جمع کرنا میرے ذمہ صحابہ نے عرض کیا، ہم آپ ﷺ کا کام کر دیں گے آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں جانتا ہوں تم لوگ میرا کام کر دو گے لیکن میں پسند نہیں کرتا کہ تم پر امتیاز حاصل کروں کیونکہ اللہ اپنے بندے کی یہ حرکت ناپسند کرتا ہے کہ اپنے آپ کو رفقاء میں ممتاز سمجھے۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے اٹھ کر لکڑیاں جمع فرمائیں۔

کمال مکارم اخلاق:

آیئے ذرا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی زبانی رسول اللہ ﷺ کے اوصاف سنیں۔ ہند رضی اللہ عنہ اپنی ایک طویل روایت میں کہتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ پیہم غموں سے دوچار تھے۔ ہمیشہ غور و فکر فرماتے رہتے تھے۔ آپ ﷺ کے لیے راحت نہ تھی۔ بلاضرورت نہ بولتے تھے۔ دیر تک خاموش رہتے تھے۔ از اول تا آخر بات پورے منہ سے کرتے تھے، یعنی صرف منہ کے کنارے سے نہ بولتے تھے۔ جامع اور دوٹوک کلمات کہتے تھے جن میں نہ فضول گوئی ہوتی تھی نہ کوتاہی۔ نرم خو تھے، جفا جو اور حقیر نہ تھے۔ نعمت معمولی بھی ہوتی تو اس کی تعظیم کرتے تھے۔ کسی چیز کی مذمت نہیں فرماتے تھے۔ کھانے کی نہ برائی کرتے تھے نہ تعریف حق کو کوئی نقصان پہنچاتا تو جب تک انتقام نہ لے لیتے آپ ﷺ کے غضب کو روکا نہ جا سکتا تھا۔ البتہ کشادہ

www.CSSExamPoint.com

دل تھے، اپنے نفس کے لیے نہ غضبناک ہوتے نہ انتقام لیتے۔ جب اشارہ فرماتے تو پوری ہتھیلی سے اشارہ فرماتے اور تعجب کے وقت ہتھیلی پلٹتے۔ جب غضبناک ہوتے تو رخ پھیر لیتے اور جب خوش ہوتے تو نگاہ پست فرما لیتے۔ آپ ﷺ کی بیشتر ہنسی تبسم کی صورت میں تھی۔ مسکراتے تو دانت اولوں کی طرح چمکتے۔ لایعنی بات سے زبان روکے رکھتے۔ ساتھیوں کو جوڑتے تھے، توڑتے نہ تھے۔ ہر قوم کے معزز آدمی کی تکریم فرماتے تھے اور اسی کو ان کا والی بناتے تھے۔ لوگوں (کے شر) سے محتاط رہتے اور ان سے بچاؤ اختیار فرماتے تھے لیکن اس کے لیے کسی سے اپنی خندہ جبینی ختم نہ فرماتے تھے۔ اپنے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خبر گیری کرتے اور لوگوں کے حالات دریافت فرماتے۔ اچھی چیز کی تحسین وتصویب فرماتے اور بری چیز کی قبیح و توہین۔ معتدل تھے، افراط وتفریط سے دور تھے۔ غافل نہ ہوتے تھے کہ مبادا لوگ بھی غافل یا ملول خاطر ہو جائیں۔ ہر حالت کے لیے مستعد رہتے تھے۔ حق سے کوتاہی نہ فرماتے تھے، نہ حق سے تجاوز فرما کر ناحق کی طرف جاتے تھے۔ جو لوگ آپ ﷺ کے قریب رہتے تھے وہ سب سے اچھے لوگ تھے اور ان میں بھی آپ ﷺ کے نزدیک افضل وہ تھا جو سب سے بڑھ کر خیر خواہ ہو؛ اور سب سے زیادہ قدر آپ ﷺ کے نزدیک اس کی تھی جو سب سے اچھا غمگسار و مددگار ہو۔

آپ ﷺ اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر ضرور فرماتے جگہیں متعین نہ فرماتے — یعنی اپنے لیے کوئی امتیازی جگہ مقرر نہ فرماتے — جب قوم کے پاس پہنچتے تو مجلس میں جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے اور اسی کا حکم بھی فرماتے۔ سب اہل مجلس پر برابر توجہ فرماتے، حتی کہ کوئی جلیس یہ نہ محسوس کرتا کہ کوئی شخص آپ ﷺ کے نزدیک اس سے زیادہ باعزت ہے۔ کوئی کسی ضرورت سے آپ ﷺ کے پاس بیٹھتا یا کھڑا ہوتا تو آپ ﷺ اتنے صبر کے ساتھ اس کے لیے رکے رہتے کہ وہ خود ہی واپس ہوتا۔ کوئی کسی ضرورت کا سوال کر دیتا تو آپ ﷺ اسے عطا کئے بغیر یا اچھی بات کہتے بغیر واپس نہ فرماتے۔ آپ ﷺ نے اپنی خندہ جبینی اور اخلاق سے سب کو نوازا، یہاں تک کہ آپ ﷺ سب کے لیے باپ کا درجہ رکھتے تھے اور سب آپ ﷺ کے نزدیک یکساں حق رکھتے تھے، کسی کو فضیلت تھی تو تقویٰ کی بنیاد پر۔ آپ ﷺ کی مجلس حلم وحیاء اور صبر وامانت کی مجلس تھی۔ اس میں آوازیں بلند نہ کی جاتی تھیں اور نہ حرمتوں پر عیب لگتے تھے — یعنی کسی کی بے آبروئی کا اندیشہ نہ تھا — لوگ تقویٰ کی بدولت باہم محبت و ہمدردی رکھتے تھے۔ بڑے کا احترام کرتے تھے چھوٹے پر رحم کرتے تھے، حاجتمند کو نوازتے تھے اور اجنبی کو انس عطا کرتے تھے۔

آپ ﷺ کے چہرے پر ہمیشہ بشاشت رہتی۔ سہل خو اور نرم پہلو تھے جفا جو اور سخت خو نہ تھے۔ نہ چیختے چلاتے تھے، نہ فحش کہتے تھے نہ زیادہ عتاب فرماتے تھے نہ بہت تعریف کرتے تھے۔ جس چیز کی خواہش ہوتی اس سے تغافل برتتے تھے۔ آپ ﷺ سے مایوسی نہیں ہوتی تھی۔

آپ ﷺ نے تین باتوں سے اپنے نفس کو محفوظ رکھا:

(۱) ریاء سے (۲) کسی چیز کی کثرت سے؛ اور

(۳) لایعنی بات سے

تین باتوں سے لوگوں کو محفوظ رکھا یعنی آپ ﷺ

(۱) کسی کی مذمت نہیں کرتے تھے (۲) کسی کو عار نہیں دلاتے تھے اور

(۳) کسی کی عیب جوئی نہیں کرتے تھے

www.CSSExamPoint.com

آپ ﷺ وہی بات نوک زبان پر لاتے تھے جس میں ثواب کی امید ہوتی۔ جب آپ ﷺ تکلم فرماتے تو آپ ﷺ کے ہم نشین یوں سر جھکائے ہوتے گویا سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور جب آپ ﷺ خاموش ہوتے تو لوگ گفتگو کرتے۔ لوگ آپ ﷺ کے پاس گپ بازی نہ کرتے۔ آپ ﷺ کے پاس جو کوئی بولتا سب اس کے لیے خاموش رہتے، یہاں تک کہ وہ اپنی بات پوری کر لیتا۔ ان کی بات ہی ہوتی جو ان کا پہلا شخص کرتا۔ جس بات سے سب لوگ ہنستے اس سے آپ ﷺ بھی ہنستے اور جس بات پر سب لوگ تعجب کرتے اس پر آپ ﷺ بھی تعجب کرتے۔ اجنبی آدمی درشت کلامی سے کام لیتا تو اس پر آپ ﷺ صبر کرتے اور فرماتے: ''جب تم لوگ حاجتمند کو دیکھو کہ وہ اپنی حاجت کی طلب میں ہے تو اسے سامان ضرورت سے نواز دو۔'' آپ ﷺ احسان کا بدلہ دینے والے کے سوا کسی سے ثناء کے طالب نہ ہوتے۔

پروقار شخصیت:

خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ اپنی مجلس مین سب سے زیادہ باوقار ہوتے۔ اپنے پاؤں وغیرہ نہ پھیلاتے، بہت زیادہ خاموش رہتے۔ بلاضرورت نہ بولتے، جو شخص نامناسب بات بولتا اس سے رخ پھیر لیتے۔ آپ ﷺ کی ہنسی مسکراہٹ تھی اور کلام دوٹوک؛ نہ فضول نہ کوتاہ۔ آپ ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہنسی بھی آپ کی توقیر و اقتداء میں مسکراہٹ ہی کی حد تک ہوتی۔

حاصل کلام یہ کہ نبی ﷺ بے نظیر صفاتِ کمال سے آراستہ تھے۔ آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کو بے نظیر ادب سے نوازا تھا حتی کہ اس نے خود آپ ﷺ کی تعریف میں فرمایا:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (۴:۶۸)

ترجمہ: ''یقیناً آپ عظیم اخلاق پر ہیں۔''

اور یہ ایسی خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے لوگ آپ ﷺ کی طرف کھنچ آئے، دلوں میں آپ ﷺ کی محبت بیٹھ گئی اور آپ ﷺ کو قیادت کا وہ مقام حاصل ہوا کہ لوگ آپ ﷺ پر وارفتہ ہو گئے۔ ان ہی خوبیوں کے سبب آپ ﷺ کی قوم کی اکڑ اور سختی نرمی میں تبدیل ہوئی یہاں تک کہ یہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو گئی۔

یاد رہے کہ ہم نے پچھلے صفحات میں آپ ﷺ کی جن خوبیوں کا ذکر کیا ہے وہ آپ ﷺ کے کمال اور عظیم صفات کے مظاہر کی چند چھوٹی لکیریں ہیں ورنہ آپ ﷺ کے مجد و شرف اور شمائل و خصائل کی بلندی اور کمال کا یہ عالم تھا کہ ان کی حقیقت اور تہ تک نہ رسائی ممکن ہے نہ اس کی گہرائی ناپی جا سکتی ہے۔

بھلا عالم وجود کے اس سب سے عظیم بشر کی عظمت کی انتہا تک کس کی رسائی ہو سکتی ہے جس نے مجد و کمال کی سب سے بلند چوٹی پر اپنا نشیمن بنایا اور اپنے رب کے نور سے اس طرح منور ہوا کہ کتاب الٰہ ہی کو اس کا وصف اور خلق قرار دیا گیا یعنی

ع قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

رسول کریم ﷺ اخلاق حسنہ کے سب سے اعلیٰ مرتبے پر فائز تھے۔ اخلاق فاضلہ میں سے ہر خلق آپ ﷺ پر کمال پذیر ہو گیا۔ آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کریمہ کی گواہی تو خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے دی: وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم، ۴:۶۸)۔ ''اور یقیناً آپ ﷺ کے اخلاق عظیم ہیں۔'' آپ ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد یہ بتایا ہے: انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق، ''مجھے تو بھیجا ہی اس لیے گیا ہے کہ میں اخلاق فاضلہ کی تکمیل کروں۔'' مثال کے طور پر حضور ﷺ کے اخلاق کریمہ کے چند پہلو بیان کیے جاتے ہیں:

www.CSSExamPoint.com

بے تکلفی:

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میری تعریف میں زیادہ مبالغہ مت کرو۔ جیسے نصاری نے عیسی بن مریم علیہ السلام کو حد سے زیادہ بڑھا دیا۔ میں تو اللہ کے بندوں میں سے ایک ہوں۔ اس لیے مجھے عبداللہ ورسولہ کہا کرو۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو سب صحابہ تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جیسے عجمی آپس میں ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اس طرح تم کو کھڑا ہونا نہ چاہیے۔ آپ ﷺ اپنے اصحاب میں بالکل ملے جلے رہتے تھے اور مجلس میں جہاں جگہ مل جاتی تھی وہیں بیٹھ جاتے تھے۔ آپ ﷺ نوکروں کے کام میں شریک ہو جاتے اور ان کو اپنے پاس بٹھا لیتے تھے۔ بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ کوئی شخص کسی یہودی کا مقروض ہوا اور یہودی نے تنگ طلبی کی۔ وہ شخص آپ ﷺ کے پاس آیا۔ اگر آپ ﷺ کے پاس کچھ ہوا تو خود اس کا قرض دے دیا ورنہ اس یہودی کے پاس خود تشریف لے گئے اور اس سے کچھ مہلت دینے کے لیے کہا۔ مگر یہودی لوگ اس کا بھی کچھ خیال نہیں کرتے تھے تو آپ ﷺ ادھر ادھر کوشش کر کے جس طرح ممکن ہوتا تھا ادائے قرض کا بندوبست کر دیتے تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بھوکوں اور مسکینوں کے لیے کوشش کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ قائم اللیل اور صائم النہار کے برابر درجہ رکھتا ہے۔

ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ جنت پانے کا کیا عمل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: صدق۔ کیونکہ جب آدمی سچا ہوتا ہے تو نیکی کرتا ہے اور جب نیکی کرتا ہے تو نور ایمان پیدا ہوتا ہے اور جب ایمان دار ہوتا ہے تو جنت میں داخل ہوتا ہے۔ ایک اور واقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ خبردار! سچے رہو، خواہ تم کو سچائی میں ہلاکت ہی کیوں نہ نظر آئے۔ کیونکہ بلاشبہ نجات اسی میں ہے۔ مکہ سے بدر کی طرف آتے ہوئے راستے میں اخنس بن شریق نے ابوجہل سے کہا کہ اے ابوالحکم میں تجھ سے ایک بات پوچھتا ہوں۔ اس جگہ ہم دونوں کے سوا کوئی تیسرا شخص ہماری بات سننے والا نہیں ہے، تو مجھے سچ سچ بتا دے کہ آیا محمد (ﷺ) جھوٹا ہے یا سچا۔ ابوجہل نے جواب دیا کہ واللہ بے شک محمد (ﷺ) ہمیشہ سچ بولتا ہے اور اس نے کبھی غلط بیانی نہیں کی۔

خوش طبعی:

آپ ﷺ کبھی خوش طبعی بھی فرما لیتے تھے۔ مثلاً ایک مرتبہ آپ ﷺ نے کسی کو ایک اونٹ دینے کا وعدہ کیا۔ جب وہ آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تجھے اونٹنی کا بچہ دیتا ہوں۔ یہ سن کر وہ شخص کہنے لگا میں اونٹنی کا بچہ کیا کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اونٹ اونٹنی کے بچے نہیں ہوتے تو وہ کس کے بچے ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ نے خوش طبعی کی راہ سے بجائے اونٹ کے اونٹنی کا بچہ کہا تھا۔ وہ سمجھا کہ شاید آپ ﷺ نے چھوٹے سے کم عمر بچے کے لیے حکم دیا ہے۔ آپ ﷺ خوش طبعی فرماتے تھے لیکن خوش طبعی میں بھی صدق وراستی کے سوا آپ ﷺ کی زبان سے کوئی کلمہ غلط یا جھوٹ نہیں نکلتا تھا۔ آپ ﷺ لوگوں کو کھیلنے کودنے یا خوشی منانے سے بھی منع نہیں فرماتے تھے۔

اخلاق حمیدہ:

آپ ﷺ جب بیٹھتے تو لوگوں کے اندر اس طرح ملے جلے ہوتے کہ کوئی نووارد آپ ﷺ کو پہچان نہیں سکتا تھا اور پوچھنے کی ضرورت پیش آتی تھی کہ نبی ﷺ کون ہیں۔ ایسی چیز جس کے کھانے سے منہ بدبودار ہو جائے، آپ ﷺ پسند نہ فرماتے تھے۔ پیوند لگا ہوا کپڑا پہن لیتے اور اچھا کپڑا

www.CSSExamPoint.com

مل جائے تو اسے پھینک نہ دیتے تھے۔ آپ ﷺ کا لباس سادہ مگر صاف ہوتا تھا۔ دن میں کئی کئی مرتبہ مسواک کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے پاس بیٹھنے والے یہ شہادت دیتے ہیں کہ کبھی آپ ﷺ کے جسم، لباس یا منہ سے بو نہیں آئی۔ جہاں عفو سے اصلاح ہوتی وہاں آپ ﷺ عفو کرتے، مگر جہاں سزا کی ضرورت ہوتی وہاں سزا بھی دیتے کیونکہ ان شریروں کو جو شرارت سے باز نہ آتے تھے، سزا نہ دینا بدی کی اعانت کرنا تھا۔

مسلمانوں کی خیرات کو آپ ﷺ نے مسلمانوں ہی تک محدود نہیں رکھا۔ عیسائی، یہودی، مشرک سب سے فیاضی کا برتاؤ کرتے۔ آپ ﷺ پر جو بڑی سے بڑی مصیبت آتی اسے آسانی سے برداشت کر لیتے۔ مگر دوسروں کی مصیبت پر آپ ﷺ کا دل بے چین ہو جاتا تھا۔ آپ ﷺ اسباب سے کام لیتے تھے اور نتیجے کو اللہ پر چھوڑ دیتے تھے اور کبھی اس بات سے نہیں گھبراتے تھے کہ نتیجہ خلاف امید ہو۔ آپ ﷺ میں تواضع تھی مگر دنائت نہ تھی۔ ہیبت تھی مگر درشتی نہ تھی۔ سخاوت تھی مگر اسراف نہ تھا۔ جو شخص آپ ﷺ کے سامنے یکا یک آجاتا وہ ہیبت زدہ ہو جاتا اور جو پاس آ بیٹھتا وہ فدائی بن جاتا۔ متعدی امراض سے بچاؤ رکھتے، تندرستوں کا محتاط رہنے کا حکم دیتے اور نادان طبیب کو طبابت سے منع کرتے۔ حرام اشیاء کو بطور دوا استعمال کرنا ناپسند فرماتے تھے جب کسی معاملے مین دو صورتیں سامنے آتیں تو آسان صورت کا اختیار فرما لیتے۔ اسیرانِ جنگ کی خبر گیری، مہمانوں کی طرح فرماتے تھے۔ تیر اندازی، نشانہ بازی، گھوڑ دوڑ وغیرہ مردانہ ورزشوں میں بھی آپ ﷺ شریک ہوا کرتے تھے۔ غرض کہ

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچیں بہار تو زما مان گلہ دارد

پیغمبر ﷺ بطور سفارت کار

(The Prophet (SAW) as Diplomat)

حضرت محمد ﷺ سب سے بڑے سفارتکار تھے اور آپ ﷺ اسلام کی تبلیغ کے دوران مختلف قسم کی سفارتکارانہ سرگرمیوں میں مصروف رہے اور ان کو رواج دیا۔ آپ ﷺ نے قبائلی سرداروں اور غیر ملکی سربراہوں سے سفارتکاری کے ذریعے روابط قائم کئے، ان کو خطوط لکھے، سفراء بھیجے اور اسلام اور امن کی طرف بلایا۔ بعض جگہوں پر تو آپ ﷺ خود بنفس نفیس تشریف لے گئے مثلاً طائف میں آپ ﷺ نے خود جا کر وہاں کے سرداروں کو دعوت اسلام دی۔

آپ ﷺ نے نہ صرف عرب کے اندر مختلف سربراہوں، گورنروں کو خطوط ارسال کئے بلکہ جزیرۃ العرب کے باہر بھی سفراء کے ذریعے ایسے حکمرانوں سے روابط قائم کئے جیسے کہ نجاشی شاہ حبشہ، کسریٰ ایران، قیصر روم وغیرہ۔

اسی طرح آپ ﷺ جب مدینہ پہنچے تو وہاں اوس و خزرج کے درمیان صلح کرا کے ان کو انصار میں یکجا کر دیا اور انصار مدینہ اور مہاجرین مکہ کے مابین اخوت کا رشتہ قائم کر دیا۔ میثاق مدینہ، ایک بے مثال عہد نامہ کے ذریعے یہود کو اسلامی ریاست کے اندر شامل کیا اور اپنی سیاسی قیادت تسلیم کروائی اور وجود باہمی کو رواج دیا۔

آپ ﷺ نے ایسے معاہدے بھی کیے جیسے کہ بیعت عقبہ اولیٰ و ثانیہ، صلح حدیبیہ، بیعت رضوان وغیرہ۔ آپ ﷺ چاندی کی ایک مہر بھی استعمال کرتے تھے جو خطوط پر ثبت کر دی جاتی تھی۔ جس پر یہ الفاظ کندہ تھے

www.CSSExamPoint.com

اللہ
رسول
محمد

آپ ﷺ اپنی زندگی میں درج ذیل سفارتکارانہ سرگرمیوں میں مصروف رہے۔

خلف الفضول:

خلف الفضول کا اہتمام چند قبائل قریش یعنی بنی ہاشم، بنی مطلب، بنی اسد بن عبدالعزی بنی زہرہ بن کلاب اور بنی تیم بن مرہ نے اس کا اہتمام کیا۔ یہ لوگ عبداللہ بن جدعان تیمی کے مکان پر جمع ہوئے..... کیونکہ وہ سن وشرف میں ممتاز تھا..... اور آپس میں عہد و پیمان کیا کہ مکہ میں جو بھی مظلوم نظر آئے گا خواہ مکے کا رہنے والا ہو یا کہیں اور کا یہ سب اس کی مدد اور حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں گے اور اس کا حق دلوا کر رہیں گے۔ اس اجتماع میں رسول اللہ ﷺ بھی تشریف فرما تھے اور بعد میں شرف رسالت سے مشرف ہونے کے بعد فرمایا کرتے تھے، ''میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدے میں شریک تھا کہ مجھے اس کے عوض سرخ اونٹ بھی پسند نہیں اور اگر (دور) اسلام میں اس عہد و پیمان کے لیے مجھے بلایا جاتا تو میں لبیک کہتا۔

اس معاہدے کی روح عصبیت کی تہ سے اٹھنے والی جاہلی حمیت کے منافی تھی۔ اس معاہدے کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ زبید کا ایک آدمی سامان لے کر مکہ آیا اور عاص بن وائل نے اس سے سامان خریدا۔ لیکن اس کا حق روک لیا۔ اس نے حلیف قبائل عبالدار، مخزوم، جمح، سہم اور عدی سے مدد کی درخواست کی لیکن کسی نے توجہ نہ دی۔ اس کے بعد اس نے جبل ابوقبیس پر چڑھ کر بلند آواز سے چند اشعار پڑھے جن میں اپنی داستان مظلومیت بیان کی تھی اس پر زبیر بن عبدالمطلب نے دوڑ دھوپ کی اور کہا کہ یہ شخص بے یار و مددگار کیوں ہے؟ ان کی کوشش سے اوپر ذکر کیے ہوئے قبائل جمع ہو گئے اور یوں آپ ﷺ اس نیک اور انسان دوست معاہدہ میں شریک ہوئے۔

ہجرت حبشہ (615-617):

جب آپ ﷺ نے علی الاعلان تبلیغ اسلام شروع کی تو قریش مکہ آپ کے اصحاب کے درپے ہو گئے۔ اگرچہ آپ ﷺ ابوطالب کی حمایت کی وجہ سے محفوظ رہے، تاہم کمزور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ ﷺ نے دو دفعہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ حبشہ کو ہجرت کر جائیں اور آپ ﷺ نے نجاشی شاہ حبشہ کو لکھا کہ مسلمانوں کا احترام و تعاون کیا جائے، اس نے مسلمانوں کو خاص طور پر امان دی اور قریش کو واپس لوٹا دیا۔ یوں آپ ﷺ کی سفارت کاری کی یہ کوشش کامیاب ہوئی۔

سفر طائف (619):

مشرکین مکہ کی روز افزوں مخالفت و مزاحمت کی وجہ سے آپ ﷺ نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز طائف کو بنانا چاہا، طائف مکہ سے تقریباً ساٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ آپ ﷺ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ہمراہ لے کر طائف تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے طائف کے سرداروں کو اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے نہ صرف یہ کہ گستاخانہ جواب دیا بلکہ اوباش قسم کے لڑکوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ انہوں نے آپ ﷺ پر پتھر پھینکے۔ آپ ﷺ کی مبارک ٹانگوں میں زخم ہو گئے اور جوتے خون سے لت پت ہو گئے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بھی چوٹیں آئیں۔ آخر شہر کے چند آدمیوں نے آپ ﷺ کو اس ایذا رسانی سے نجات دلائی اور آپ ﷺ کو اپنی حفاظت میں ایک باغ میں چھوڑ آئے۔ وہاں جبریل امین

www.CSSExamPoint.com

علیہ السلام خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا، آپ ﷺ حکم دیں تو یہ پہاڑ طائف والوں کے اوپر گرادوں۔ رحمۃ اللعالمین نے جواب دیا، نہیں مجھے امید ہے کہ ان کی اولاد میں سے اہل ایمان اٹھیں گے۔

لہٰذا آپ ﷺ بنفس نفیس سفیر اسلام بن کر طائف گئے تھے اگرچہ وہاں آپ ﷺ کے پیغام کو قبول نہ کیا گیا۔ تاہم بعدازاں عام الوفود میں اہل طائف نے اسلام قبول کیا۔ وفود بھی سفارتکاری کا ایک اہم ذریعہ تھے۔

بیعت عقبہ اولی و بیعت عقبہ ثانیہ:

مکہ سے تین سو میل شمال میں ایک شہر ہے جس کا نام یثرب تھا۔ بعد میں مدینۃ النبی ﷺ اور مختصر ہو کر مدینہ ہوا۔ مدینہ کی آبادی دو بڑے گروہوں پر مشتمل تھی۔

۱۔ اوس و خزرج

۲۔ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ پر مشتمل یہود۔

نبوت کے دسویں برس ایک شب منیٰ کے قریب ایک بلند پہاڑی راستے (عقبہ) سے آپ ﷺ گزرے تو آپ ﷺ کی ملاقات مدینہ سے آئے ہوئے سات خزرجین (حاجیوں) سے ہوئی۔ آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور کہا کہ ہم مدینہ جا کر دوسروں کو بھی اسلام لانے کی دعوت دیں گے۔

بیعت عقبہ اولی:

ان سات مسلمانوں نے مدینہ پہنچ کر دوسروں کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ اگلے سال یعنی ۱۱ نبوی میں وہ بیت اللہ کے حج کے لیے آئے تو پانچ مسلمان ان کے ساتھ تھے۔ اسی مقام پر آپ ﷺ کی ان بارہ اصحاب کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ انہوں نے حضور ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اس بیعت کو بیعت عقبہ اولی کہتے ہیں۔ بیعت کی شرطیں یہ تھیں۔

۱۔ شرک نہیں کریں گے اور صرف اللہ کی عبادت کریں گے۔
۲۔ چوری نہیں کریں گے۔
۳۔ زنا نہیں کریں گے۔
۴۔ اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔
۵۔ تہمت نہیں لگائیں گے۔
۶۔ حضور ﷺ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

ان اصحاب کی فرمائش پر آپ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو ان کے ہمراہ بھیج دیا تاکہ مدینہ میں جا کر وہ ان کو قرآن مجید کی تعلیم اور اسلام کی دعوت دیں۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ قرآن کی تلاوت فرماتے تو سننے والوں کے دلوں میں اس کی تاثیر اتر جاتی۔ چنانچہ اوس کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور خزرج کے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سمیت بہت سے لوگ اسلام لے آئے۔

بیعت عقبہ ثانیہ:

۱۳ نبوی میں حج کے موقع پر مدینہ سے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۷۳ مرد اور دو عورتیں آئیں۔ انہوں نے عقبہ ہی کے مقام پر بیعت کی جسے بیعت عقبہ ثانیہ کہتے ہیں۔ انہوں نے حضور ﷺ کو مدینہ کی طرف ہجرت کی دعوت دی۔ اس بیعت میں حضور ﷺ نے ان سے یہ عہد لیا کہ

www.CSSExamPoint.com

جس طرح وہ اپنی جانوں، عورتوں اور اپنے بچوں کو حفاظت کرتے ہیں اسی طرح حضور ﷺ کی حفاظت بھی کریں گے۔ ایک انصاری نے حضور ﷺ سے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کامیاب کردے تو آپ ﷺ ہمیں چھوڑ کر واپس مکہ تو نہیں آ جائیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو۔ تم نے جس سے صلح کی اس سے صلح کروں گا اور تم نے جس سے جنگ کی اس سے جنگ کروں گا۔ اسی لیے بیعت عقبہ ثانیہ کو بیعت الحرب یعنی جنگ کی بیعت بھی کہتے ہیں۔ یوں اس سفارتکاری کے ذریعے آپ ﷺ نے اہل مدینہ کو اپنا ہم پلہ بنا دیا۔

ہجرت مدینہ اور اس کی اہمیت:

بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک ایک دو دو کر کے خفیہ طریقے سے مدینہ کو ہجرت کرنے لگے۔ مشرکین مکہ نے رکاوٹیں ڈالنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی لیکن ان کی تمام تر مزاحمت کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور مکہ میں صرف نبی اکرم ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور صحابی رہ گئے جو مشرکین کی قید میں تھے۔ بعد میں نبی کریم ﷺ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ کو ہجرت کر لی۔ اہل اسلام نے ہجرت مدینہ خوشی سے نہیں بلکہ مجبور ہو کر کی تھی۔

ہجرت مدینہ کی اہمیت:

اسلام کی اشاعت اور اس کی تکمیل میں ہجرت مدینہ کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ اس کے بڑے اہم اور دور رس نتائج نکلے جو سب کے سب اسلام اور اہل اسلام کے حق میں تھے مثلاً

۱۔ اسلام سے وابستگی میں شدت۔
۲۔ اسلام کو محفوظ مرکز مل گیا۔
۳۔ اشاعت اسلام میں تیزی آ گئی۔
۴۔ مسلمان متحد اور منظم ہو گئے۔
۵۔ منفرد اور جداگانہ مسلم قومیت وجود میں آ گئی۔
۶۔ اسلامی ریاست کی بنیاد رکھ دی گئی۔
۷۔ نئے احکام، تکمیل دین ہو گئے۔
۸۔ اسلامی کیلنڈر کی بنیاد ڈالی گئی۔

مدنی زندگی

آپ ﷺ کی آمد کے وقت مدینہ کی آبادی چار عناصر پر مشتمل تھی:

۱۔ انصار یعنی مدینہ کے مقامی مسلمان، جو اوس اور خزرج قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے۔
۲۔ مہاجرین، جو مکہ سے ہجرت کر کے یہاں پہنچے تھے۔
۳۔ مشرکین جن کا سرغنہ عبداللہ بن ابی سلول تھا جو اہل مدینہ اپنا بادشاہ بنانے ہی والے تھے کہ اسلام نے اس کے خواب پریشان کر دیئے۔
۴۔ یہود جنہیں دکھ تھا کہ بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل سے نبی کیوں مبعوث ہو گیا۔

میثاق مدینہ

مدینہ کی آبادی بنیادی طور پر تو چار مذکورہ بالا عناصر پر مشتمل تھی لیکن اہل مدینہ بہت سے گروہوں میں منقسم تھے۔ قبیلے، پھر ان کی آگے شاخیں، قبیلوں کے حلیف، موالی۔ یہ سب لوگ کسی قسم کی تنظیم سے قطعی طور پر نا آشنا تھے۔ اکثر باہم لڑتے جھگڑتے رہتے تھے، بلکہ لڑ لڑ کر تھک چکے تھے۔

www.CSSExamPoint.com

رسول کریم ﷺ نے مدینہ پہنچنے کے چند ماہ بعد اہل مدینہ کو ایک سیاسی وحدت میں پرو دیا۔ مدینہ کو ایک چھوٹی سی شہری ریاست کی شکل عطا کی۔ آپ ﷺ نے ایک صحیفہ (تحریر، حکمنامہ) نافذ کیا جو ہمارے ہاں میثاق مدینہ کے نام سے معروف ہے۔ یہ دستاویز سیرت کی ابتدائی کتابوں میں محفوظ ہے۔ جس کے ذریعے آپ ﷺ نے مدینہ کے اندر اپنی سیاسی بالادستی کو قائم کیا اوس اور خزرج کو یکجا کر دیا اور یہود کو اس ریاست کا بنیادی حصہ بنا دیا اور اپنے دفاع کو اس سفارت کاری کے ذریعے ناقابل تسخیر بنا دیا۔ میثاق مدینہ کی اہمیت کو ہم درج ذیل نکات میں بیان کر سکتے ہیں۔

۱۔ میثاق مدینہ سے امن کا قیام ہوا۔
۲۔ اسلامی ریاست کی بنیاد ڈال دی گئی۔
۳۔ مدینہ کو حرم اور دار الخلافہ تسلیم کر لیا گیا۔
۴۔ مدینہ کا مشترکہ دفاع قائم کر دیا گیا۔
۵۔ عدل وانصاف کے قیام کو یقینی بنایا گیا۔
۶۔ معاشرے کے اندر باہمی وجود (Co-existence) کو فروغ دیا گیا۔
۷۔ مسلم قومیت کی منفرد حیثیت تسلیم کر لی گئی۔
۸۔ اللہ تعالیٰ کے نبیؐ کو اس ریاست کا بلاشرکت غیرے حکمران تسلیم کر لیا گیا۔

صلح حدیبیہ:

سن ۶ ہجری میں اللہ تعالیٰ کے نبی اپنے 1400 صحابہ کے ہمراہ عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے۔ چونکہ آپ ﷺ عمرہ کے لیے جا رہے تھے اس لیے اسلحہ وغیرہ ساتھ نہ لیا۔ ذوالحلیفہ کے مقام پر آپ ﷺ نے احرام باندھا اور یہاں آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ دشمن حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے اس لیے آپ ﷺ نے مدینہ سے اسلحہ بھی منگوا لیا پھر بعد میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے سفر جاری رکھا اور حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال دیا حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے اسی وجہ سے اس مقام کو حدیبیہ کہتے ہیں۔ یہ مکہ سے تقریباً ۱۲ میل کے فاصلے پر مکہ اور جدہ کی راہ پر واقع ہے۔ یہاں آپ ﷺ اور قریش مکہ کے درمیان مذاکرات شروع ہوئے۔ قبیلہ خزاعہ کا سردار بدیل بن ورقعہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بتایا کہ قریش حدیبیہ کے دوسری جانب خیمہ زن ہیں اور آپ ﷺ کو مکہ نہیں جانے دیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہمارا مقصد جنگ کرنا نہیں بلکہ عمرہ کرنا ہے۔ قریش چاہیں تو ہمارے ساتھ میعادی صلح کر لیں۔ بدیل نے یہ پیغام قریش کو پہنچایا انہوں نے عروہ بن مسعود ثقفی کو حضور ﷺ کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ اس نے واپس آ کر قریش سے کہا کہ حضور ﷺ کی صلح کی پیشکش قبول کر لیں۔ قریش نہ مانے اس کے بعد قریش نے چند حلیف قبائل کے مشترکہ سردار حلیس بن علقمہ کو بھیجا اس نے واپس آ کر قریش کو دوٹوک رائے دی کہ آپ ﷺ سے جنگ نہ کریں ورنہ میں اپنا قبیلہ لے کر چلا جاؤں گا رسول ﷺ نے بھی بنو خزاعہ کے ایک آدمی کو قریش کے پاس بھیجا لیکن وہ ناکام واپس آیا۔ اگلے روز فجر کی نماز کے وقت ۸۰ آدمیوں پر مشتمل قریش کے ایک فوجی دستہ نے اچانک پہاڑی سے نمودار ہو کر حملہ کر دیا۔ اس دستے کو حضور ﷺ کے قتل کے لیے بھیجا گیا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو اسیر کر لیا لیکن حضور ﷺ کے فرمان پر ان کو آزاد کر دیا گیا۔

بیعت رضوان:

رسول کریم ﷺ نے مصالحت کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش مکہ کے پاس بھیجا۔ قریش نے انہیں روک لیا اور یہ افواہ پھیل گئی کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ رسول ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقام لینے کے لیے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ بیعت لی کہ وہ ثابت قدم رہیں گے اس کو بعد میں بیعت رضوان کا نام دیا گیا یعنی اللہ کی رضا یا رضوان کے لیے کی جانے والی بیعت۔ جب قریش کو بیعت رضوان کی خبر ہوئی تو حوصلہ چھوڑ گئے اور صلح کی شرائط طے کرنے کے لیے سہیل بن عمرو کو حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ صلح حدیبیہ کی شرائط درج ذیل ہیں:

www.CSSExamPoint.com

۱۔ دس سال تک فریقین میں جنگ نہ ہوگی۔
۲۔ اس سال مسلمان واپس چلے جائیں گے۔
۳۔ حضور ﷺ قریش کی موجودگی میں مکہ تشریف نہیں لائیں گے۔
۴۔ آئندہ سال قریش تین دن کے لئے مکہ سے نکل جائیں گے۔ حضور ﷺ ان ایام میں اپنے صحابہ کے ہمراہ یہاں تشریف فرما ہوں گے۔
۵۔ مسلمان مکہ میں بے نیام اسلحہ نہیں لائیں گے۔
۶۔ قبائل عرب کو آزادی ہوگی کہ وہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں اس کے حلیف بن جائیں۔
۷۔ مکہ سے کوئی شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر حضرت محمد ﷺ کے پاس جائے گا تو اسے واپس کر دیا جائے گا اور اگر محمد ﷺ کے اصحاب سے کوئی شخص قریش کے پاس جائے گا اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

صلح حدیبیہ کی اہمیت:

صلح حدیبیہ کے مقام پر جو صلح نامہ لکھا گیا اس کی شرائط ظاہری طور پر مسلمانوں کے خلاف اور قریش مکہ کے حق میں تھیں۔ لیکن بعد میں اس صلح کے نتائج حقیقت میں فتح مبین ثابت ہوئے اور یوں اس طرح آپ ﷺ کی یہ سفارت کارانہ سرگرمی کامیاب ٹھہری جس کے دوررس اثرات درج ذیل ہیں:

۱۔ قریش نے امت مسلمہ کے وجود کو تسلیم کر لیا۔
۲۔ مسلمانوں کو آئندہ سال عمرہ کرنے کی اجازت مل گئی۔
۳۔ قبائل عرب کی مخالفت کا خاتمہ ہو گیا۔
۴۔ اشاعت اسلام میں تیزی آ گئی۔
۵۔ فتوحات کا سلسلہ بڑھ گیا۔
۶۔ جزیرۃ العرب میں امن وامان قائم ہو گیا۔
۷۔ معاشی خوشحالی کے آثار شروع ہو گئے۔
۸۔ بیرونی حکمرانوں کو دعوت اسلام دینا شروع کر دی۔
۹۔ خالد بن ولید اور عمرو بن العاص نے اسلام قبول کر لیا۔
۱۰۔ مسلمانوں کی طاقت میں اضافہ ہو گیا۔

بادشاہوں اور امراء کے نام خطوط:

سن ۶ ہجری کے آخر میں جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے مختلف بادشاہوں کے نام خطوط لکھ کر انہیں اسلام کی دعوت دی۔ آپ ﷺ نے خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ سے کہا گیا کہ بادشاہ اسی صورت میں خطوط قبول کریں گے جب ان پر مہر لگی ہو اس لیے نبی کریم ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس پر محمد رسول اللہ نقش تھا۔ یہ نقش تین سطروں میں تھا۔

www.CSSExamPoint.com

اللہ

رسول

محمد

بعد ازاں آپ ﷺ نے معلومات رکھنے والے تجربہ کار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بطور قاصد منتخب فرمایا اور انہیں بادشاہوں کے پاس خطوط دے کر روانہ فرمایا۔ جن میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا۔ یوں صلح حدیبیہ کے بعد جلد ہی اسلام کو بین الاقوامی دین کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ نبی کریم ﷺ نے درج ذیل حکمرانوں کو اسلام کے دعوت نامے بھیجے۔

۱۔ نجاشی شاہ حبشہ:

اس نے اسلام قبول کر لیا۔

۲۔ ہرقل قیصر روم:

اس نے حضور ﷺ کے قاصد کا بہت احترام کیا اور بڑی عقیدت کا اظہار کیا تاہم سیاسی مصلحت کی وجہ سے اسلام قبول کرنے سے معذوری ظاہر کی۔

۳۔ خسرو پرویز کسری ایران:

یہ حضور کے ایلچی کے ساتھ گستاخی سے پیش آیا اور ہلاک ہو گیا۔

۴۔ منذر بن ساوی حاکم بحرین:

اس نے حضور ﷺ کی دعوت پر نہ صرف خود اسلام قبول کیا بلکہ اپنی رعایا کو بھی اسلام کی دعوت دی۔

۵۔ شرجیل بن عمرو غسانی حاکم بصرہ:

اس نے اسلام قبول کرنے کی بجائے حضور ﷺ کے قاصد حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ ازدی کو قتل کر دیا جس کی وجہ سے غزوہ موتہ لڑا گیا۔

۶۔ عمان پر دو حقیقی بھائی حاکم تھے۔ حضور ﷺ کی دعوت پر دونوں نے لبیک کہا۔

۷۔ جرجیس شاہ مصر:

اس نے اسلام قبول نہ کیا تاہم آپ ﷺ کے قاصد کی بہت تکریم کی۔ شام کے حکمرانوں کا بھی یہی حال تھا۔

www.CSSExamPoint.com

وفود کا سلسلہ

فتح مکہ کے بعد ۹ ہجری کو وفود کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا اسی نسبت سے اس سال کو عام الوفود کہتے ہیں۔ سیرت مطہرہ کے مطابق تقریباً ستر کے قریب وفود نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضری دی اور اسلام قبول کیا جن میں مشہور وفود کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ وفد بنی حضرموت	۲۔ وفد ہوازن
۳۔ وفد بنی اسد	۴۔ وفد یمامہ
۵۔ وفد تمیم	۶۔ وفد ہمدان
۷۔ وفد بنی عمرو بن طفیل	۸۔ وفد ثقیف
۹۔ وفد صدا	۱۰۔ وفد نجران
۱۱۔ وفد بنی حنیفہ	۱۲۔ وفد بنی عامر بن صعصعہ
۱۳۔ وفد تجیب	۱۴۔ وفد طی

بین الاقوامی معاہدے:

قانون کا ایک حصہ بین الاقوامی معاہدوں سے تعلق رکھتا ہے۔ عہد نبوی ﷺ کے سیاسی آثار میں سے ایک نمایاں واقعہ یہ ہے کہ ہجرت کے بعد رسول اکرم ﷺ نے مدینہ میں ایک وفاقی حکومت کی بنیاد رکھی جس کے صدر اعلیٰ خود حضور ﷺ تھے۔ اس تحریری معاہدے کا متن جو اس موقع پر تیار ہوا ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی کتاب ''الوثائق السیاسیہ'' میں تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے۔ فریق معاہدہ ایک طرف رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین وانصار تھے اور دوسری طرف مدینہ کے تمام یہود و نصاریٰ اور دیگر غیر مسلم باشندے۔ تمام فریقوں کو سیاسی طور پر ایک جماعت کی حیثیت دی گئی۔ مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں شرکاء معاہدہ میں سے ہر فرد اور جماعت حملہ آوروں کی مداخلت کے خلاف دوسرے فریقوں کی حمایت کرنے کی پابند تھی اور دشمن سے صلح کی صورت میں ہر نوع کی منفعت میں مسلمانوں کی مانند دوسرے شرکاء بھی متمتع ہونے کا حق رکھتے تھے۔ ہر فرد کا فرض تھا کہ اپنے ہمسائے کی طرف داری اپنے نفس کی مانند کرے، انصاف رسانی پوری جماعت کا فریضہ قرار پائی۔ اس بارے میں کسی رشتہ داری یا قرابت کا پاس ولحاظ ممنوع ہوا۔ ایک شق معاہدہ کی یہ بھی تھی کہ کسی قاتل یا مجرم کو کوئی شخص پناہ نہ دے سکے گا۔ فدیہ اور دیت وگیرہ کے اصول حسب سابق رہے۔ انفرادی انتظام کی جگہ مرکزی عدل گستری کا نظام قائم ہوا۔ باہمی اختلافات یا تنازعات کا مقدمہ خود رسول اکرم ﷺ کے فیصلے پر موقوف تھا۔ آنحضرت ﷺ غیر مسلموں کے مقدمات میں ان کے اپنے شخصی قانون کے مطابق فیصلے فرماتے تھے۔ یہ فقید المثال معاہدہ بعد میں قبائل یہود کی مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور ان کی فتنہ پردازیوں کی نذر ہوگیا۔ ہمارے ہاں اقلیتوں کے مسائل کا حل شاید اس تاریخی معاہدے کی روشنی میں دریافت ہو سکے۔

بین القومی معاہدوں کا جو حشر متمدن مغربی اقوام کے ہاتھوں آیا ہے تاریخ کے کسی طالب علم سے مخفی نہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے جس جماعت یا فرد کے ساتھ کوئی معاہدہ کیا خود اس کی پابندی کی اور اپنے پیروؤں سے پوری دیانت داری کے ساتھ اس پر عمل کروایا۔ صلح حدیبیہ اس ضمن میں فقید المثال ہے۔ یہ معاہدہ کفار قریش اور آنحضرت ﷺ کے درمیان حدیبیہ کے مقام پر ہوا اور اس کے کاتب حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ اس معاہدے کی رو سے فریقین میں دس سال کے لیے جنگ ممنوع قرار پائی۔ ایک شرط معاہدے کی یہ تھی کہ اس عرصہ میں اگر مسلمان مکہ میں حج، عمرہ یا تجارت کے لیے وارد ہوں تو اہل مکہ ان کی جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے اور اگر قریش تجارت کے لیے مدینہ کی راہ سے مصر یا شام کی طرف عازم ہوں تو

www.CSSExamPoint.com

مسلمان ان کی جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے۔ ایک اور شق کے مطابق اگر اہل مکہ میں سے کوئی شخص اپنے خاندانی سربراہ کی اجازت کے بغیر مسلمان ہو کر مدینہ چلا آئے تو اس کا لوٹا دینا رسول اللہ ﷺ پر واجب تھا۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص مدینے میں اسلام ترک کر کے مکے میں پناہ گزین ہو تو قریش اس کی واپسی پر مکلف نہ ہوں گے۔ بظاہر اس شق کے ماتحت فریقین کے حقوق مساوی نہ تھے لیکن حضور اکرم ﷺ نے ہر قیمت پر معاہدے کا پاس کیا، ایک صحابی ابو جندل رضی اللہ عنہ پابہ زنجیر آئے اور رہائی کی درخواست کی لیکن حضور ﷺ نے اسے قریش کے حوالے کر دیا۔ ایک اور صحابی ابو بصیر جنہیں صاحب عیص بھی کہا جاتا ہے مکے سے فرار ہو کر مدینے پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے اہل مکہ کے دو ایلچیوں کے ہمراہ انہیں واپس جانے کا حکم دیا۔ ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے تعمیل ارشاد کی۔ جب تینوں ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے تو ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے حیلہ سے اپنے محافظ کی تلوار پر قبضہ کر کے اسے ختم کر دیا اور پھر بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''تم بڑے لڑاکا ہو۔ اگر دوسروں کے ہمراہ بھی تھوڑے آدمی ہوتے تو فریقین میں جنگ چھڑ جانا مشکل نہ تھا۔'' قریش کا دوسرا آدمی بھی بدحواسی کے عالم میں رسول اکرم ﷺ کے پاس شکایت لے کر پہنچا۔ یہ دیکھ کر ابو بصیر چپکے سے نکل گئے اور عیص کے مقام پر جا کر مقیم ہو گئے۔

یہ واقعہ ملک میں مشہور ہو گیا تو اہل مکہ میں سے اس زمرے کے اور لوگوں نے بھی عیص کا رخ کیا اور اس طرح وہاں گویا مجاہدین کی ایک نوآبادی بن گئی جو قریش کے قافلوں کے لیے خطرہ بن گئی چنانچہ قریش نے خود معاہدے کی اس شق سے دستبرداری دے دی اور عیص والے مدینہ آ گئے۔ ابو بصیر اس وقت وفات پا چکے تھے۔

متفرق روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے جاسوسوں کے قتل کی اجازت دی۔ یہ بات زبان حاضر میں بھی سیاست ملکی اور جماعتی سلامتی کے موافق سمجھی جاتی ہے، خصوصاً جنگ کے ایام میں۔

قاصدوں کے بارے میں حضور ﷺ کا فرمان تھا کہ ان کا قتل ممنوع ہے۔ ان کے ارشاد کے مطابق قاصد کا روک لینا اور اس سے کسی قسم کا تعرض روا رکھنا درست نہیں۔

مفتوح اقوام یا جماعتوں پر صرف جزیہ عائد کیا جاتا تھا اور ان کے مال و جان کی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی ریاست پر قائم ہو جاتی تھی۔ اس قسم کے ذمیوں کو جنگی خدمات سے معاف رکھا جاتا تھا اور کسی قسم کا دیگر باران پر نہ ڈالا جاتا تھا۔ پھر ان کے معذور یا نادار لوگوں سے جزیہ بھی وصول نہ کیا جاتا تھا اس کی ایک مثال وہ وثیقہ امان ہے جو حضور ﷺ نے تیماء کے یہود بن عادی کے لیے لکھوا دیا تھا۔ معاہدات کے متعلق حضور ﷺ نے یہ کلیہ بیان فرمایا کہ مسلمانوں نے آپس میں جن شرطوں کا التزام کیا ہو ان کی پابندی لازمی ہے۔ الا یہ کہ انہوں نے کوئی شرط عائد کی ہو جس کی وجہ سے حرام حلال ہو جائے یا حلال کو حرام سمجھنا پڑے۔

دوسری/متفرق سفارت کارانہ سرگرمیاں:

درج بالا کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ نے کچھ اور متفرق سفارتکارانہ سرگرمیوں میں حصہ لیا اور انہیں رواج دیا جن کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ آپ ﷺ نے سفارتکاروں کو ارسال کیا اور وصول بھی کیا۔

۲۔ آپ ﷺ نے بین الاقوامی معاہدوں پر عملدرآمد کو لازمی قرار دیا اور اس کی پامالی کو منع کیا۔

۳۔ آپ ﷺ نے بین الاقوامی قوانین کی پاسداری کو لازمی قرار دیا۔

www.CSSExamPoint.com

۴۔ آپ ﷺ نے سفارتکاروں کی جان کی حفاظت کی ضمانت دی اور ان کے قتل سے منع فرمایا۔

۵۔ آپ ﷺ نے سفارتکاروں کے لیے مدینہ میں دارالضیفان (Guesthouse) قائم کیا جہاں سفیروں کی خاطر تواضع کی جاتی تھی۔

۶۔ آپ ﷺ سفیروں کو تحائف دیتے بھی تھے اور وصول بھی کرتے تھے۔

حاصل کلام:

اس سے ہم یہ اخذ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ دنیا میں سب سے بڑے سفیر تھے بلکہ سفیر امن تھے۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ سفارت کاری کے ذریعے، صلح جوئی کے ذریعے، معاہدوں کے ذریعے اسلام کی تبلیغ اور امن وامان کے قیام کو ترجیح دی اور جارحانہ اقدام سے ازحد بچاؤ کی کوشش کی۔ آپ ﷺ نے عرب اور غیر ملکی سربراہوں کے نام خطوط لکھے۔ اپنے سفیر بھیجے اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔ کچھ نے اسلام قبول کیا اور کچھ نے باہمی وجود کو تسلیم کیا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے بین الاقوامی معاہدوں/قوانین کی پاسداری کو لازمی قرار دیا اور سفیروں کے قتل سے منع کر دیا۔

حضور ﷺ بحیثیت پیغمبر امن

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیاء:۱۰۷)

''اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

اس حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ دنیا کے سب سے بڑے امن کے حامی تھے۔ اسلام کا مقصد دنیا میں امن وآشتی کا درس دینا ہے اور یہی مشن پیغمبر اسلام کا بھی تھا۔ آپ ﷺ ہمیشہ جنگی اقدام کے اوپر مصالحتی کوشش، سمجھوتہ کرنے اور سفارتکاری کے ذریعے مسائل حل کرنے کو ترجیح دیتے تھے، کیونکہ جنگیں انسانی جانوں اور مال کے نقصان کا باعث بنتی ہیں۔

آپ ﷺ کی تمام جنگیں اپنے دفاع کے لئے تھیں اور وہ محدود ہوتی تھیں۔ آپ ﷺ نے دوران جنگ ایسے اصولوں کو جاری کیا جس سے کم سے کم نقصان ہوتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمان جاری کیا کہ عورتوں، بچوں، ضعیفوں، غیر مسلح وغیرہ کو قتل نہ کیا جائے۔ منٹگمری واٹ کے مطابق آپ ﷺ کی قیادت یا ہدایات پر 82 جنگیں (غزوات، سریات) لڑی گئیں جن میں کل 1058 انسانی جانیں کام آئیں (مسلمانوں اور کفار کو ملا کر)۔ یہ تاریخ میں سب سے کم شدت والی جنگیں تھیں۔ مکہ میں آپ ﷺ نے پرامن طریقے سے اسلام کی تبلیغ جاری رکھی۔ جب وہاں آپ ﷺ کا جینا دوبھر ہو گیا تو آپ ﷺ مدینہ آ گئے۔

مدینہ میں آپ ﷺ نے اسلامی معاشرے اور ریاست کی بنیاد رکھی۔ یہاں آپ ﷺ نے نہ صرف مدینہ کے متحارب قبائل (اوس وخزرج) کے درمیان صلح کروائی، بلکہ اصحاب مکہ (مہاجرین) اور انصار مدینہ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔ اسی طرح یہود سے میثاق مدینہ کے ذریعے آپ نے مصالحت پسندی اختیار کی۔ صلح حدیبیہ میں بھی آپ ﷺ نے سخت شرائط کے باوجود صلح کو ترجیح دی۔ اسی طرح فتح مکہ کو دنیا کی سب سے امن پسند جنگ کہا جاتا ہے۔ جہاں آپ ﷺ نے سب کو معاف کر دیا اور حتیٰ کہ اپنے جانی دشمنوں کو بھی جنہوں نے مکہ میں آپ ﷺ کا جینا دوبھر کر دیا تھا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے ایام جاہلیت کے تمام خونوں کو ساقط کر دیا۔ انسانی جان کی حرمت، مال کی حفاظت اور عزت کا تقدس قائم کر دیا۔

بعینہٖ آپ ﷺ نے سفارتکاری کے ذریعہ دنیا میں امن قائم کرنے کی کوشش کی اور اس مقصد کے لئے آپ ﷺ نے دنیا کے مختلف رہنماؤں، بادشاہوں کو خطوط لکھے۔

www.CSSExamPoint.com

اسلام دین امن، پیغمبر اسلام، پیغمبر امن:

اسلام کا مقصد و معنی امن، صلح اور آشتی ہے۔ لفظ اسلام سلم سے مشتق ہے جس کا مطلب امن اور صلح ہے۔ بخاری شریف کی ایک روایت کے مطابق، اسلام امن ہے، خدا امن ہے، اسی طرح جنت کو بھی امن کا گھر کہا گیا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ

والصلح خیر

"صلح سب سے بہترین شے ہے۔"

ایک اور حدیث بخاری کے مطابق حضور ﷺ کو جب بھی ایک آسان (صلح جو) (اور مشکل جنگجوانہ) اقدام میں سے انتخاب کرنا ہوتا تھا تو آپ ﷺ آسان اور صلح پسند عمل کو پسند کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ کی تمام جنگیں دفاع کے لئے تھیں، انصاف کے لئے تھیں اور محدود (Limited) تھیں۔

حضور ﷺ کے امن پسند اقدامات مکہ میں:

آپ ﷺ نے مکہ میں درج ذیل امن پسند اقدامات کیے۔ مکہ میں تو آپ ﷺ نے نہ ہی تلوار اٹھائی نہ ہی کسی سے مخاصمت کی۔

۱۔ پرامن طریقے سے تبلیغ اسلام کی۔

۲۔ اپنے خلاف ظلم و ستم سہے۔

۳۔ دوبار مسلمانوں کو ہجرت حبشہ کرنا پڑی۔

۴۔ قریش کی بار بار ریشہ دوانیوں کے باوجود آپ ﷺ نے جنگ کا راستہ اختیار نہیں کیا۔

۵۔ شعب ابی طالب میں محصور رہے، یہ مقاطعہ قریش مکہ کی جانب سے ظلم اور جارحیت پر مبنی تھا۔ آپ ﷺ نے کوئی جارحانہ رویہ/راستہ اختیار نہ کیا۔

۶۔ طائف میں آپ ﷺ کو پتھر پڑے۔ آپ ﷺ نے وہاں کے لوگوں کو دعا دی۔

خلاصتاً آپ ﷺ نے مکہ میں جنگ کا راستہ اختیار نہیں کیا حالانکہ قریش مکہ نے نہ صرف آپ ﷺ کو دھتکارا بلکہ آپ ﷺ کی جان کے دشمن بن گئے تھے۔

مدینہ میں آپ ﷺ کی امن پسند کوششیں:

آپ ﷺ نے صلح، امن اور آشتی کو رواج دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی اپنے بدلہ کا حق چھوڑ دیتا ہے اللہ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے، قیام مدینہ میں آپ ﷺ نے درج ذیل اقدامات امن کئے۔

۱۔ اوس و خزرج کی متحارب لڑائی ختم کر کے ان کو انصار کی صورت میں یکجا کر دیا۔

۲۔ انصار مدینہ اور مہاجرین مکہ کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم کر کے تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا دیا۔

۳۔ آپ ﷺ نے یہود مدینہ کو میثاق مدینہ کے ذریعے اپنا ہمنوا بنایا اور اس طرح امن اور باہمی وجود (Co-existence) کو عملی جامہ پہنایا۔

۴۔ صلح حدیبیہ میں آپ ﷺ نے سخت شرائط کو قبول کر لیا اور جنگ سے اجتناب کیا۔

www.CSSExamPoint.com

۵۔ آپ ﷺ نے سفارتکاری کے ذریعے غیر ملکی رہنماؤں، حکمرانوں کو خطوط لکھے اور ان کو اسلام کی طرف بلایا، بعض نے اسلام قبول کر لیا تو یہ معاملات امن پسند طریقوں سے حل ہو گئے۔

۶۔ فتح مکہ میں آپ ﷺ نے عوام و خواص، دوست و دشمن سب کے لئے عام امان کا اعلان کر دیا۔

۷۔ فتح مکہ کے بعد عام الوفود میں عرب قبائل نے آپ ﷺ سے بیعت کی اور آپ ﷺ نے بغیر کسی جنگ کے ان کو اسلام میں داخل کیا۔

۸۔ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے جاہلیت کے تمام خون خرابہ کو ختم کر دیا اور امن کا ایک نیا باب شروع کر دیا۔

ودماء الجاهلية موضوعة وان اول دم اضع من دمائنا دمر ابن ربيعة بن الحارث كان مسترضعا فی بنی سعد فقتلته هذيل

آپ ﷺ کی جنگوں پر ایک نظر:

حضور ﷺ کے دور میں، خاص طور پر قیام مدینہ کے دوران ۸۲ جنگیں بشمول غزوات و سریات لڑے گئے جس میں صرف ۱۰۵۸ انسانی جانیں ضائع ہوئیں یہ انسانی تاریخ کی سب سے کم شدت والی جنگیں تھیں۔

اسلام نے ہر شخص کو بنیادی انسانی حقوق عطا فرمائے ہیں، کسی پر ظلم کے پہلو کو روا نہیں رکھا ہے۔ اہل قتال جن پر تلوار اٹھانا جائز ہے، ان پر بھی دست درازی کا غیر محدود حق حاصل نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے بھی کچھ حدود ہیں جن کی پابندی ضروری ہے۔ حضور ﷺ نے ان حدود و آداب کی پابندی مجاہدین کے لئے لازمی قرار دیا ہے۔ ان آداب اور اصلاحات کو ایک ایک کر کے تفصیل کے ساتھ یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

www.CSSExamPoint.com

رسول اللہ ﷺ کی جنگی اصلاحات/ اسلام میں جنگ کے قوانین وضوابط

جنگ کے مقاصد:

حضور ﷺ محسن انسانیت ہیں، آپ ﷺ تو لوگوں کی زندگی سنوارنے اور ان کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوئے تھے، انسانوں کو تہہ تیغ کرنے کے لیے نہیں۔ آپ ﷺ کو تمام جنگیں دفاع کے لیے لڑنا پڑیں، اس میں بھی طریقہ جنگ یہ رکھا کہ جانی و مالی نقصان کم از کم ہو۔ اپنی طاقت کی دھاک بٹھانا، لوگوں کو زبردستی اپنا مطیع بنانا۔ مال غنیمت کے طور پر دشمن کے اموال حاصل کرنا، دشمن سے انتقام لینا، انتقام کے طور پر دشمن پر قتل و غارت مسلط کرنا، سلطنت کی توسیع کرنا یا کسی بھی قسم کا کوئی مادی و دنیوی مفاد حاصل کرنا آپ ﷺ کے جنگ کے مقاصد میں شامل نہ تھا۔ آپ ﷺ کا مقصد جنگ دشمن کو ہلاک کرنا بھی نہ تھا بلکہ صرف اس کے شر کو دور کرنا تھا۔

1- غفلت میں حملہ کرنے سے احتراز:

اہل عرب کا قاعدہ تھا کہ رات کے وقت جب لوگ سو جاتے تو ان پر حملہ کر دیتے۔ نبی کریم ﷺ نے اس عادت کو بند کیا اور قاعدہ مقرر کیا کہ صبح ہونے سے پہلے دشمن پر حملہ نہ کیا جائے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ خیبر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"نبی کریم ﷺ جب رات کے وقت کسی قوم پر پہنچتے تو جب تک صبح نہ ہو جاتی حملہ نہ کرتے۔"

2- آگ میں جلانے کی ممانعت:

عرب اور غیر عرب شدت انتقام میں دشمن کو آگ میں ڈال دیا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اس وحشیانہ حرکت سے بھی منع فرمایا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"آگ کا عذاب دینا سوائے آگ کے پیدا کرنے والے کے کسی کو سزاوار نہیں ہے۔"

ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زنادقہ کو آگ کا عذاب دینے کا حکم فرمایا۔ اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں روکا اور نبی کریم ﷺ کا یہ حکم بیان کیا کہ "آگ اللہ کا عذاب ہے، اس سے بندوں کو عذاب نہ دو۔"

3- باندھ کر قتل کرنے کی ممانعت:

نبی کریم ﷺ نے دشمنوں کو باندھ کر قتل کرنے کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔ عبید بن یعلی کا بیان ہے کہ ہم عبدالرحمٰن بن خالد کے ہمراہ جنگ پر گئے تھے، ایک دفعہ ان کے پاس لشکر اعداء میں سے چار لوگ پکڑے ہوئے آئے اور انہوں نے حکم دیا کہ انہیں باندھ کر قتل کر دو۔ اس کی اطلاع جب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انہوں نے کہا۔ سمعت من محمد ﷺ نهى عن قتل الصبر میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے قتل صبر سے منع کیا ہے۔

4- لوٹ مار کی ممانعت:

اسلام نے جنگ کی صورت میں کامیابی ہونے پر لوٹ کھسوٹ سے منع کیا ہے۔ ایک دفعہ سفر جہاد میں صحابہ نے کچھ بکریاں لوٹ لیں اور ان

www.CSSExamPoint.com

کا گوشت پکا کر کھانا چاہا۔ نبی کریم ﷺ کو جب خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے دیگچیاں الٹ دیں اور فرمایا۔ "لوٹ کھسوٹ کا مال مردار سے بہتر نہیں ہے۔"

عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے لوٹے ہوئے مال کو حرام قرار دیا ہے۔

5- تباہ کاری ممانعت:

افواج کی پیش قدمی کے وقت فصلوں کو خراب کرنا، کھیتوں کو تباہ کرنا، بستیوں میں قتل عام اور آتش زنی کرنا جنگ کے معمولات میں سے ہے مگر اسلام ان چیزوں کو فساد سے تعبیر کرتا ہے اور سختی کے ساتھ ناجائز قرار دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ (بقرۃ:205)

اور جب وہ حاکم بنتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے اور فصلوں اور نسلوں کو تباہ کرے، مگر اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

6- قتل سفیر کی ممانعت:

سفراء اور قاصدوں کے قتل سے بھی نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ مسیلمہ کذاب کا قاصد عبداللہ بن الحارث جب اس کا گستاخانہ پیغام لے کر حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر قاصدوں کا قتل منع نہ ہوتا تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔

7- بدعہدی کی ممانعت:

غدر، نقض عہد اور معاہدین پر دست درازی کرنے کی برائی کے متعلق بے شمار احادیث آتی ہیں جن کی بناء پر یہ فعل اسلام میں بدترین قرار پایا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو کوئی کسی معاہد کو قتل کرے گا اسے جنت کی بو تک نصیب نہیں ہوگی، حالانکہ اس کی بو چالیس برس کی مسافت سے محسوس ہو جاتی ہے۔"

حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا۔ آپ ﷺ رؤوف و رحیم تھے؛ معلم اخلاق حسنہ اور داعی توحید تھے۔ آپ ﷺ نے دعوت حق کے سلسلے میں بڑی تکالیف اٹھائیں، مصائب جھیلے اور دکھ پہنچانے والوں کے خلاف کبھی بددعا نہیں فرمائی۔ کفار مکہ کی ایذاء رسانیوں سے تنگ آ کر اذن الٰہی سے آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ ہجرت فرما گئے۔ دشمنان حق نے پھر بھی معاندانہ سرگرمیاں جاری رکھیں اور آخر کار وہ سفاکی پر آ گئے اور مرنے مارنے پر اتر آئے۔ آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے پیروکاروں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے انہوں نے جنگ و جدال کا راستہ اختیار کر لیا۔ حضور ﷺ کو دفاع کرنا پڑا۔ حق و باطل کے ان معرکوں میں آپ ﷺ نے اپنی سپاہ کی قیادت فرمائی۔ بطور سپہ سالار آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے اتنے پہلو ہیں کہ ان سب کا مختصر طور پر صرف ذکر کر دینا بھی یہاں ممکن نہیں۔ صرف چند پہلوؤں کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔

حاصل کلام:

حضور ﷺ نے جنگ میں جن چیزوں کی ممانعت فرمائی یہ سب چیزیں اس زمانے میں ہر قوم میں جائز بلکہ حق سمجھی جاتی تھیں۔ اس زمانے میں ہی نہیں غیر مسلموں میں تو یہ چیزیں بیسویں صدی عیسوی میں بھی جائز سمجھی جاتی رہی ہیں۔ دو عالمی جنگوں میں دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کے

www.CSSExamPoint.com

خلاف ان سب چیزوں کو روا سمجھا تھا۔ جنگ میں یہ اعلیٰ اخلاقی اقدار حضورﷺ نے متعارف کرائیں اور یہ صرف مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں۔ اہل اسلام نے ہمیشہ جنگوں میں ان کو ملحوظ رکھا ہے۔

تنقیدی جائزہ (Critical Assessment):

- Prophet (SAW) is considered a pacifist. Dr. Michael Hart (b. 1932) in his book, *The 100: A Ranking of the Most Influential Persons in History* places him as the number one personality and states, "he was supremely successful in both the secular and religious fields."
- Maulana Wahiduddin Khan (b. 1925) confirms that the Prophet (SAW) was supremely successful as he always followed the principles of peace, and refers to him as 'The Prophet of Peace'.
- Although Samuel Huntington (1927-2008) and others speak of Islam's 'bloody borders', in an attempt to project Islam as a religion that was spread through violence, T W Arnold (1864-1930) in "The Preaching of Islam" concludes that Islam was spread through peaceful means, not by the sword.
- According to Zeenat Shaukat Ali, many Muslims in the past and present have used the name of Islam to perpetrate violence, but this is due to their self-devised interpretation and has nothing to do with Islam. As a result, conquests were conducted wrongly in the name of Islam.
- According to Karen Armstrong in his book "Muhammad: The Prophet for Our Time" Islam is religion of peace and its Prophet preached tolerance and coexistence.
- Former U.K Prime Minister Tony Blair once remarked that "Tolerance is the defining characteristic of Islam"
- Khalifa Abdul Hakim said that Mohammed did not merely preach toleration; he embodied it into a law. To all conquered nations he "offered liberty of worship. Proselytism by the sword was wholly contrary to the instincts of Mohammed, and wrangling over creeds his abhorrence. Repeatedly he exclaims:

"Why wrangle over that which you know not; try to excel in good works; when you shall return to God, He will tell you about that in which you have differed."

www.CSSExamPoint.com

حضور ﷺ بحیثیت سپہ سالار و جنگی منصوبہ ساز

تعارف:

آنحضور ﷺ کی دس سالہ زندگی سرد یا گرم جنگوں پر مشتمل ہے۔ حدیث، سیرت اور مغازی کی کتابوں میں غزوات اور معرکوں کی طویل فہرست ملتی ہے۔ ان میں سے 28 غزوات میں آپ ﷺ بنفس نفیس شریک ہوئے۔ اور 77 سرایا میں آپ ﷺ کی زیر ہدایت آپ ﷺ کے نائبین نے شرکت کی ان تمام جنگی کارروائیوں کے نتیجے میں دس لاکھ مربع میل پر مشتمل وسیع اسلامی اسٹیٹ قائم ہوئی۔ مسلم شہداء اور کفار مقتولین کی تعداد جو ان جنگوں میں کام آئی 255 اور 759 علی الترتیب ہے۔ مسلمان مجاہدین کی جانب نقصان کی اوسط ایک ماہ میں ایک فرد بنتی ہے۔ اس طرح جنگی قیدیوں کی کل تعداد 6564 ہے۔ جن میں صرف دو قیدیوں کو ان کے سنگین جرائم کی پاداش میں قتل کیا گیا۔ یہ اعداد و شمار آنحضرت ﷺ کی جنگی فراست اور حربی صلاحیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں جو اس امر کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ دنیا کے بہترین اور کامیاب ترین سپہ سالار تھے اور اس میزان میں بھی آپ ﷺ بہترین اسوۂ حسنہ ہیں۔ اب ہم آنحضور ﷺ کا بطور سپہ سالار اور اس سے متعلقہ مختلف پہلوؤں کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

حضور ﷺ ایک عالمگیر انقلاب کے داعی تھے جس کی بنیاد اس حقیقت پر تھی کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ (Sovereign) یعنی حاکم نہیں لا الہ الا اللہ کے نعرہ انقلاب کی زد ان تمام خداؤں پر پڑتی تھی جن کی پوجا کی جا رہی تھی وہ مٹی و پتھر کے بنے ہوئے بت ہی نہ تھے بلکہ خواہشات نفس خاندان و برادری کے بت، نسل پرستی اور ناجائز معاشی مفادات، سب اس کی زد میں آتے تھے۔ ظاہر کے محض تبلیغ سے ان لوگوں کو منایا نہیں جا سکتا تھا جو اپنے مفادات کی خاطر اشاعت اسلام کے راستے میں مزاحم تھے۔ ہجرت مدینہ کے بعد اسلامی حکومت قائم ہوگئی تو مخالفین اسے ختم کر ڈالنے پر تل گئے۔ لہٰذا جنگ ناگزیر تھی۔ ان جنگوں میں حضور ﷺ خود سپہ سالار ہوتے اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اس لشکر کے سپاہی۔ سپہ سالار کی حیثیت سے آپ ﷺ نے جدید ترین طریقے اختیار کیے۔

عرب میں فوجی تنظیم کا معیار اتنا بلند نہ تھا۔ آپ ﷺ نے باقاعدہ صف بندی کا طریقہ اختیار کیا۔ صفوں کو درست کرنے کے لیے سپیشل افسر (وازع) بھی مقرر فرمایا۔ صف بندی کے بعد آپ خود معائنہ کرتے تھے اور کم عمر اور ناقابل اعتماد آدمیوں کو فوج سے نکال دیتے تھے۔ بوقت ضرورت لشکر کے ساتھ خواتین بھی جاتیں جو مرہم پٹی اور تیمارداری کی خدمات سرانجام دیتیں۔ مومنین پر پابندی تھی کہ جب تک حکم نہ دیا جائے، لشکر حرکت میں نہ آئے۔ جب تک دشمن زد میں نہ آئے، تیر نہ چلایا جائے۔ جب ذرا اور قریب آئے تو پتھراؤ کیا جائے اور جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہو جائیں تو نیزہ اور تلوار سے مقابلہ کیا جائے۔ اسلامی لشکر میں شعار Watch Word بھی استعمال کیا جاتا تھا تاکہ دوست اور دشمن میں پہچان کی جا سکے۔ عرب میں خندق کا استعمال سب سے پہلے آپ ﷺ نے فرمایا۔ منجنیق اور دبابہ کا استعمال بھی کیا گیا۔

آنحضرت ﷺ دشمن فوج کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنے کے لیے فوجی جاسوس بھی مقرر فرماتے۔ خود اپنی فوج کی نقل و حرکت کو خفیہ رکھتے۔ چنانچہ جب بھی کسی غزوہ پر نکلنا ہوتا، اصل مدمقابل کا نام ظاہر نہ کیا جاتا۔ (سوائے غزوہ تبوک کے) فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار کا لشکر مکہ پر حملہ آور ہوا لیکن دشمن کو اس لشکر کے مکہ پہنچنے سے پہلے اطلاع نہ مل سکی۔ آپ ﷺ نے معاشی دباؤ ڈالنے کا طریقہ بھی استعمال کیا۔ چنانچہ اہل مکہ نے صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی کی تو ان کے تجارتی سفروں کے راستے مسدود کر دیے گئے اور اس طرح انہیں جھکنے پر مجبور کر دیا گیا۔ طائف والے غزوہ حنین کے بعد قلعہ بند ہو گئے تو ان کے باغات کاٹ دیے گئے۔

www.CSSExamPoint.com

اخلاقی حدود کی پاسداری:

حضور ﷺ نے جنگ کے بھی آداب مقرر کیے تھے۔ مثلاً عورتوں، بچوں، ضعیفوں اور راہبوں کو قتل کرنے سے منع فرمادیا تھا۔ آگ میں جلا کر مارنے سے بھی منع فرمایا۔ لوٹ کھسوٹ اور فصلوں کو برباد کرنے پر پابندی لگادی اور اسے فساد فی الارض قرار دیا۔ البتہ بعض اوقات سرکش دشمن پر معاشی دباؤ ڈالنے کے لیے درختوں کو کاٹنے کی اجازت دی۔ کسی دشمن کا مثلہ کرنے پر باندھ کر قتل کرنے کو بھی ممنوع قرار دیا۔ دشمن کے سفیر کے قتل کو بھی جائز نہ رکھا۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی دشمن کے ساتھ بدعہدی نہیں کی۔

مقبول ترین سپہ سالار:

نبی ﷺ نے اپنی فوج کا حوصلہ ہمیشہ بلند رکھا۔ خدا اور آخرت کے تصور نے مومنین کے اندر ذوق شہادت پیدا کر دیا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ حضور ﷺ کے ساتھ اس حد تک محبت کرتے تھے کہ ان کے وضو کا پانی تک زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے۔ اس عشق رسول ﷺ نے مومنین کو ایک ایسی قوت بنادیا تھا جس کی مثال تاریخ عالم میں اور کہیں نہیں ملتی۔

بطور سپہ سالار آپ ﷺ کے اوصاف

نظریہ جنگ میں تبدیلی:

آپ ﷺ قرآنی آیات تعلیمات کی عملی تصویر تھے۔ جنگ اور معرکہ میں آپ ﷺ نے احکام الٰہی کی پوری پوری پابندی کی ہے۔ آپ ﷺ تاریخ انسانی میں منفرد سپہ سالار ہیں جنہوں نے جنگ کا مقصد اور نقطہ نظر ہی بدل دیا۔ عربوں میں جنگ کے لئے حرب کا کلمہ استعمال کیا جاتا تھا جس سے مقصود ذاتی انتقام لینا اپنی بہادری کا سکہ بٹھانا، ملک میں وسعت دینا اور دیگر دنیاوی خواہشات کی تکمیل تھا۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص مال غنیمت کے لئے لڑتا ہے۔ دوسرا شہرت کے لئے لڑتا ہے۔ تیسرا قومی یا وطنی حمیت کے لیے لڑتا ہے ان میں سے کس کی لڑائی فی سبیل اللہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو قومی حمیت کے لڑتا ہے۔

عزم راسخ اور ارادہ محکم:

رسول اللہ ﷺ کا تن تنہا مشرکین کے ابلتے ہوئے سمندر کی ہولناک موجوں کے سامنے نزول وحی سے لے کر اپنے آخری دم تک ڈٹے رہنا۔ آپ ﷺ کے قوی اور مضبوط ارادے کی دلیل ہے۔ یہ ارادہ کبھی متزلزل نہ ہوسکا۔ آپ ﷺ نے اعراض، تکذیب، مصیبتوں اور خطرات کو صبر سے برداشت کیا اور اپنے شہر سے دوسرے شہر میں ہجرت کر گئے اور ہمیشہ مقابلہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کی قوت سہارا بننے کے قابل ہوگئی اور اسلام مضبوط ہوگیا۔ پھر آپ ﷺ نے اس طاقت سے اپنے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ مدینہ کے اندر یہودیوں اور منافقوں سے مقابلہ اور مدینہ سے باہر مشرکین سے مقابلہ خصوصاً بدترین دشمن قریش سے جو ہمیشہ سب کچھ کر گزرنے کو تیار رہتے تھے۔

آپ ﷺ تمام نامساعد حالات میں ثابت قدم رہے۔ اپنے اردگرد کے تمام لوگوں سے برابر مقابلہ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دین کو غالب کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے کبھی دشمنوں کی بے اندازہ فوجی طاقت کی ذرا پرواہ نہ کی، نہ اپنا ارادہ بدلا۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کی پوری زندگی قوی اور مضبوط ارادے کی بہترین مثال ہے۔

www.CSSExamPoint.com

مسئولیت کا تحمل:

مسلمانوں میں کوئی بھی ایسا آدمی نہ تھا، جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام جنگی اور غیر جنگی احوال میں عظیم ذمہ داری کو برداشت کر سکتا اور پھر آنحضرت ﷺ کے حال و مقام کتنے عظیم تھے کہ جنہوں نے تاریخ کا رخ تبدیل کر رکھ دیا۔ اور اس ذمہ داری سے بڑھ کر اور کون سی عظیم اور نازک ذمہ داری ہے جسے آنحضرت ﷺ نے اپنی ابتدائے وحی سے لے کر رفیق اعلیٰ سے ملنے تک اٹھائے رکھا۔ یہ صحیح ہے کہ آپ ﷺ کے صحابہ آپ ﷺ سے ہر معاملہ میں تعاون کرتے تھے، لیکن ہر چیز کی ذمہ داری صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس پر تھی۔

غیر متزلزل اور غیر تغیر پذیر مزاج:

آنحضرت ﷺ کی طبیعت میں فتح اور شکست دونوں حالتوں میں کبھی تغیر اور تبدل نہیں ہوا۔ آپ ﷺ اپنے اعصاب پر اس طرح قابو رکھتے تھے جو خیال سے زیادہ حقیقت پر مبنی ہوتا تھا۔ ابتدائی خطرناک حالات اور سنگین مقامات میں بھی۔

جنگ احد میں جب مشرکین نے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے صحابہ کو گھیرے میں لے لیا تو اس وقت اپنے حواس پر غالب آنا اور ان پر قابو پانا آسان کام نہیں تھا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے اپنے حواس پر قابو رکھا اور مسلمانوں کی کشتی کو سلامتی کے ساحل پر عافیت سے جا لگایا۔

جنگ احزاب کے دن بھی اپنے حواس کو برقرار رکھنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ خصوصاً یہودیوں کی غداری کے بعد، اس کے باوجود آپ ﷺ اپنے حواس پر غالب رہے۔ لشکروں کا مقابلہ کیا اور یہود کا خاتمہ کر دیا۔

پھر حنین کے روز اپنے حواس پر قابو رکھنا بھی آسان نہ تھا۔ جب آپ ﷺ صرف دس صحابہ کے ساتھ مشرکین کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی ہولناک موجوں کے سامنے ڈٹ گئے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے اپنے حواس کو برقرار رکھا اور اپنے دشمن کو شکست دی۔

اس کی سب سے بڑی مثال فتح مکہ کا واقعہ ہے:

مسلمانوں نے آپ ﷺ کو اس دن اس حال میں دیکھا کہ آپ ﷺ کا سر مبارک پالان پر جھکا ہوا تھا، آپ ﷺ کے روئیں روئیں سے بے انتہا تواضع اور انکسار کا اظہار ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کی داڑھی مبارک سواری کے پالان کے وسط کو چھو رہی تھی اور جتنا آپ ﷺ کو اپنی اس فتح کی اہمیت کا احساس ہوتا جاتا، اسی قدر اپنی سواری پر خدا کے حضور جھکتے جاتے، سجدہ شکر بجالاتے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ ایک ایسی طبیعت کے مالک تھے، جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تھی۔ آپ ﷺ کا مزاج یکسر غیر تغیر پذیر رہا۔

آنحضرت ﷺ اپنے تمام کاموں میں خواہ وہ جنگی ہوں یا غیر جنگی دور اندیشی کی خوبی سے آراستہ تھے اور اس کی مثالیں تو اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا شمار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کی صلح کے شرائط قبول کر لینے پر اصرار کیا کیونکہ آپ ﷺ نے اس صلح کی شرائط کو بغور دیکھا اور اپنی روشن رائے سے معلوم کر لیا کہ ان شرائط کو قبول کر لینا مسلمانوں کی فتح ہے۔ یہ شرائط مسلمانوں کے لئے مفید رہیں گی۔

مردم شناس قابلیت کی معرفت:

رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام کی نفسیات اور قابلیت کو بہت اچھی طرح جانتے تھے، کیونکہ آپ ﷺ انہی میں ایک فرد کی طرح زندگی گزار رہے تھے اور رنج و راحت میں ان کے ساتھ شریک رہتے اور ہر معاملے میں مساوات کا سلوک کرتے۔

www.CSSExamPoint.com

آپ ﷺ تمام صحابہ کی خوبیاں اور کمالات الگ الگ پہچان لیتے تھے۔ آپ ﷺ ہر آدمی کو اسی کام پر متعین فرماتے جس کام کو اس کی جسمانی اور عقلی طاقت برداشت کر سکتی۔ یہی وجہ تھی کہ اکثر صحابہ ان مہمات کو بآسانی سرانجام دے دیتے جو ان کے سپرد کی جاتیں۔

آنحضرت ﷺ نے جنگ حنین کے بعد مؤلفۃ القلوب کی دلوں کو دولت دے کر مائل کر لیا، اس لئے دشمنی کا مادہ ان کے دماغوں کو ماؤف کر چکا تھا، ان لوگوں نے ابھی ایمان کی حلاوت نہیں چکھی تھی۔

حضور کریم ﷺ کی جنگی اصلاحات:

اسلام نے ہر شخص کو بنیادی انسانی حقوق عطا فرمائے ہیں، کسی پر ظلم کے پہلو کو روا نہیں رکھا ہے۔ اہل قتال جن پر تلوار اٹھانا جائز ہے، ان پر بھی دست درازی کا غیر محدود حق حاصل نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے بھی کچھ حدود ہیں جن کی پابندی ضروری ہے۔ حضور ﷺ نے ان حدود و آداب کی پابندی مجاہدین کے لئے لازمی قرار دیا ہے۔ ان آداب اور اصلاحات کو ایک ایک کر کے تفصیل کے ساتھ یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

1- غفلت میں حملہ کرنے سے احتراز:

اہل عرب کا قاعدہ تھا کہ رات کے وقت جب لوگ سو جاتے تو ان پر حملہ کر دیتے۔ نبی کریم ﷺ نے اس عادت کو بند کیا اور قاعدہ مقرر کیا کہ صبح ہونے سے پہلے دشمن پر حملہ نہ کیا جائے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ خیبر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"نبی کریم ﷺ جب رات کے وقت کسی قوم پر پہنچتے تو جب تک صبح نہ ہو جاتی حملہ نہ کرتے۔"

2- آگ میں جلانے کی ممانعت:

عرب اور غیر عرب شدت انتقام میں دشمن کو آگ میں ڈال دیا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اس وحشیانہ حرکت سے بھی منع فرمایا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"آگ کا عذاب دینا سوائے آگ کے پیدا کرنے والے کے کسی کو سزاوار نہیں ہے۔"

ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زنادقہ کو آگ کا عذاب دینے کا حکم فرمایا۔ اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں روکا اور نبی کریم ﷺ کا یہ حکم بیان کیا کہ "آگ اللہ کا عذاب ہے، اس سے بندوں کو عذاب نہ دو۔"

3- باندھ کر قتل کرنے کی ممانعت:

نبی کریم ﷺ نے دشمنوں کو باندھ کر قتل کرنے کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔ عبید بن یعلی کا بیان ہے کہ ہم عبدالرحمٰن بن خالد کے ہمراہ جنگ پر گئے تھے، ایک دفعہ ان کے پاس لشکر اعداء میں سے چار لوگ پکڑے ہوئے آئے اور انہوں نے حکم دیا کہ انہیں باندھ کر قتل کر دو۔ اس کی اطلاع جب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انہوں نے کہا۔ سمعت من محمد ﷺ نهى عن قتل الصبر میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے قتل صبر سے منع کیا ہے۔

4- لوٹ مار کی ممانعت:

اسلام نے جنگ کی صورت میں کامیابی ہونے پر لوٹ کھسوٹ سے منع کیا ہے۔ ایک دفعہ سفر جہاد میں صحابہ نے کچھ بکریاں لوٹ لیں اور ان کا گوشت پکا کر کھانا چاہا۔ نبی کریم ﷺ کو جب خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے دیگچیاں الٹ دیں اور فرمایا:

www.CSSExamPoint.com

"لوٹ کھسوٹ کا مال مردار سے بہتر نہیں ہے۔"

عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے لوٹے ہوئے مال کو حرام قرار دیا ہے۔

5- تباہ کاری ممانعت:

افواج کی پیش قدمی کے وقت فصلوں کو خراب کرنا، کھیتوں کو تباہ کرنا، بستیوں میں قتل عام اور آتش زنی کرنا جنگ کے معمولات میں سے ہے مگر اسلام ان چیزوں کو فساد سے تعبیر کرتا ہے اور سختی کے ساتھ ناجائز قرار دیتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ (بقرة:205)

ترجمہ: اور جب وہ حاکم بنتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے اور فصلوں اور نسلوں کو تباہ کرے، مگر اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

6- قتل سفیر کی ممانعت:

سفراء اور قاصدوں کے قتل سے بھی نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ مسیلمہ کذاب کا قاصد عبداہ بن الحارث جب اس کا گستاخانہ پیغام لے کر حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ اگر قاصدوں کا قتل منع نہ ہوتا تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔

7- بدعہدی کی ممانعت:

غدر، نقض عہد اور معاہدین پر دست درازی کرنے کی برائی کے متعلق بے شمار احادیث آتی ہیں جن کی بناء پر یہ فعل اسلام میں بدترین قرار پایا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو کوئی کسی معاہد کو قتل کرے گا اسے جنت کی بو تک نصیب نہیں ہوگی، حالانکہ اس کی بو چالیس برس کی مسافت سے محسوس ہو جاتی ہے۔

جنگ کے مقاصد:

حضور ﷺ محسن انسانیت ہیں، آپ ﷺ تو لوگوں کی زندگی سنوارنے اور ان کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوئے تھے، انسانوں کو تہہ تیغ کرنے کے لیے نہیں۔ آپ ﷺ کو تمام جنگیں دفاع کے لیے لڑنا پڑیں، اس میں بھی طریقہ جنگ یہ رکھا کہ جانی و مالی نقصان کم از کم ہو۔ اپنی طاقت کی دھاک بٹھانا، لوگوں کو زبردستی اپنا مطیع بنانا۔ مال غنیمت کے طور پر دشمن کے اموال حاصل کرنا، دشمن سے انتقام لینا، انتقام کے طور پر دشمن پر قتل و غارت مسلط کرنا، سلطنت کی توسیع کرنا یا کسی بھی قسم کا کوئی مادی و دنیوی مفاد حاصل کرنا آپ ﷺ کے جنگ کے مقاصد میں شامل نہ تھا۔ آپ ﷺ کا مقصد جنگ دشمن کو ہلاک کرنا بھی نہ تھا بلکہ صرف اس کے شر کو دور کرنا تھا۔

جنگ میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کا احترام:

چونکہ آپ ﷺ کا جنگ کرنے کا مقصد اپنا دفاع کرنا اور فتنہ و فساد برپا کرنے والوں کی اصلاح تھا اس لیے آپ ﷺ نے جنگ کے دوران بھی اعلیٰ اخلاقی اقدار کو ہمیشہ ملحوظ رکھا اور امت کو اس امر کی تعلیم بھی دی۔ یہ اعلیٰ اخلاقی اقدار درج ذیل ہیں:

www.CSSExamPoint.com

۱۔ دشمن قوم کے جو لوگ عملاً جنگ میں حصہ لینے کے اہل نہیں انہیں قتل نہ کیا جائے، مثلاً بچے، بوڑھے، عورتیں، بیمار، زخمی، اندھے، پاگل، معبدوں کے مجاور، خانقاہ نشین وغیرہ۔

۲۔ دشمن کو زندہ جلانے کی ممانعت۔

۳۔ دشمن کو باندھ کر اور ایذا دے کر قتل کرنے (قتل صبر) کی ممانعت کردی۔

۴۔ مثلہ کرنے (یعنی ہاتھ، پاؤں، کان، ناک وغیرہ کاٹنے) کی ممانعت کردی۔

۵۔ جنگی قیدی کو قتل کرنے کی ممانعت کردی۔

۶۔ دشمن کے علاقے میں لوٹ مار کرنے، فصلوں اور باغات کو اجاڑنے، کسی چیز کو نذر آتش کرنے اور کسی قسم کی تباہ کاری کرنے کی ممانعت کردی۔

۷۔ دشمن صلح پر آمادہ ہو جائے تو جنگ روک کر صلح کرنے کی ہدایت کردی۔

۸۔ برسر جنگ دشمن سے بھی بدعہدی نہ کی جائے۔

حضور ﷺ نے جنگ میں جن چیزوں کی ممانعت فرمائی یہ سب چیزیں اس زمانے میں ہر قوم میں جائز بلکہ حق سمجھی جاتی تھیں۔ اس زمانے میں ہی نہیں غیر مسلموں میں تو یہ چیزیں بیسویں صدی عیسوی میں بھی جائز سمجھی جاتی رہی ہیں۔ دو عالمی جنگوں میں دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کے خلاف ان سب چیزوں کو روا سمجھا تھا۔ ۱۹۹۱ء میں امریکہ نے عراق پر کارپٹ بمباری کی اور ہتھیار پھینک کر کویت سے واپس عراق جانے والے نہتے ہزاروں عراقی فوجیوں کا بمباری کر کے قتل عام کیا۔ جنگ میں یہ اعلیٰ اخلاقی اقدار حضور ﷺ نے متعارف کرائیں اور یہ صرف مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں۔ اہل اسلام نے ہمیشہ جنگوں میں ان کو ملحوظ رکھا ہے۔

سپاہ کی اعلیٰ اخلاقی تربیت:

حضور ﷺ نے مجاہدین اسلام کی اعلیٰ اخلاقی تربیت فرمائی تھی۔ آپ ﷺ کا تو مشن ہی لوگوں کو کتاب وحکمت کی تعلیم دینا اور تزکیۂ باطن کرنا تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اخلاق فاضلہ کے مالک اور نہایت متقی اور پارسا لوگ تھے۔ یہ نہیں کہ سپہ سالار خود تو اعلیٰ اخلاقی اقدار کا حامل ہو مگر اس کی سپاہ کے لوگ بداخلاق، ظالم، سفاک، مال وزر کی حرص کے اسیر ہوں، ایسی صورت میں اکیلا سپہ سالار رفع شر اور اصلاح نہیں کر سکتا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مجاہدین کی خوب اخلاقی تربیت فرمائی۔ آپ ﷺ کی سپاہ کا جنگ کرنے کا مقصد بھی وہی تھا جو آپ ﷺ کا تھا۔ اکثر غزوات میں آپ ﷺ نے خود قیادت فرمائی اور آپ ﷺ پورا اہتمام فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کے لشکر کا ہر سپاہی اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرے۔ جن جنگوں میں آپ ﷺ نے خود شرکت نہیں فرمائی بلکہ کسی صحابی کی کمان میں لشکر یا دستہ بھیجا آپ ﷺ نے روانہ فرماتے وقت انہیں ہمیشہ تقویٰ اور پارسائی کو اختیار کیے رکھنے کی ہدایت فرمائی۔

سپاہ کا مقصد اور نظریہ پر پختہ یقین:

بطور سپہ سالار کے آپ ﷺ کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ آپ ﷺ نے اپنی فوج کے ہر سپاہی میں اپنے مقصد اور نظریے کی حقانیت پر پختہ یقین پیدا کر دیا تھا۔ جب تک فوج کو اپنے مقصد اور نظریے کی سچائی کا پکا یقین نہ ہو وہ جنگ میں ثابت قدمی سے بہادری کے جوہر نہیں دکھا سکتی جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تمام جنگوں میں صبر واستقامت سے کام لیتے ہوئے دلیری اور شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے جو رہتی دنیا تک یاد رکھے جائیں گے۔ یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ انہیں اپنے موقف کے سچا ہونے پر پختہ یقین تھا۔

www.CSSExamPoint.com

سپاہ میں ہر صورت عزم و حوصلہ قائم رکھا:

حضور ﷺ کو بہت سے جنگیں نہایت نامساعد حالات میں لڑنا پڑیں۔ دشمن کی تعداد مقابلتاً بہت زیادہ ہوتی، وہ کہیں زیادہ سامان جنگ سے لیس ہوتا، مال و اسباب میں بھی دشمن کو بہت زیادہ فوقیت حاصل ہوتی جبکہ اہل ایمان ان سب شعبوں میں بہت کمزور ہوتے تھے۔ یہ مومنین کے پیکر کا کمال تھا کہ آپ ﷺ نے ہر حال میں اپنی سپاہ کے اندر عزم و حوصلہ اور جوش و ولولہ قائم رکھا۔ غزوۂ بدر میں صرف ۳۱۳ نہتے مسلمانوں کو ایک ہزار کفار کا مقابلہ کرنے کے لیے عزم و ہمت کے ساتھ آمادہ کر لیا، غزوۂ احد میں تین ہزار کے جنگی سامان سے لیس لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے سات سو مجاہدین کو تیار کیا اور غزوۂ احزاب میں جب سارا عرب مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے چڑھ آیا تو مٹھی بھر مسلمانوں کو دفاعی خندق کھود کر مدینہ میں محصور ہو کر مقابلہ کرنے کے لئے پرعزم کر لینا آپ ﷺ کا معجزانہ کام تھا۔ قیصر روم کی طرف سے متوقع حملے کی پیش بندی کے لیے انتہائی ناسازگار حالات میں اتنی دور دراز کی مہم پر مجاہدین اسلام کو لے جانا آپ ﷺ کا کمال تھا۔ آپ ﷺ نے کبھی اپنے سپاہ کو حوصلہ نہیں ہارنے دیا۔ غزوۂ احد اور غزوۂ حنین میں جب مسلمانوں کی بعض غلطیوں کی وجہ سے مسلمانوں کو شکست ہونے لگی اور ان میں کھلبلی مچ گئی تو آپ ﷺ نے ان کو پھر سے اکٹھا کر کے ان میں جوش و ولولہ پیدا کر دیا اور شکست کو فتح میں بدل دیا۔

صرف اللہ پر بھروسہ:

آپ ﷺ نے تمام جنگوں میں صرف اللہ تعالیٰ کی نصرت پر بھروسہ کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی صرف اللہ پر بھروسہ کرنا سکھایا۔ آپ ﷺ نے کبھی تعداد اور سامان جنگ پر بھروسہ نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے اکثر و بیشتر جنگیں دشمن کے مقابلے میں بہت تھوڑی سی جماعت اور معمولی سامان جنگ کے ساتھ لڑیں، صرف اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسے پر۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ آپ ﷺ کی مدد فرمائی، مثلاً غزوۂ بدر میں فرشتے بھیج کر، غزوۂ احد میں بعض مجاہدین اسلام پر اونگھ طاری کر کے اور دشمن کو مرعوب کر کے، غزوۂ احزاب میں آندھی بھیج کر۔ آپ ﷺ کے دشمنوں پر اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ آپ ﷺ کا رعب طاری رکھا۔ وسیع و عریض اور عظیم الشان سلطنت کے حکمران قیصر روم جیسا شخص بھی مرعوب تھا اور تبوک میں حضور ﷺ کے مقابلے کے لیے نہیں نکلا تھا۔

محبوب شخصیت:

حضور ﷺ بے حد محبوب اور دل نواز شخصیت کے مالک تھے۔ آپ ﷺ کی سپاہ کے ہر مجاہد کو آپ ﷺ سے انتہائی محبت تھی، وہ حضور ﷺ پر ہر وقت اپنی جان نچھاور کرنے کو تیار رہتے تھے۔ غزوۂ احد میں جب مسلمانوں کے لشکر میں افراتفری مچی تو جو صحابی رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے پاس تھے انہوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر آپ ﷺ کا دفاع کیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ پر تیر روکے، ان کا یہ ہاتھ شل ہو گیا۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا پانی پلانے آتی تھیں، وہ حضور کا بچاؤ کرتے ہوئے زخمی ہو گئیں۔ غزوۂ اُحد میں ہی ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کا باپ، شوہر اور بھائی شہید ہو گئے۔ انہیں اس کی خبر ملی تو یہ پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بتایا کہ اللہ کا شکر ہے آپ ﷺ خیریت سے ہیں۔ صحابیہ رضی اللہ عنہا نے کہا، آپ ﷺ سلامت ہے تو ہر مصیبت آسان ہے۔

سپہ سالار کے لیے ہر دلعزیز اور محبوب شخصیت کا مالک ہونا نہایت ضروری ہے ورنہ وہ جنگ میں جاں نثار ثابت نہیں ہوتے بلکہ نازک موقع پر ساتھ چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں اور سپہ سالار صرف اپنی جسمانی خوبصورتی یا ظاہری شان و شوکت سے ہر دلعزیز نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کا اخلاق اعلیٰ اور سپاہیوں سے سلوک مثالی ہو، جیسا کہ حضور ﷺ کا تھا۔ آپ ﷺ ہر صحابہ کے لیے بے حد خلوص و محبت رکھتے تھے، ہر ایک کے غمگسار اور ہمدرد تھے، اپنے لیے کسی قسم کا امتیاز پسند نہیں فرماتے تھے۔ ہر دکھ، درد اور مصیبت جھیلنے میں سب کے ساتھ برابر شریک ہوتے تھے۔ غزوۂ

www.CSSExamPoint.com

خندق میں بھوک پیاس کی حالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خندق کی کھدائی کی تو آپ ﷺ نے بھی ان سے زیادہ بھوک پیاس کی حالت میں اس کی کھدائی میں برابر حصہ لیا۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی سپاہی کی توہین یا بے عزتی نہیں کی، کسی سے کبھی کوئی توہین آمیز سلوک نہیں کیا، کبھی کسی سے ایسی خدمت نہیں لی جس سے اس کی عزت نفس مجروح ہوتی ہو۔ سب کے ساتھ عزت و احترام کا اور مساویانہ برتاؤ ہوتا تھا۔ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرماتے تھے۔ پھر ایسی شخصیت سب کی محبوب کیوں نہ ہو! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے ساتھ اپنی اولاد اور ماں باپ سے زیادہ محبت رکھتے تھے۔

حضور ﷺ بطور جنگی منصوبہ ساز/ بہترین جنگی حکمت عملی اور جنگی حربے

حضورؐ کو چھوٹی سی جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ قریش مکہ اور دیگر ان کے حلیف قبائل کا جنگوں میں مقابلہ کرنا پڑا۔ شروع میں سارا عرب ہی مخالف تھا۔ یہ حضور ﷺ کی سپہ سالاری کا اعجاز ہے کہ چند برسوں میں نہ صرف سارا عرب آپ ﷺ کے زیر نگیں ہو گیا بلکہ عرب سے باہر ہمسایہ طاقتیں بھی اسلام کی قوت و حشمت سے لرزنے لگیں اور یہ سب کچھ بہت ہی معمولی جانی نقصان سے حاصل ہو گیا۔ مومنین اور کفار دونوں فریقوں کا جانی نقصان بہت ہی تھوڑا ہوا۔ اور یہ صرف اور صرف حضور ﷺ کی اعلیٰ بصیرت و فراست، بہترین جنگی حکمت عملی اور عمدہ جنگی حربوں کی بدولت ہوا چند باتیں بطور مثال بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔ دشمن کا سیاسی محاذ پر مقابلہ:

شروع میں سارا عرب حضور ﷺ کی دعوت حق کا مخالف تھا، جس کا سبب جہالت اور ادنیٰ دنیوی مفادات تھے۔ آپ ﷺ نے مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد اپنے مخالفین کی تعداد کو کم کرنے کی کوشش فرمائی۔ آپ ﷺ نے مدینہ کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ ایک معاہدہ طے فرمایا جو میثاق مدینہ (یا صحیفۂ مدینہ) کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں دوسری شرائط کے ساتھ ایک شرط یہ بھی رکھی گئی تھی کہ بیرونی حملہ آور کے خلاف سب اہل مدینہ مل کر شہر کا دفاع کریں گے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ کے گردونواح کے قبائل کے ساتھ دوستی کے معاہدے کیے۔ اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ مدینہ کے غیر مسلم اور مدینہ کے گردونواح کے قبیلے کم از کم کھلم کھلا قریش سے مل کر مسلمانوں سے دشمنی نہ کر سکتے تھے۔ اس کے بعد ہر مناسب موقع پر حضور ﷺ عرب کے مختلف قبائل سے معاہدات فرماتے رہے تا آنکہ فتح مکہ تک قریش مکہ بالکل تنہا رہ گئے۔ اگر حضور ﷺ ایسا نہ کرتے اور اس کے برعکس قریش مکہ مدینہ کے غیر مسلموں اور قرب و جوار کے قبائل سے معاہدے کر لیتے تو آپ ﷺ کے لیے اتنے مصائب و مشکلات پیدا ہو جاتے کہ ان کا تصور بھی محال ہے۔ حضور ﷺ نے قریش مکہ کو ایسا کرنے کی مہلت ہی نہ دی اور فوراً پہل کر کے معاہدات طے فرما لیے۔

سیاسی محاذ پر دشمن کا مقابلہ کرنے کی بے حد اہمیت ہے۔ جو سپہ سالار اور حکمران اس محاذ پر شکست کھا جائے وہ میدان جنگ میں بھی بالعموم شکست کھاتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر نے اتحادیوں سے سیاسی محاذ پر شکست کھائی (بالخصوص روس پر حملہ کر کے) اور پھر جنگ بھی ہار گیا۔

۲۔ دشمن کے حالات کی خبر رسانی:

جب تک دشمن کے تازہ ترین حالات، اس کے عزائم، اس کی خفیہ تدبیروں، اس کی چالوں سے آگاہی حاصل نہ ہو اس کا پورے اعتماد کے ساتھ مقابلہ کر کے فتح حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے دشمن کی خبریں حاصل کرنے کا عمدہ اہتمام فرما رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے مستعد اور ہوشیار خبر رساں اس کام پر مامور فرما رکھے تھے۔ گاہ بگاہ معلوماتی مہمیں بھی اس مقصد کے لیے روانہ فرماتے رہتے۔ چنانچہ دشمن کی تمام سرگرمیوں کی آپ ﷺ کو فوراً اطلاع ہو جاتی تھی۔ مثلاً جنگ بدر کے لیے قریش مکہ کا لشکر مدینہ پر چڑھائی کے لیے مکہ سے روانہ ہوا تو آپ ﷺ کو فوراً اس کی خبر مل گئی تھی۔

www.CSSExamPoint.com

۳۔ نہایت رازداری:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دشمن کے تازہ ترین حالات سے آگاہی حاصل کرنے کا شاندار انتظام فرما رکھا تھا لیکن اپنے ارادوں اور چالوں کو مناسب وقت سے پہلے کسی پر ظاہر نہ فرماتے تھے بلکہ مکمل رازداری سے کام لیتے تھے۔ یہ ایک نہایت کامیاب اور عظیم سپہ سالار کا طریقہ کار ہے ایسا کرنے سے ایک تو دشمن آپ ﷺ کے ارادوں اور جنگی حربوں سے مکمل طور پر بے خبر رہتا اور ان کا توڑ کرنے کے قابل نہ ہو پاتا تھا دوسرے اسلامی سپاہ کے کئی نفسیاتی مسائل پیدا نہ ہو پاتے تھے۔ مثلاً حضور ﷺ غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو کسی پر اس ارادے کو ظاہر نہ فرمایا کہ میدان جنگ میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے جا رہے ہیں۔ مجاہدین اسلام کا عام تاثر یہی تھا کہ شاید قریش کے تجارتی قافلہ کو جو شام سے واپس آ رہا تھا، لوٹنے جا رہے ہیں۔ آپ ﷺ مکہ کی فتح کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے تو آخر تک قریش مکہ کو اس کی خبر نہ ہو سکی، حتیٰ کہ اسلامی لشکر مکہ کے قریب پہنچ کر فروکش ہو گیا۔ قریش کا سردار ابوسفیان چند سرداروں کو ساتھ لے کر معمول کے گشت کے لیے باہر نکلا تو اسلامی پہرے دار اسے پکڑ کر بارگاہ نبوت میں لے آئے۔ جب دشمن کا سپہ سالار یوں بے خبری میں پکڑ لیا جائے تو دشمن کیا مقابلہ کر سکتا ہے۔

۴۔ دشمن پر اقتصادی دباؤ کی تدبیریں:

قریش مکہ تجارت پیشہ تھے، مال و زر کی کمی نہ تھی لہٰذا وافر سامان جنگ مہیا کرنا اور جنگوں کا اقتصادی بوجھ اٹھانا ان کے لیے مشکل نہ تھا۔ اس کے مقابلے میں مہاجرین نے اپنا سب مکہ میں چھوڑ کر مدینہ ہجرت کی تھی اور وہ معاشی طور پر بالکل بدحال تھے۔ انصار رضی اللہ عنہم بھی معاشی طور پر نہایت کمزور تھے۔ ان حالات میں حضور ﷺ نے قریش مکہ کے تجارتی راستوں کی ناکہ بندی فرما کر ان پر خوب اقتصادی دباؤ ڈالا تاکہ وہ جنگی جنون سے باز آ جائیں۔ جنگ بدر کے بعد آپ ﷺ نے قریش پر شام کا راستہ بند کر دیا۔ انہوں نے عراق کے راستے تجارتی قافلے بھیجنا چاہے تو آپ ﷺ نے چھوٹے چھوٹے اسلامی دستے بھیج کر یہ راستہ بھی بند کر دیا۔ جنگ خیبر کے بعد بنو حنیفہ کا سردار ثمامہ بن اثال اسلام لے آیا تو اس نے قریش پر غلہ بھی بند کر دیا۔ تجارت سے آمدنی تقریباً ختم ہو چکی تھی، جمع پونجی جنگوں میں جھونک چکے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ قریش مکہ کی معاشی طور پر کمر ٹوٹ گئی، مفلسی اور قحط ان پر مسلط ہو گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ قریش مکہ کے سردار ابوسفیان کو مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ سے دعا کی التجا کرنا پڑی۔ حضور ﷺ نے کمال رحمدلی سے کام لیتے ہوئے نہ صرف دعا فرمائی بلکہ قریش کے غریب لوگوں کی مدد کے لیے ابوسفیان کو پانچ سو دینار عطا فرمائے ..... ابوسفیان کو کھجوریں تحفہ میں دیں اور ثمامہ بن اثال کو حضور ﷺ نے فرمان لکھوا کر بھیجا کہ وہ قریش کا غلہ نہ روکیں۔

قریش مکہ جب شدید اقتصادی دباؤ میں آ گئے تھے اصل میں جنگ تو وہ اس وقت ہار گئے تھے۔ اس کے بعد تو صرف ایک رسمی کارروائی ہونا باقی تھی جو فتح مکہ کی صورت میں تمام ہوئی۔

آج جو قوم معاشی میدان میں جنگ ہار جاتی ہے وہ سیاسی اور فوجی میدان میں بھی لازماً شکست سے دوچار ہوتی ہے۔ سوویٹ سوشلسٹ روس معاشی جنگ ہار کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ آج جدید ترین طریقہ جنگ ہی یہ ہے کہ معاشی میدان میں حریف کو شکست دی جائے۔ جاپان اور جرمنی اب فوجی قوتیں نہیں ہیں لیکن معاشی محاذ پر امریکہ جیسی عظیم فوجی قوت کو ناکوں چنے چبوا رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے چودہ سو سال قبل حریف پر اقتصادی دباؤ ڈالنے کا جنگی حربہ استعمال کیا جسے آج بیسویں صدی کی چوتھائی میں جدید ترین حربہ کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے، گویا آج ساری دنیا حضور ﷺ کی بطور سپہ سالار عظمت کو خراج عقیدت پیش کر رہی ہے۔

۵۔ کمانڈو سرگرمیاں:

بعض جنگی امور ایسے ہوتے ہیں جنہیں لشکر کشی یا میدان جنگ میں لڑائی سے سرانجام نہیں دیا جا سکتا لیکن وہ جنگی نقطۂ نظر سے بہت اہم ہوتے ہیں۔ ایسے امور کی انجام دہی کے لیے آج سبھی ملک کمانڈوز کو استعمال کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے چودہ سو سال پہلے آج کی اس تکنیک کو استعمال

www.CSSExamPoint.com

فرمایا۔ آپ ﷺ بعض امور کے لیے جانباز غازی (کمانڈوز) روانہ فرماتے۔ مثلاً ایک یہودی کعب بن اشرف کو کمانڈو ایکشن سے قتل کروایا۔ یہ بدفطرت شخص مدینہ میں اپنے ننھیال بنونضیر کے ہاں رہتا تھا۔ یہ نہ صرف مسلمانوں کے خلاف خفیہ سازشیں کرتا بلکہ مشتعل اشعار میں مسلم خواتین کے نام لے کر مسلمانوں کو ذہنی اذیت بھی پہنچاتا تھا۔ حضور ﷺ نے چند جانبازوں کو اس کے قتل پر مامور فرمایا۔ وہ ایک رات اس کے پاس آئے اور بہانے سے اسے اس کے گھر سے دور باہر لے گئے اور پھر اسے قتل کر دیا۔ ایک اور یہودی سردار سلام بن ابی حقیق کو چند انصاری جانبازوں نے خیبر جا کر اس کے گھر میں قتل کر کے جہنم رسید کیا۔

کمانڈو سرگرمیوں سے دشمن پر بوکھلاہٹ اور رعب طاری ہو جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کے اعصاب پر دباؤ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ وہ نفسیاتی طور پر جنگ ہار جاتا ہے۔

۶۔ میدان جنگ میں فوجی دستوں کی عمدہ تعیناتی:

حضور ﷺ میدان جنگ میں اپنے فوجی دستوں کی تعیناتی جنگی نقطۂ نظر سے نہایت اہم جگہوں پر فرماتے تھے۔ مثلاً جنگ بدر میں پانی کے چشموں پر مسلمانوں کا قبضہ تھا، تاہم حضور ﷺ نے انتہائی رحم دلی سے کام لیتے ہوئے قریش مکہ کو بھی وہاں سے پانی لینے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ غزوۂ احد میں آپ ﷺ نے جبل حنین پر تیراندازوں کا ایک دستہ تعینات فرمایا اور سختی سے ہدایت فرمائی کہ کسی حال میں بھی اس جگہ سے نہیں ہٹنا۔ یہ دستہ اس لیے تعینات فرمایا تھا تاکہ دشمن اچانک عقب سے حملہ نہ کر دے۔ چنانچہ جب تک یہ دستہ اپنی جگہ قائم رہا مسلمان عقب سے محفوظ رہے، دشمن کے گھڑسواروں کے دستہ نے عقب سے حملہ آور ہونے کی کوشش کی مگر جبل حنین پر تعینات تیراندازوں نے تیروں کی بوچھاڑ کر کے انہیں واپس لوٹ جانے پر مجبور کر دیا۔ لیکن جب فتح کے بعد مال غنیمت جمع کرنے کے لیے یہ تیرانداز پہاڑ سے نیچے اتر آئے تو دشمن کے رسالہ نے عقب سے حملہ کر دیا اور مسلمانوں کی فوج میں افراتفری پڑ گئی اور اہل ایمان کو سخت مشکلات و مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ غزوۂ خندق میں جب قریش مکہ نے عرب قبائل کو ساتھ ملا کر کوئی چوبیس ہزار کے ٹڈی دل لشکر کے ساتھ مدینہ کی چھوٹی سی بستی پر چڑھائی کی تو حضور ﷺ نے شہر میں محصور ہو کر لڑنے کا فیصلہ کیا۔ شہر کے تین اطراف میں دشوار گزار پہاڑیاں اور گھنے نخلستان تھے ادھر سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ نہ تھا۔ صرف شہر کی شمالی سمت کھلی تھی۔ ادھر حضور ﷺ نے اتنی چوڑائی کی خندق کھدوالی (حضور ﷺ نے خود بھی اس کی کھدائی میں حصہ لیا) کہ دشمن کے گھوڑے اسے پھلانگ نہ سکیں۔ حضور ﷺ کی یہ جنگی چال انتہائی کامیاب رہی۔ کچھ دنوں کے بعد دشمن کو نامراد واپس جانا پڑا اور پھر دوبارہ حملہ آور ہونے کی کبھی جرأت نہ ہوئی۔

جنگ کے اعلیٰ مقاصد، دورانِ جنگ اعلیٰ اخلاقی اقدار کا احترام، جنگ کا بہترین طریقہ کار شاندار جنگی حکمت عملی، بہترین جنگی چالیں اور شاندار فتوحات اور کامیابیاں اس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ حضور ﷺ تاریخ انسانی کے سب سے عظیم سپہ سالار تھے۔ جو سپہ سالار کامیابی اور عظمت کا خواہش مند ہو اسے چاہیے کہ حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی تقلید کرے۔

جنگی اخلاق

ملاحظہ کیجئے اسلام کی انسانیت دوستی کا ایک اور جدید پہلو، اور اس پہلو کے لحاظ سے بھی، اسلامی تہذیب منفرد ہے، امن و سلامتی کی حالت میں، حسن خلق، نرمی، ضعیفوں سے رحم دلی، اقربا اور پڑوسیوں کے ساتھ رواداری کا مظاہرہ ہر قوم کر سکتی ہے، جبکہ کمزوری اور ناطاقتی کی مجبورانہ زندگی گزار رہی ہو..... لیکن جنگ کی حالت میں لوگوں کیساتھ منصفانہ معاملہ کرنا، دشمنوں سے نرم سلوک کرنا بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کے ساتھ رحم دلی کا مظاہرہ کرنا، مغلوب لوگوں کے ساتھ نرمی اور رواداری کا برتاؤ کرنا، یہ ہر قوم کے بس کی بات نہیں ہے اور نہ ہر جنرل میں ان اوصاف کا پایا جانا ممکن ہے۔ خون دیکھنے سے خون کھول اٹھتا ہے اور دشمنی، کینہ اور غیض و غضب کو برانگیختہ کرتی ہے۔ کامیابی کا نشہ ایک فاتح کو مدہوش کر دیتا ہے اور ایسے حالات میں

www.CSSExamPoint.com

وہ بدترین شقاوت تھی اور انتقام کا مظاہرہ کر جاتا ہے، یہی اقوام کی تاریخ ہے خواہ وہ قدیم ہوں یا جدید، بلکہ پوری انسانیت کی یہی تاریخ ہے، جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کا خون بہایا:

اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ط قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ط قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (المائدہ:۲۷)

ترجمہ: ''جبکہ دونوں نے، کچھ نیازیں چڑھائیں تو ایک کی نیاز قبول ہوگئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی (قابیل) کہنے لگا میں تجھے قتل کردوں گا، اس (ہابیل) نے کہا خدا پرہیزگاروں ہی کی نیاز قبول کرتا ہے۔''

اس موقع (قوت وشوکت اور جنگ) پر تاریخ نے زندگی جاریہ کا تاج، صرف ہماری تہذیب کے قائدین کے سر پر رکھا ہے، فوجی ہوں یا شہری اور فاتح ہوں یا حاکم ہوں، کیونکہ تمام تہذیبوں میں اسلام وہ واحد تہذیب ہے جس کے اکابر نے سخت ترین جنگی حالات میں بھی، بلند ترین عادلانہ اور مشفقانہ انسانیت کا مظاہرہ کیا۔ خصوصاً ایسے مواقع پر جب حالات انسان کو خونریزی، ظلم اور انتقام پر برانگیختہ کرتے ہیں۔ خدا شاہد ہے کہ مسلمانوں کے یہ جنگی اخلاق، اگر ناقابل انکار تاریخی واقعات سے ثابت نہ ہوتے تو میں ان تمام واقعات کو ایک افسانہ سمجھتا جس کی کوئی حقیقت اس زمین پر نہیں ہوا کرتی۔

تہذیب اسلامی کی برکت:

جب اسلام دنیا میں آیا تو لوگوں کی حالت ایسی تھی جیسی کہ جنگل میں جانوروں کی ہوتی ہے کہ ''قوی، بے تکلف، ضعیف کو قتل کر دیتا اور ایک مسلح، بغیر کسی جھجک کے، ایک غیر مسلح آدمی کو لوٹ لیتا ہے۔ تمام ادیان وشرائع اور تمام اقوام، قبائل کے ہاں جنگ گویا زندگی کی روزمرہ معمولات میں سے تھی، جو کسی قید سے مقید نہ تھی اور نہ کسی حد میں محدود تھی۔ جائز جنگ اور ناجائز اور ظالمانہ جنگ کے درمیان کوئی فرق وامتیاز نہ تھا جو قوم بھی اس بات کی قدرت پاتی کہ دوسری قوم سے اس کی زمین چھین لے، اس کی عورتوں کو باندیاں اور اس کے مردوں کو غلام بنالے اور اس کے اپنے عقائد وخیالات کو ترک کر دینے پر مجبور کرے، وہ بغیر کسی جھجک اور احساس گناہ کے یہ سب کچھ کر گزرتی لیکن ہماری تہذیب نے یہ بات گوارا نہ کی کہ دنیا میں یہ ظالمانہ طرز عمل برقرار رہے، جس نے انسانیت کو حیوانیت خالصہ کی سطح تک گرا دیا تھا، بلکہ یہ اعلان کیا کہ اقوام کے درمیان باہمی تعلقات کے باب میں اصل چیز تعارف اور تعاون ہے (نہ کہ نفرت اور حرب):

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط

ترجمہ: ''لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔'' (الحجرات:۱۳)

اس بنا پر صلح وآشتی اور امن وسلامتی، اقوام کے درمیان تعلق کا ایک طبیعی اور فطری علاقہ ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ص

ترجمہ: ''اے ایمان والو داخل ہو جاؤ، صلح وسلامتی (اسلام) میں پورے کے پورے۔''

www.CSSExamPoint.com

سامان طاقت کی فراہمی کس لیے ضروری ہے؟

اب جو قوم امن وسلامتی سے رہنا ہی نہ چاہے اور دوسری قوم سے جنگ اور اس پر تعدی کے بغیر اسے چین ہی نہ ملتا ہو، اس مقصد کے لیے ہر گھڑی آمادۂ پیکار رہتی ہو، تو اس دوسری قوم کا بھی فرض ہے کہ وہ اس جارحیت کے دفاع کے لیے تیار رہے، کیونکہ اگر کوئی قوم، ہر وقت دفاع کے لیے مستعد اور تیار نہ ہو تو جارحیت پسند قوم حرب وتعدی کو فتح یاب کرنے میں نہایت تیزی سے کام لیتی ہے:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ

ترجمہ: ''اور جہاں تک ہو سکے قوت وطاقت فراہم کر کے اور گھوڑوں کی تیاری سے، ان کے لیے مستعد رہو، کہ اس سے خدا کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں پر ہیبت بیٹھی رہے۔''

اب اگر جارحیت پسند قوم اپنے جارحانہ عزائم سے باز آ جاتی ہے، اور ''مسلح صلح پسندی'' سے ڈر جاتی ہے، تو پہلی قوم کو بھی چاہیے کہ وہ بے تکلف، مصالحانہ ہاتھ مصافح کے لیے بڑھائے، بلکہ اسے چاہیے کہ وہ صلح کے لیے بہت زیادہ خواہشمندی کا اظہار کرتے:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط

ترجمہ: ''اور اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہو جائیں تو تم بھی اس کی طرف ہو جاؤ اور خدا پر بھروسہ رکھو۔''

لیکن جارحیت پسند اگر لڑنا ہی چاہیں تو پھر قوت کا دفاع قوت ہی سے ہو سکتا ہے، لوہا لوہے کو کاٹتا ہے: وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ (بقرہ:۱۹۴) اور اللہ کے راستے میں، ان لوگوں سے قتال کرو جو تم سے لڑتے ہیں۔''

جنگ کے مقاصد:

یہ ہے وہ موقف جس کی بنا پر اسلامی تہذیب کے اصول ومبادی مال غنیمت لوٹ مار اور اقوام کو ذلیل کرنے کی خاطر جنگ کی اجازت ہرگز نہیں دیتے، کیونکہ اس کے اصول ایسی لڑائیوں کو قطعاً حرام قرار دیتے ہیں اور اس کی نظر میں صرف وہی جنگ جائز ہے، جو ان مقاصد میں سے کسی ایک کے لیے لڑی جائے۔

۱۔ قوم کے اخلاق اور نظریات کے دفاع کی خاطر۔

۲۔ قوم کی حریت، استقلال اور سلامتی کے بچاؤ کے لیے: وقاتلوا هم حتى لاتكون فتنة ويكون الدين كله لله (حج:۴)۔

''اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے۔''

اس شکل میں اعلان جنگ کرنے والے قوم کے لیے محض اپنے عقیدے کی حریت مطلوب نہیں ہے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ عقائد کی حریت وآزادی کی ضمانت بھی دے اور سارے مذاہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی بھی ضامن ہو:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ط

ترجمہ: ''اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو صومعے، گرجے عبادت خانے، مسجدیں جن میں خدا کا بکثرت ذکر کیا جاتا ہے، ڈھائی جا چکی ہوتیں۔''

www.CSSExamPoint.com

ایک اور درخشندہ پہلو:

اسلامی تہذیب کے تابناک اصول کا یہ ایک ابتدائی درخشندہ پہلو بھی ہے کہ اس نے جس طرح ہم پر یہ فریضہ عائد کیا ہے کہ ہم اپنی عزت وحریت پر کوئی آنچ نہ آنے دیں اسی طرح ہمارے لیے یہ بھی لازم قرار دیا ہے کہ دوسرے کمزور اور مظلوم گروہوں اور طبقوں کی دستگیری کرتے ہوئے ان پر کیے جانے والے مظالم کے مقابلہ میں، ان کا دفاع کریں:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (نساء:۷۵)

ترجمہ: ''اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خدا کی راہ میں اور ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کو ظلم وتشدد سے نجات دلانے کی خاطر نہیں لڑتے، جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے پروردگار، ہم کو اس شہر سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں نکال کر کہیں اور لے جا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما۔''

ان اخلاقی پابندیوں میں جکڑی ہوئی، جنگ ہی وہ جنگ ہو سکتی ہے جو عقیدے اور آزادیٔ فکر وعمل اور امن وسلامتی پر ہونے والے جبر وتشدد کے دفعیہ کے لیے میدان کارزار خ کرے، اور یہی جنگ اسلام میں جائز ہے اور اس مقصد کے لیے لڑنے والا ہی اللہ کا تقرب حاصل کرتا ہے اور اسے جنت ملتی ہے اور اسی کے متعلق تہذیب اسلامی نے یہ فیصلہ کیا ہے یہ جہاد فی سبیل اللہ ہے اور اس کے سوا جس قدر جنگیں ہیں وہ طغیان اور فساد فی الارض کے لیے ہوتی ہیں۔ اسلامی تہذیب میں مشروع لڑائی اور اقوام عالم کے ہاں معروف لڑائیوں کے درمیان جو فرق ہے اسے اس آیت کے اندر خوبی سے واضح کیا گیا ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا (النساء:۷۶)

ترجمہ: ''جو مومن ہیں وہ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں، سو تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو یقین رکھو کہ شیطان کا داؤ بودا ہوتا ہے۔''

جنگ کس سے اور کس حد تک؟:

اسلامی تہذیب اعلان جنگ اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے کرتی ہے اور اس تجویز کردہ نظام زندگی کے قیام کے لیے کرتی ہے۔ یہ نظام، نظام حق ہے۔ یہی خیر ہے اور یہی شریفانہ انداز ہے، اس کے بالمقابل دوسرے لوگ اعلان جنگ دوسروں پر تعدی، شیطنت اور فساد فی الارض کی خاطر کرتے ہیں اور شیطنت نام ہے شر، سرکشی اور فساد کا۔ تو جب ہماری تہذیب کی جنگوں کی یہ غایت اور اس کا یہ مطلوب ہے تو حق کی راہ میں خیر کی خاطر، اس کی جنگ باطل اور شر کا ذریعہ ہرگز نہیں بن سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ کے باب میں ہماری تہذیب کے اصول ومبادی میں سے ایک یہ ہے کہ صرف اسی سے لڑا جائے جو ہم سے لڑتا ہے اور جو ہم پر زیادتی کرتا ہے: **فمن اعتدی علیکم فاعتدوا بمثل ما اعتدی علیکم** (بقرہ:۱۹۴) ''جب تم پر کوئی زیادتی کرے تو اس کے جواب میں تمہارا ردعمل اسی قدر ہونا چاہیے جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہے۔'' لہٰذا اگر ہم ان حدود سے تجاوز کرتے ہوئے ان لوگوں سے لڑنے لگیں جو لڑنا نہیں چاہتے، اور ان کو ایذا پہنچائیں جو ایذا کے درپے نہیں، تو ہم اس جنگ انسانیت کو، اس کے اعلیٰ اغراض ومقاصد سے منحرف کر دینے کی بنا پر، زیادتی کرنے والے قرار پائیں گے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے: **وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان**

www.CSSExamPoint.com

اللہ لا یحب المعتدین (البقرہ:۱۹۰)" اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی خدا کی راہ میں ان سے لڑو، مگر زیادتی نہ کرو کہ خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا"۔ اور دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ
(شوریٰ:۴۱۔۴۲)

ترجمہ: "اور جس پر ظلم ہوا اگر وہ اس کے بعد انتقام لے تو ایسے لوگوں پر کچھ الزام نہیں۔ الزام تو ان لوگوں پر ہے جو انسان پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق فساد پھیلاتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

لہٰذا جب جنگ کی آگ بھڑک اٹھے تو ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اپنے اصول جنگ کو ہر وقت ملحوظ خاطر رکھیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سنگدلی، فساد اور تباہی و بربادی کے باعث بن جائیں۔ ایسا ہرگز نہ ہونا چاہیے، کیونکہ خالص اللہ کے راستے میں لڑی جانے والی جنگ انسانیت کو، اپنے وسائل و ذرائع کے لحاظ سے بھی، ہمیشہ انسانیت کی حدود کے اندر رہنا چاہیے وہ جنگ بے انتہا سخت اور شدید کیوں نہ ہو۔

جنگ سے متعلق چند ہدایات:

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جنگ کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں ایسی ہدایات ہیں جو کسی بھی دوسری تہذیب کی تاریخ میں نہیں ملتیں۔ مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جیش اسامہ کو یہ ہدایات دیں:

"لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر مثلہ نہ بنانا، چھوٹے بچوں کو قتل نہ کرنا، ایسے بوڑھوں کو قتل نہ کرنا جو لڑ نہیں سکتے، عورتوں کو کچھ نہ کہنا، باغات نہ کاٹنا، نہ آگ لگانا، کسی پھل دار درخت کو نہ کاٹنا، کھانے بھر کی ضرورت سے زائد کسی جانور کو ذبح نہ کرنا، تم لوگوں کا گزر ایسے لوگوں پر ہوگا جنہوں نے اپنے آپ کو گرجوں میں، عبادت کے لیے وقف کر رکھا ہے، ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا اور وہ کام کرنے دینا جس کے لیے وہ یکسو ہو گئے ہیں۔"

آپ نے دیکھ لیا کہ خالص "اسلامی جنگ" جو شر و فساد اور ظلم کے لیے نہیں بلکہ صرف اللہ کے راستے میں لڑی جاتی ہے اس کے کیا خدوخال ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ ہمیشہ ایسے اصول و مبادی کی پابند رہتی ہے جو انسانیت کے لیے باعث رحمت ہیں، یہاں تک کہ وہ دو نتائج میں سے کسی ایک پر پہنچ جاتی ہے یا صلح ہو جاتی ہے یا فتح نصیب ہو جاتی ہے، اگر صلح کی جائے تو اس میں معاہدات کی سختی سے پابندی کی جاتی ہے اور فریقین کے مابین کیے جانے والے معاہدات کو پورا کرتے رہنا لازمی ہوتا ہے، کیونکہ وہ دراصل اللہ سے کیا ہوا عہد ہوتا ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ

ترجمہ: "اور جب خدا سے عہد کرو تو اس کو پورا کرو، اور جب پکی قسمیں کھاؤ تو ان کو مت توڑو کہ تم تو اپنا ضامن مقرر کر چکے ہو۔"

اور اگر فتح نصیب ہو تو وہ ایک ایسی جماعت کی فتح ہے، جس نے محض اللہ کے لیے تندہی دکھائی، اس کے افراد اللہ کی راہ میں شہید ہوئے، ایسی جماعت فتح کے بعد وہی اقدامات کرتی ہے جن سے زمین میں نظام حق کی جڑیں مضبوط ہوں اور لوگوں کے درمیان ہر قسم کے فساد اور تعدی کا سدباب کرتی ہے:

www.CSSExamPoint.com

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ط وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ

ترجمہ: ''وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار عطا کریں تو نماز قائم کریں، زکوۃ دیں، نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور تمام امور کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔''

یہ ہیں وہ حدود جو اسلامی تہذیب نے فتح کے بعد اپنے فاتح کی سرگرمیوں کے لیے مقرر کیے ہیں یعنی بلند روحانیت، اجتماعی انصاف، نیکی اور رفاہ عامہ کے کاموں میں باہمی تعاون اور سرزمین پر شر و فساد سے پیہم مقابلہ..... یہ ہیں ہماری تہذیب کے جنگی اصول و مبادی، اور یہ ہیں ہمارے جنگی اخلاق جنہیں سمیٹ کر صرف تین لفظوں میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ ''انصاف، رحم اور وفا عہد۔''

غزوات پر ایک نظر

نبی ﷺ کے غزوات، سرایا اور فوجی مہمات پر ایک نظر ڈالنے کے بعد کوئی بھی شخص جو جنگ کے ماحول، پس منظر و پیش منظر اور آثار و نتائج کا علم رکھتا ہو یہ اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ نبی ﷺ دنیا کے سب سے بڑے اور باکمال فوجی کمانڈر تھے۔ آپ ﷺ کی سوجھ بوجھ سب سے زیادہ درست اور آپ ﷺ کی فراست اور بیدار مغزی سب سے زیادہ گہری تھی۔ آپ ﷺ جس طرح نبوت و رسالت کے اوصاف میں سید الرسل اور اعظم الانبیاء تھے، اسی طرح فوجی قیادت کے وصف میں بھی آپ ﷺ یگانہ روزگار اور نادر عبقریت کے مالک تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے جو بھی معرکہ آرائی کی اس کے لیے ایسے حالات و وجوہات کا انتخاب فرمایا جو حزم و تدبر اور حکمت و شجاعت کے عین مطابق تھے۔ کسی معرکے میں حکمت عملی، لشکر کی ترتیب اور حساس مراکز پر اس کی تعیناتی، موزوں ترین مقام جنگ کے انتخاب اور جنگی پلاننگ وغیرہ میں آپ ﷺ سے کبھی کوئی چوک نہیں ہوئی اور اسی لیے اس میدان پر آپ ﷺ کو کبھی کوئی زک نہیں اٹھانی پڑی، بلکہ ان تمام جنگی معاملات و مسائل کے سلسلے میں آپ ﷺ نے اپنے عملی اقدامات سے ثابت کر دیا کہ دنیا بڑے بڑے کمانڈروں کے تعلق سے جس طرح کی قیادت کا علم رکھتی ہے آپ ﷺ اس سے بہت کچھ مختلف ایک نرالی قسم کی کمانڈرانہ صلاحیت کے مالک تھے۔ جس کے ساتھ شکست کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ اس موقع پر یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ اُحد اور حنین میں جو کچھ پیش آیا اس کا سبب رسول اللہ ﷺ کی کسی حکمت عملی کی خامی نہ تھی بلکہ اس کے پیچھے حنین میں کچھ افراد لشکر کی بعض کمزوریاں کارفرما تھیں اور اُحد میں آپ ﷺ کی نہایت اہم حکمت عملی اور لازمی ہدایات کو نہایت فیصلہ کن لمحات میں نظر انداز کر دیا گیا تھا۔

پھر ان دونوں غزوات میں جب مسلمانوں کو زک اٹھانے کی نوبت آئی تو آپ ﷺ نے جس عبقریت کا مظاہرہ فرمایا وہ اپنی مثال آپ تھی۔ آپ ﷺ دشمن کے مدمقابل ڈٹے رہے اور اپنی نادرۂ روزگار حکمت عملی سے اسے یا تو اس کے مقصد میں ناکام بنا دیا — جیسا کہ اُحد میں ہوا — یا جنگ کا پانسہ اس طرح پلٹ دیا کہ مسلمانوں کی شکست، فتح میں تبدیل ہو گئی — جیسا کہ حنین میں ہوا — حالانکہ احد جیسی خطرناک صورت حال اور حنین جیسی بے لگام بھگدڑ سپہ سالاروں کی قوتِ فیصلہ سلب کر لیتی ہے اور ان کے اعصاب پر اتنا بدترین اثر ڈالتی ہے کہ انہیں اپنے بچاؤ کے علاوہ اور کوئی فکر نہیں رہ جاتی۔

یہ گفتگو تو ان غزوات کے خالص فوجی اور جنگی پہلو سے تھی۔ باقی رہے دوسرے گوشے تو وہ بھی بے حد اہم ہیں۔ آپ ﷺ نے ان غزوات کے ذریعے امن و امان قائم کیا، فتنے کی آگ بجھائی اسلام و بت پرستی کی کشمکش میں دشمن کی شوکت توڑ کر رکھ دی اور انہیں اسلامی دعوت و تبلیغ کی راہ آزاد چھوڑنے اور مصالحت کرنے پر مجبور کر دیا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ان جنگوں کی بدولت یہ بھی معلوم کر لیا کہ آپ ﷺ کا ساتھ دینے والوں میں کون سے لوگ مخلص ہیں اور کون سے لوگ منافق، جو نہاں خانۂ دل میں غدر و خیانت کے جذبات چھپائے ہوئے ہیں۔

www.CSSExamPoint.com

پھر آپ ﷺ نے محاذ آرائی کے عملی نمونوں کے ذریعے مسلمان کمانڈروں کی ایک زبردست جماعت بھی تیار کر دی جنہوں نے آپ ﷺ کے بعد عراق و شام کے میدانوں میں فارس و روم سے ٹکر لی، اور جنگی پلاننگ اور تکنیک میں ان کے بڑے بڑے کمانڈروں کو مات دے کر انہیں ان کے مکانات و سرزمین سے، اموال و باغات سے، چشموں اور کھیتوں سے، آرام دہ اور باعزت مقام سے اور مزے دار نعمتوں سے نکال باہر کیا۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ان غزوات کی بدولت مسلمانوں کے لیے رہائش، کھیتی، پیشے اور کام کا انتظام فرمایا۔ بے خانماں اور محتاج پناہ گزینوں کے مسائل حل فرمائے۔ ہتھیار، گھوڑے، ساز و سامان اور اخراجات جنگ مہیا کیے اور یہ سب کچھ اللہ کے بندوں پر ذرہ برابر ظلم و زیادتی اور جور و جفا کیے بغیر حاصل کیا۔

حاصل کلام:

آپ ﷺ نے ان اسباب و وجوہ اور اغراض و مقاصد کو بھی تبدیل کر ڈالا جن کے لیے دور جاہلیت میں جنگ کے شعلے بھڑکا کرتے تھے، یعنی دور جاہلیت میں جنگ نام کی تھی لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا، ظلم و زیادتی اور انتقام و تشدد کا، کمزوروں کو کچلنے، آبادیاں ویران کرنے اور عمارتیں ڈھانے کا، عورتوں کی بے حرمتی کرنے اور بوڑھوں، بچوں اور بچیوں کے ساتھ سنگدلی سے پیش آنے کا، کھیتی باڑی اور جانوروں کو ہلاک کرنے اور زمین میں تباہی و فساد مچانے کا۔ مگر اسلام نے اس جنگ کی روح تبدیل کر کے اسے ایک مقدس جہاد میں بدل دیا۔ جسے نہایت موزوں اور معقول اسباب کے تحت شروع کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعے ایسے شریفانہ مقاصد اور بلند پایہ اغراض حاصل کیے جاتے ہیں جنہیں ہر زمانے اور ہر ملک میں انسانی معاشرہ کے لیے باعثِ اعزاز تسلیم کیا گیا ہے۔ کیونکہ اب جنگ کا مفہوم یہ ہو گیا تھا کہ انسان کو قہر و ظلم کے نظام سے نکال کر عدل و انصاف کے نظام میں لانے کی مسلح جدوجہد کی جائے۔ یعنی ایک ایسے نظام کو جس میں طاقتور کمزور کو کھا رہا ہو، اُلٹ کر ایک ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں طاقتور کمزور ہو جائے جب تک کہ اس سے کمزور کا حق لے نہ لیا جائے۔ اسی طرح اب جنگ کا معنی یہ ہو گیا تھا کہ ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کو نجات دلائی جائے جو دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں۔ اور ہمارے لیے اپنے پاس سے ولی بنا، اور اپنے پاس سے مددگار بنا۔ نیز اس جنگ کا معنی یہ ہو گیا کہ اللہ کی زمین کو غدر و خیانت، ظلم و ستم اور بدی و گناہ سے پاک کر کے اس کی جگہ امن و امان، رافت و رحمت، حقوق رسانی اور مروت و انسانیت کا نظم بحال کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے جنگ کے لیے شریفانہ ضوابط بھی مقرر فرمائے اور اپنے فوجیوں اور کمانڈروں پر ان کی پابندی لازمی قرار دیتے ہوئے کسی حال میں ان سے باہر جانے کی اجازت نہ دی۔ حضرت سلیمان بن بریدہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی شخص کو کسی لشکر یا سریہ کا امیر مقرر فرماتے تو اسے خاص اس کے اپنے نفس کے بارے میں اللہ عزوجل کے تقویٰ کی اور اس کے مسلمان ساتھیوں کے بارے میں خیر کی وصیت فرماتے۔ پھر فرماتے: ''اللہ کے نام سے اللہ کی راہ میں غزوہ کرو۔ جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ان سے لڑائی کرو۔ غزوہ کرو، خیانت نہ کرو، بدعہدی نہ کرو، ناک کان وغیرہ نہ کاٹو، کسی بچے کو قتل نہ کرو۔''

اسی طرح آپ ﷺ آسانی برتنے کا حکم دیتے اور فرماتے: ''آسانی کرو، سختی نہ کرو۔ لوگوں کو سکون دلاؤ، متنفر نہ کرو۔

جب رات میں آپ ﷺ کسی قوم کے پاس پہنچتے تو صبح ہونے سے پہلے چھاپہ نہ مارتے۔ نیز آپ ﷺ نے کسی کو آگ میں جلانے سے نہایت سختی کے ساتھ منع کیا۔ اسی طرح باندھ کر قتل کرنے اور عورتوں کو مارنے اور انہیں قتل کرنے سے بھی منع کیا اور لوٹ مار سے روکا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوٹ کا مال مردار کی طرح ہی حرام ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے کھیتی باڑی تباہ کرنے، جانور ہلاک کرنے اور درخت کاٹنے سے منع فرمایا، سوائے اس صورت کے کہ اس کی سخت ضرورت آن پڑے اور درخت کاٹے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''کسی

www.CSSExamPoint.com

زخمی پر حملہ نہ کرو کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرو، اور کسی قیدی کو قتل نہ کرو۔" آپ ﷺ نے یہ سنت بھی جاری فرمائی کہ سفیر کو قتل نہ کیا جائے۔ نیز آپ ﷺ نے معاہدین (غیر مسلم شہریوں) کے قتل سے بھی نہایت سختی سے روکا یہاں تک کہ فرمایا: "جو شخص کسی معاہد کو قتل کرے گا وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔ حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کے فاصلے سے پائی جاتی ہے۔"

یہ اور اس طرح کے دوسرے بلند پایہ قواعد وضوابط تھے جن کی بدولت جنگ کا عمل جاہلیت کی گندگیوں سے پاک وصاف ہو کر مقدس جہاد میں تبدیل ہو گیا۔

حضور ﷺ بحیثیت معلم انسانیت

ارشاد نبوی ہے:

انما بعثت معلما مجھے تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

ترجمہ: بے شک اللہ نے مومنین پر احسان کیا کہ انہیں میں سے ان میں ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے ہماری آیات تلاوت کرتا ہے۔ انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے جب کہ وہ قبل ازیں کھلی گمراہی میں تھے۔

آپ ﷺ کی تبلیغ ہی آپ ﷺ کی تعلیم ہے۔ جس چیز کی آپ ﷺ نے تعلیم دی وہ اسلام ہے اور ہم سب، بالواسطہ طور پر، آپ ﷺ کی تعلیم ہی کی بدولت مسلمان ہیں۔ آپ ﷺ کی تعلیم کا فیض قیامت تک جاری رہے گا۔

معلم کی حیثیت:

ایک معلم کے لیے سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ بھی معلم ہیں۔ وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے جہالت کے خلاف جہاد کیا اور علم کا عام کرنے کا جھنڈا اُٹھایا۔ صرف یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ نے معلم کے لیے بہترین مرتبہ تجویز فرمایا:

العلماء ورثة الانبياء.

ترجمہ: "علماء وارثین انبیاء ہیں۔"

آپ ﷺ نے اپنی امت کے علماء کے احترام اور ان کے حقوق کا لحاظ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ آنحضور ﷺ کے ارشادات سے معلمین کی عظمت کا پتہ چلتا ہے:

قال ليس من امتى من لم يوقفر كبيرنا، ويرحم صغيرنا ويعرف لعالمنا حقه.

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ شخص میری امت میں سے نہیں جو ہمارے بڑوں کا احترام نہیں کرتا، ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے عالم کا حق نہیں پہچانتا۔"

پھر آپ ﷺ نے یہ بھی وضاحت فرمائی کہ معلم کو تعلیم دیتے وقت اجر ملتا ہے جیسے کہ طالب علم کو خداوند کریم اجر عنایت کرتے ہیں۔ چونکہ علم پھیلانا کارِ خداوندی ہے اس لیے علم کا حصول اور اس کی نشر واشاعت عند اللہ ماجور ہونے کا سبب ہے۔

www.CSSExamPoint.com

قال رسول الله: العالم والمتعلم شريكان في الاجر.

ترجمہ: ''رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: معلم اور متعلم دونوں اجر میں شریک ہیں۔''

وقال: معلم الخير يستغفر له كل شئ حتى الحيتان في البحار.

ترجمہ: ''آپ ﷺ نے فرمایا: اچھی بات سکھانے والا ایسا شخص ہے جس کے لیے ہر شے طلب مغفرت کرتی ہے حتی کہ سمندروں کی مچھلیاں بھی۔''

عن أمامة الباهلي قال: ذكر لرسول الله ﷺ رجلان احدهما عابد والاخر عالم. فقال رسول الله ﷺ: فضل العالم على العابد كفضلي على أدناكم ثم قال رسول الله ﷺ: ان الله وملئكته وأهل السموت والارضين حتى النملة في جحرها وحتى الحوت ليصلون على معلم الناس الخير.

ترجمہ: ''ابوامامہ باہلی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا جن میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عالم عابد پر ایسی فضیلت رکھتا ہے جیسا کہ میں تم سے ادنی پر فضیلت رکھتا ہوں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے اور آسمان وزمین کی ساری مخلوقات یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے سوراخوں میں اور مچھلیاں اس کے لیے دعائے خیر کرتی ہیں جو لوگوں کو بھلائی سکھاتا ہے۔''

آنحضرت ﷺ نے اپنی شخصیت کے لیے معلم کے لقب کو زیادہ پسند فرمایا اور اپنی بعثت کا مقصود معلم ہونا قرار دیا۔

عن عبدالله بن عمرو قال خرج رسول الله ذات يوم من بعض حجره، فدخل المسجد، فاذاهو بحلقتين احدا هما يقرون القرآن ويدعون اليه ، والاكرى يتعلمون ويعلمون، فقال النبي: "كل على خير، هؤلاء يقرءون القرآن ويدعون الله، فان شاء اعطاهم وان شاء منهم، وهؤلاء يتعلمون ويعلمون وانما بعثت معلما ثم جلس معهم.

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ دو مجلسوں میں سے گزرے جو مسجد میں منعقد ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دونوں مجلسیں بھلائی پر ہیں لیکن ان میں سے ایک دوسری سے بہتر ہے ان دونوں میں سے ایک عبادت میں مصروف ہے، اللہ سے دعا کر رہی ہے اور اس سے اپنی خواہش و رغبت کا اظہار کر رہی ہے پس اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو انہیں عطا کر دیں۔ چاہیں تو محروم رکھیں اور دوسرے لوگ دینی بصیرت حاصل کر رہے ہیں اور جاہلوں کو علم سکھا رہے ہیں لہٰذا یہ لوگ بہتر ہیں اور میں بھی معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں (یہ کہہ کر) آپ ﷺ بھی ان میں بیٹھ گئے۔''

حضور ﷺ کے ان تمام ارشادات سے معلم کے بلند مرتبے کا تعین ہوتا ہے اور اسلام کے نقطۂ نظر کی بھی وضاحت ہوتی ہے۔

متعلم کی حیثیت:

علم اگر اپنی ذات میں ایک فضیلت ہے پہچاننے والا معزز ہے تو اسے حاصل کرنے والا بھی صاحب فضیلت و عظمت ہونا چاہیے اور حصول علم کی جدوجہد بھی قابل فکر و ستائش طرز عمل قرار پانا چاہیے۔ یہ بھی عظمت اسلام ہے کہ اس نے انسانی معاشرے کے لیے منفعت بخش سعی و جہد کو ماجور قرار

www.CSSExamPoint.com

دیا۔ طلب علم تو بطریق اولی اس کے تحت آتا ہے۔

عن ابی امامة قال: قال رسول اللهﷺ: من غدا الی المسجد لایرید الا ان یتعلم خیرا، ویعلمه کان له کاجر حاج تاما حج وفی روایة کان بمنزلة المجاهد فی سبیل الله.

ترجمہ: ''ابوامامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: جو شخص مسجد میں اس کے سوا کسی ارادے سے نہیں جاتا کہ وہاں سے بھلائی سیکھے یا سکھائے تو اسے ایک حج کا اجر ملے گا جس نے اپنا حج مکمل کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کی حیثیت ایک مجاہد کی ہے جو اللہ کی راہ میں (جہاد کر رہا ہے۔)''

عن واثلة بن الاسقع قال: قال رسول اللهﷺ: من طلب علما فادرکه کتب الله له کفلین من الاجر ومن طلب علما فلم یدرکه کتب الله له کفلا من الاجر.

ترجمہ: ''واثلہ بن اسقع سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: جس شخص نے علم طلب کیا اور اسے پالیا تو اسے دوہرا اجر ہے اور جس نے طلب علم کی اور اسے حاصل نہ کر سکا اسے بھی ایک اجر ملے گا۔''

وقال؛ اذاجاء الموت طالب العلم وهو علی حاله مات شهیدا.

ترجمہ: ''اور فرمایا: جب طالب علم کو حصول علم میں موت آجائے تو وہ شہادت کی موت مرے گا۔''

وقال: فضل العلم خیر من فضل العبادة، وملاک الدین الورع.

ترجمہ: ''فرمایا: علم کی فضیلت عبادت کی فضیلت سے بہتر ہے اور دین کی روح تقوی ہے۔''

آخری حدیث سے دراصل علم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ بالواسطہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ علم عبادت پر فضیلت رکھتا ہے کہ علم حاصل کرنے والا عبادت کرنے والے پر فوقیت رکھتا ہے۔ النبی المعلم نے طالبان علم کی حیثیت کو جس طرح واضح فرمایا ہے وہ مندرجہ بالا بیانات سے ظاہر ہو گئی ہوگی۔ ہم آپﷺ کے دو مزید اقوال نقل کرتے ہیں، ان سے بھی اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے:

عن ابی هریره رضی الله عنه قال: قال رسول اللهﷺ: من سلک طریقا یلتمس فیه علما سهل الله له به طریقا الی الجنة وما اجتمع قوم فی بیت من بیوت الله یتلون کتب الله ویتدارسونه بینهم الا حفتهم الملائکة نزلت علیهم السکینة وغشیتهم الرحمة و ذکرهم الله فیمن عنده ومن أبطأبه عمله لم یسرع به نسبه.

ترجمہ: ''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: جو شخص اس راہ پر چلتا ہے جس سے علم حاصل ہوتا ہے تو اللہ اس کے لیے جنت کی راہ آسان بناتا ہے اور کسی خانہ خدا میں بھی لوگ تلاوتِ کتاب اور مذاکرہ (علم) کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں تو ان پر سکون طاری کیا جاتا ہے۔ اللہ کی رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے۔ فرشتے ان پر سایہ فگن ہوتے ہیں اور اللہ اپنے ہاں ان کا ذکر کرتا ہے اور جس کے عمل نے اسے پیچھے رکھا اس کا نسب اسے آگے نہیں لے جائے گا۔''

وقال صفوان بن عسال: اتیت النبیﷺ وهو فی المسجد متکی علی بردله احمر فقلت له یا رسول اللهﷺ: انی جئت اطلب العلم فقال: مرحبا بطالب العلم ان

www.CSSExamPoint.com

طالب العلم لتحفه الملائكة باجنحتها: ثم يركب بعضهم بعضا حتى يبلغوا السماء الدنيا من محبتهم لما طلب.

ترجمہ: ''صفوان بن عسال کہتے ہیں: میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ مسجد میں سرخ چادر کے سہارے تشریف فرما تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں علم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: طالب علم کے لئے خوش آمدید ہے۔ طالب علم پر فرشتے اپنے پروں سے سایہ فگن ہوتے ہیں۔ پھر ایک دوسرے پر سوار ہوتے ہیں حتی کہ آسمان دنیا پر پہنچ جاتے ہیں۔ یہ سب طالب علم کی محبت کے سبب ہوتا ہے۔''

ایک روایت میں ہے:

من حبهم لما طلب.

ترجمہ: ''یہ ان کی محبت کا اظہار ہے اس چیز کے لئے جس کا وہ طالب ہے۔''

رسول کریم ﷺ نے صرف معلمین و متعلمین کے فضائل پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی وفات سے پہلے اس امر کا اطمینان کر لیا کہ سلسلۂ تعلیم جاری رہے چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم و تعلم کے بارے میں خصوصی وصیت کی اور ہدایات فرمائیں تا کہ چشمۂ علم جاری رہے اور امت مسلمہ علم کی نشر و اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی رہے۔ محدثین نے اپنی کتابوں کے ابواب العلم میں ''وصیت الرسول لطلب العلم'' کے مستقل باب باندھے ہیں۔ ہم ذیل میں آپ ﷺ کے ارشادات نقل کیے دیتے ہیں۔ ان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ تحریک علم کو کس طرح پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے تھے اور آپ ﷺ کو اس امر سے کتنی دلچسپی تھی کہ آپ ﷺ کی امت میں اشاعت علم کے مستقل حلقے قائم ہوں اور طلبہ دور دور سے حصول علم کے لیے کشاں کشاں آئیں۔

عن ابی هارون العبدی قال: كنا اذا اتينا ابا سعيد الخدری قال: مرحباً بوصية رسول الله ﷺ قال قلنا: وما وصية رسول الله ﷺ قال: قال لنا رسول اله: انه سيأتی بعدی قوم يسئالونكم الحديث عنی فاذا جاء وكم فالطفوا بهم وحدثوهم.

ترجمہ: ''ابو ہارون عبدی کہتے ہیں کہ ہم جب ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو وہ کہنے لگے: حضور ﷺ کی وصیت کے مطابق تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔ ہم نے کہا حضور ﷺ کی کیا وصیت ہے؟ کہنے لگے ہمیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد تمہارے پاس میری احادیث پوچھنے کے لیے لوگ آئیں گے۔ پس جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان سے لطف و شفقت سے پیش آنا اور انہیں حدیثیں بتانا۔''

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں:

انه اذا راى الشباب قال مرحبا بوصية رسول الله ﷺ اوصانا رسول الله ان نوسع لكم فی المجلس وان نفقهكم فانكم خلوفنا واهل الحديث بعدنا.

ترجمہ: ''جب وہ نوجوانوں کو دیکھتے تو حضور ﷺ کی وصیت کے مطابق انہیں مرحبا کہتے اور کہتے ہمیں رسول اللہ ﷺ نے وصیت کی ہے کہ تمہارے لیے مجلس میں کشادگی پیدا کریں اور تمہیں دین سکھائیں کیونکہ تم ہمارے بعد رہنے والے ہو اور ہمارے بعد حدیث کے امین ہوں گے۔''

www.CSSExamPoint.com

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ ﷺ قال: سیاتیکم اقوام یطلبون العلم فاذا رأیتموھم فقولوا لھم: مرحبا بوصیۃ رسول اللہ ﷺ وافتوھم.

ترجمہ: ''ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ فرماتے: تمہارے پاس لوگ طلب علم کے لیے آئیں گے جب تم انہیں دیکھو تو انہیں کہو: حضور ﷺ کی وصیت کے مطابق تمہیں خوش آمدید ہے اور انہیں بات سمجھاؤ۔''

ایک اور روایت میں ہے:

انھم ای طلاب العلم سیاتونکم من أقطار الارض یتفقھون فی الدین فاذا جاءُ وکم فاستوصوا بھم خیرا.

ترجمہ: ''وہ یعنی طالب علم تمہارے پاس زمین کے گوشوں سے فہم دین حاصل کرنے کے لیے آئیں گے، جب وہ آئیں تو انہیں اچھی بات بتاؤ۔''

اب تک جو کچھ پیش کیا گیا ہے اس سے علم کے بارے میں حضور ﷺ کا موقف پتہ چلتا ہے، علم کی اہمیت، معلمین و متعلمین کی فضیلت اشاعت علم کے لیے تیاری، سب وہ امور ہیں جن سے آنحضرت ﷺ کے مزاج کی عکاسی ہوتی ہے۔

www.CSSExamPoint.com

حضور ﷺ کے طریقۂ تعلیم کی خصوصیات

۱۔ دلنشیں انداز تعلم:

سب سے پہلی بات جو آپ ﷺ نے پیش نظر رکھی وہ یہ تھی کہ تعلیم و تعلم کو اس انداز سے جاری رکھا کہ متعلم اکتا نہ جائے۔ کیونکہ تعلیم میں جبر سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو سکتے۔ تعلیم اگر باطنی انبساط اور ذہنی و روحانی فرحت کا باعث نہ بنے تو طبائع اس سے درست اثرات نہیں قبول کرتے۔ آپ ﷺ تعلیم کے دوران کوئی ہلکی پھلکی بات، لطیف مزاح سے طبیعتوں کی دلچسپی کو زندہ رکھتے اسی طرح اوقات تعلیم کو کبھی بے ہنگم نہیں رکھا۔

عن ابن مسعود قال: كان النبي ﷺ يتخولنا بالموعظة في الايام كراهة السامة علينا.

ترجمہ: ''ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں وعظ کرنے میں دنوں کا وقفہ کرتے۔ ہمارے اکتا جانے کے اندیشے سے۔''

صحیح بات بھی اگر کہی جائے اور اس میں کوئی وقفہ نہ ہو تو طبیعت اسے معمولی سمجھ کر حقیقی اثر نہیں قبول کرتی۔

۲۔ مخاطب کے معیار کو ملحوظ خاطر رکھنا:

حضور ﷺ کے طریق تعلیم میں دوسری اہم بات ''مخاطب کا معیار'' ہے۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ اس بات کا لحاظ رکھا کہ سننے والے کی استعداد کیا ہے۔ ایک حقیقی معلم ہمیشہ افادیت کے نقطہ نظر سے دیکھتا ہے جب کہ عام طریقہ یہ ہے کہ معلم اپنے علم و فضل، بھاری بھرکم اصطلاحات سے متعلمین کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتا ہے یا اس زعم میں مبتلا ہوتا ہے کہ وہ تو صرف اعلیٰ سطح پر بات کرتا ہے، عام سطح پر اس سے گفتگو نہیں ہوتی۔ آنجناب ﷺ کے طریق تعلیم میں ہمیں صاف طور پر نظر آتا ہے کہ وہ بات سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ ایک اچھے استاد کی طرح سامع کا نفسیاتی جائزہ لیتے ہیں، اس کے ذہنی پس منظر، اس کی استعداد اور اس کے مزاج کو سامنے رکھ کر گفتگو کرتے ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے استعداد عقلی کو نظر انداز کیا ہو اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سامع نے آپ ﷺ کی بات کو نہ سمجھا ہو یا غلط سمجھا ہو۔ پیغمبر ﷺ کی بات کو غلط سمجھنے کے نتائج ویسے بھی بڑے تباہ کن ہو سکتے تھے۔ انفرادی تعلیم کے سلسلے میں جو کچھ سیر و احادیث کی کتابوں میں مروی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بدوی اور شہری، پڑھے لکھے اور ان پڑھ اور عقل و تجربہ کے مختلف مدارج والے انسانوں سے مختلف طریقوں پر سلوک کرتے تھے۔ ہر شخص آپ ﷺ سے مطمئن ہوتا تھا۔ صرف یہی نہیں آپ ﷺ عمدہ مثالوں اور روزمرہ کے مشاہدات سے استدلال کرتے اور سامع کے ذہن میں ہر بات اترتی چلی جاتی۔ دو ایک مثالیں ملاحظہ ہوں:

عن ابي هريرة قال: جاء رجل من بني فزاره الى النبي ﷺ فقال: ان امراتي ولدت غلاما اسود و إني انكرته فقال له النبي ﷺ: هل لك من ابل؟ قال نعم قال: فما الوانها؟ قال حمر قال هل فيها من اورق؟ قال ان فيها اورقا. قال؛ فانى ترى ذلك جائها قال يا رسول الله ﷺ عرق نزعها قال: وهذا لعله يكون نزعه عرق له.

ترجمہ: ''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: بنی فزارہ کا ایک شخص حضور ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری بیوی نے سیاہ بچے کو جنم دیا اور میں پسند نہیں کرتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تمہارے اونٹ ہیں؟ اس نے جواب دیا ہاں! آپ ﷺ نے پوچھا ان کے کیا رنگ ہیں؟ اس نے کہا سرخ! آپ ﷺ نے فرمایا ان میں کوئی سیاہی مائل بھی

www.CSSExamPoint.com

ہے؟ اس نے کہا ہاں سیاہی مائل بھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ کہاں سے آ گیا؟ کہنے لگا ان کی اصل نسب میں کہیں ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ بھی کہیں اصل نسب کا اثر ہوگا۔"

عن امامة الباهلي ان فتى من قريش اتى النبي ﷺ فقال يا رسول الله ﷺ ائذن لي في الزنا، فاقبل القوم عليه وزجروه فقالوا: مه مه! فقال دنه فدنا منه قريباً. فقال اتحبه لامك؟ قال لا والله جعلني الله فداك. قال: ولا الناس يحبون لامهاتهم. قال: افتحبه لابنتك؟ قال لا والله يا رسول الله ﷺ: جعلني الله فداك. قال: ولا الناس يحبونه لبناتهم. ثم ذكر رسول الله ﷺ: اختك وعمتك وخالتك و في كل ذلك يقول الفتى مقالة: لا والله يا رسول الله ﷺ جعلني الله فداك. قال: فوضع يده عليه وقال اللهم اغفر ذنبه وطهر قلبه وحصن فرجه. قال الراوي فلم يكن بعد ذلك الفتى يلتفت الى شئ.

ترجمہ: "امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک قریشی نوجوان آنحضور ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا؟ حضور ﷺ مجھے زنا کی اجازت دیں! تمام لوگ اس پر جھپٹے، اسے سخت سست کہا اور اسے بات کرنے سے روکا۔ آپ ﷺ نے اسے قریب کیا۔ وہ آپ ﷺ کے قریب ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اپنی والدہ کے لیے اسے پسند کرو گے؟ کہنے لگا اللہ مجھے آپ ﷺ پر قربان کرے، اللہ کی قسم ہرگز نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اپنی ماؤں کے لیے اسے ناپسند کرتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اسے تم اپنی بیٹی کے لیے پسند کرو گے؟ کہنے لگا اللہ کی قسم ہرگز نہیں! میں آپ ﷺ پر قربان ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لیے اسے ناپسند کرتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے اس کی بہن، پھوپھی اور خالہ کا ذکر کیا اور ہر مرتبہ وہ مذکورہ جواب دہراتا۔ حضور ﷺ نے اس پر اپنا داہنا ہاتھ رکھا اور کہا: اے اللہ اس کے گناہ کو بخش دے، اس کے دل کو صاف کر دے اور اس کے قوائے جنسیہ کو محفوظ کر دے! راوی کہتے ہیں کہ اس نوجوان نے اس کے بعد کبھی کسی کی طرف التفات نہ کیا۔"

ان دو واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ مخاطب کی نفسیات اور ذہنی مرتبہ کو کتنی اہمیت دیتے تھے۔ بات کرنے میں تو اس امر کا ملحوظ رکھنا اچھے معلم کے لیے کتنا ضروری ہے۔

۳۔ مخاطب کی بولی/ لہجے میں بات کرنا:

آپ ﷺ کے طریق تعلیم میں تیسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ آپ ﷺ مخاطب کی بولی اور ان کے لہجے میں بات کرتے۔ آج نظام تعلیم میں یہ متنازع مسئلہ ہے کہ تعلیم کس زبان میں ہونی چاہیے؟ یہ درست ہے کہ دوسری اقوام کی زبانیں سیکھنا بہت مفید ہے اور بعض علوم کو ان زبانوں میں حاصل کرنا بھی مناسب ہے۔ لیکن بنیادی تعلیم اس زبان میں ہونی چاہیے جس میں مخاطب زیادہ بہتر طریقے پر سمجھ سکتا ہے۔ عرب اگرچہ عربی زبان ہی میں بولتے تھے، لیکن ان کے مختلف قبائل اور علاقوں میں لہجوں (Dialects) کا اختلاف پایا جاتا تھا۔ آنحضور ﷺ سے علم حاصل کرنے کے لئے مختلف قبائل اور افراد آتے تو آپ ﷺ ان سے ان کے لہجے میں بات کرتے۔ خطیب بغدادی نے اپنی سند سے عاصم الاشعری کا قول نقل کیا کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو مخصوص لہجے میں بات کرتے سنا:

www.CSSExamPoint.com

عن عاصم الاشعری رضی الله عنه قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: ليس من امبر امصيام في امسفر اراد ليس من البر الصيام في السفر.

ترجمہ: "عاصم اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ الفاظ کہتے سنا۔ آپ ﷺ یہ کہنا چاہتے تھے کہ سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔"

اشعریوں کی لغت میں لام کو میم سے تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے لہجے کو چھوڑ کر مخاطب کی لغت میں بات کی جس میں زیادہ اپنائیت معلوم ہوتی ہے۔ بلاشبہ اس سے مخاطب پر ایک خوشگوار اثر پڑتا ہے۔

۴۔ آہستہ اور تکرار سے بات کرنا:

جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے تاکہ سامع پوری طرح مستفید ہو اور اگر ضرورت پڑتی تو آپ ﷺ بات کو دہراتے تاکہ سمجھنے میں کمی نہ رہ جائے۔ حضور ﷺ کے اس طریق کار کی حکمت سمجھ میں آتی ہے یعنی اگر معلم کے پیش نظر اپنی شخصیت کا رعب، اپنے علم کا دبدبہ اور اپنی بلند آواز اور وقار الکلام ہونے کا اظہار مقصود نہیں تو اسے وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ معلم سے اس وقت تک استفادہ ممکن نہیں جب تک ایک ایک لفظ نہ محفوظ ہو۔ حضور ﷺ سے یہی طریقہ منقول ہے:

عن أبی أمامة قال: كان رسول الله ﷺ اذا تكلم تكلم ثلاثا لكی يفهم عنه.

ترجمہ: "ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ جب بات کرتے تو تین مرتبہ دہراتے تاکہ اسے ٹھیک طرح سمجھ لیا جائے۔"

عن عروة رضی الله عنه عن عائشة رضی الله عنها قالت: اذا تكلم تكلم فصلا يبينه فيحفظه منه من سمعه.

ترجمہ: "عروۃ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب گفتگو کرتے تو درمیان میں وقفہ کرتے، بات کھول کر بیان کرتے تاکہ ان سے سننے والا محفوظ کر سکے۔"

عن عائشة رضی الله عنها انه كان لا يسرد الكلام كسرد كم وفی رواية. انما كان حديث رسول الله ﷺ فصلا، فهام تفهمه القلوب.

ترجمہ: "عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تمہاری طرح کلام کو مسجع بنانے میں نہیں لگے رہتے تھے بلکہ جب بات کرتے تو اتنا وقفہ دیتے کہ سننے والا حفظ کر سکے۔"

وفی رواية يحدث حديثا لو عده العاد لاحصاره.

ترجمہ: "ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ بات کرتے اور اگر کوئی گننے والا گنتی کرے تو شمار کر سکے۔"

عن انس ان النبی ﷺ كان اذا تكلم بكلمة اعادها ثلاثا هتی تفهم عنه واذا اتی علی قوم فسلم عليهم سلم عليهم ثلاثا.

ترجمہ: "انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ جب گفتگو فرماتے تو تین مرتبہ دہراتے حتیٰ کہ سمجھ لیا جاتا اور کسی کے ہاں جاتے تو تین مرتبہ سلام کہتے۔"

www.CSSExamPoint.com

ان احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے پیش نظر اصل بات یہ تھی کہ کسی طرح مسئلہ سمجھایا جا سکے۔ وہ خود بات کو دہراتے بلکہ ٹھہر ٹھہر کر فرماتے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے سائل کی بات کو بڑی وضاحت کے ساتھ اور اس کے بیان سے زیادہ مفصل طور پر بیان کیا ہے۔ آپ ﷺ جس طرح فصیح اللسان اور قادر الکلام تھے، آپ ﷺ انتہائی پر شکوہ اور مرصع زبان استعمال کر سکتے تھے مگر آپ ﷺ نے اسے پسند نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ نے اس کو بھی ناپسند فرمایا کہ کوئی شخص اپنے علم کو اپنے وقار کا ذریعہ بنا کر دوسروں پر مسلط ہونے یا دوسروں کا استحصال کرنے کی کوشش کرے۔ علم صرف نفع بخشی و فیض رسانی ہے اور کچھ نہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں:

عن كعب بن مالك عن ابيه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: من طلب العلم ليجاري به العلماء اوليماري به السفهاء اويصرف به وجوه الناس ادخله الله النار.

ترجمہ: ''کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے علم اس غرض سے حاصل کیا کہ وہ اس سے علماء پر فخر کرے یا جاہلوں سے جھگڑے یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے تو اللہ اس کو آگ میں داخل کرے گا۔''

۵۔ آسان طریقہ تعلیم:

آپ ﷺ کے طریقہ تعلیم کی پانچویں خصوصیت ''آسانی'' ہے۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ آسانی کو پسند فرمایا اور تشدید و تعقید کو ناپسند کیا۔ وہ مسلمانوں سے توقع رکھتے کہ جس طرح عزائم امور کو انجام دیتے ہیں اسی طرح رخصتوں سے بھی فائدہ اٹھائیں۔ وہ ہمیشہ اس امر کی تلقین کرتے جس میں یسر و آسانی کا پہلو غالب ہوتا۔ اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہوتی، اسے زائل کرنے کے لیے خوبصورت طریقہ استعمال فرماتے۔ آپ ﷺ کی بصیرت اور آپ ﷺ کے ارشادات کا تتبع کیا جائے تو ایسے بے شمار اقوال و واقعات ملتے ہیں جن سے یہ اصول ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً:

عن ابي هريرة قال: دخل اعرابي المسجد فصلى ركعتين ثم قال اللهم ارحمني ومحمدا ﷺ ولا ترحم معنا احدا فالتفت (اليه) النبي ﷺ فقال: لقد تحجرت واسعا! ثم لم يلبث ان بال في المسجد! فاسرع الناس اليه فقال لهم رسول الله ﷺ: انما بعثتم ميسرين ولم تبعثوا معسرين اهريقوا عليه دلوا من ماء اوسجلا من ماء.

ترجمہ: ''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی مسجد میں آیا، اس نے دو رکعتیں ادا کیں۔ پھر کہنے لگا اللہ مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی اور پر نہ فرما۔ حضور ﷺ نے توجہ فرمائی اور کہا تو نے وسیع چیز کو تنگ کر دیا۔ پھر جلدی میں اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ لوگ اس کی طرف دوڑے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں آسانی کرنے والا بنایا گیا ہے مشکل پسند نہیں اس پر پانی کا ایک ڈول بہا دو۔''

کوئی عام مذہبی آدمی ہوتا تو اس واقعہ پر کتنا ہنگامہ کرتا لیکن حضور ﷺ نے اسے کتنی خوش اسلوبی سے نبٹایا اور آپ ﷺ کی اس روش سے اس دیہاتی پر کتنا گہرا اثر پڑا ہوگا۔ اس کے مقابلے میں اپنے معلمین و علمائے دین کے طرز عمل کو دیکھیں، جنہوں نے اپنی خشونت اور تنگ نظری سے مسجدوں اور مدرسوں کو خوفناک جگہیں بنا دیا۔ جہاں لوگ جانے سے ڈرتے اور ان حضرات کو ملنے سے اجتناب کرتے ہیں۔ جہالت یا عدم واقفیت ایک مرض ہے، اسے معذور سمجھ کر اس کے ازالے کی کوشش کرنا انسانیت کی خدمت ہے لیکن اس سے اظہار نفرت و انتقام اور بغض و عناد کر کے اس کی اصلاح کے تمام راستے مسدود کرنے والی بات ہے۔ آسانی کے متعلق حضور ﷺ کے دیگر ارشادات ملاحظہ ہوں:

www.CSSExamPoint.com

عن ابن عباس رضی الله عنهما عن النبی ﷺ انه قال: علموا وبشروا ولا تعسروا واذا غضب احدکم فلیسکت.

ترجمہ: ''ابن عباس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: سکھاؤ، آسانی پیدا کرو، مشکل نہیں اور جب کوئی غصے میں ہو تو اسے خاموش ہو جانا چاہیے۔''

وعن انس رضی الله عنه: قال: قال رسول الله ﷺ خیر دینکم ایسره وخیر العباده الفقه.

ترجمہ: ''انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا بہتر دین آسان ہے اور اچھی عبادت دینی بصیرت حاصل کرنا ہے۔''

حضور ﷺ نے لمبی نماز پڑھانے والے کو تنبیہ کی اور تخفیف کا حکم دیا۔ نماز سے بہتر تو کوئی بات نہیں ہو سکتی، لیکن اس میں بھی آسانی کو ملحوظ خاطر رکھا تا کہ بوجھ نہ بنے۔ آپ ﷺ نے مشکل مسائل میں الجھنے سے منع فرمایا:

عن معاویه قال: نهی رسول الله ﷺ عن الاغلوطات.

ترجمہ: ''معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اغلوطات سے منع کیا ہے۔''

قال الاوزاعی: یعنی صعاب المسائل.

ترجمہ: ''اوزاعی کہتے ہیں کہ اس سے مراد مشکل مسائل ہیں۔''

آسانی کے بارے میں یہ نقطہ نظر صرف بیانیہ نہیں تھا۔ آنحضرت ﷺ کا اپنا عمل بھی اسی پر تھا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ انسان طبعاً سہولت پسند ہے، اس لیے دین کو مشکلات کا مجموعہ نہیں بنانا چاہیے۔ آپ ﷺ نے حتی الامکان دینی زندگی کو آسان بنایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سوال پر فرمایا بار بار سوال نہ کرو۔ ورنہ دین مشکل ہوتا چلا جائے گا۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ تشدد پسندی نہ کرو اللہ تم پر سختی کرے گا۔ حضور ﷺ کے طرز عمل کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ما خیر بین أمرین الااخذا یسرهما مالم یکن اثما فان کان اثما کان ابعد الناس منه وما انتقم رسول الله ﷺ لنفسه الا ان تنتهک حرمة الله فینتقم لله بها.

ترجمہ: ''حضور ﷺ کو کبھی دو امور میں اختیار نہیں دیا گیا، الا یہ کہ ان میں سے آسان کو اختیار کیا بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہو۔ اگر گناہ ہو تو اس سے تمام انسانوں سے زیادہ دور ہوتے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہ لیا الا یہ کہ اللہ کی حرمت مجروح ہو تو پھر اللہ کے لیے آپ ﷺ انتقام لیتے۔''

۶۔ کردار میں تواضع وانکسار:

بطور معلم آپ ﷺ کی بڑی خصوصیت آپ ﷺ کی تواضع وانکسار تھا۔ رسول اور آخری نبی کے لحاظ سے اللہ سے ہمکلام ہونے کے اعتبار سے اور حقائق اشیاء کا سب سے اچھا علم رکھنے کے سبب سے آپ ﷺ نے کبھی کبر وغرور کا شائبہ بھی اپنی شخصیت میں نہ آنے دیا۔ رفقاء کرام جانثار ہیں۔ بلند کرداری کے باعث لوگوں کے دلوں میں بے پناہ تکریم ہے مگر اس معلم خیر ﷺ نے تواضع کی روش کو نہیں چھوڑا۔ آپ ﷺ کی حیثیت، متواضع بھائی، حلیم معلم بلکہ ایک رحیم وشفیق باپ کی سی تھی۔ جب کبھی آپ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے خطاب فرماتے یا انہیں آداب

www.CSSExamPoint.com

زندگی سے روشناس کراتے تو لطیف ترین انداز اور نرم ترین خطاب سے نوازتے۔ ایسا انداز جو دل میں اتر جائے اور طبیعت ذرہ بھر بھی کوفت محسوس نہ کرے۔ مثلاً فرماتے:

انما انا لکم مثل الوالد

ترجمہ: "میں تمہارے لیے تمہارے والد کی مانند ہوں۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بے مثل معلم کے لیے جذبات محبت و عقیدت کا اظہار کرتے تو آپ ﷺ منع فرماتے، مثلاً

لا تطرونی کما اطرت النصاری عیسی بن مریم فانما انا عبد فقولوا عبده و رسوله.

ترجمہ: "مجھے تم اس طرح نہ بڑھاؤ چڑھاؤ جس طرح عیسائیوں نے مسیح (علیہ السلام) کو بڑھایا۔ میں تو بندہ ہوں پس مجھے اس کا بندہ اور رسول کہو۔"

لا تقوموا کما یقوم الاعاجم.

ترجمہ: "تم ایسے نہ کھڑے ہوا کرو جس طرح عجمی کھڑے ہوتے ہیں۔"

آپ ﷺ کبھی اس بات کی خواہش نہ کرتے کہ انہیں بشر کے مقام سے بلند کر کے خدا بنا دیا جائے۔ طبیعت کا یہ انکسار و تواضع معلم کی شخصیت کا زیور ہے۔ سیرت سازی میں اس صفت کو بنیادی دخل حاصل ہے۔ کوئی مغرور و متکبر معلم کبھی اچھے نتائج نہیں پیدا کر سکا۔ یہ جو آج استاد و شاگرد کے ربط میں دو اصطلاحیں گردش کرتی ہیں یعنی (Mutual Understanding and Close Contact) اگر ان سے کوئی درست معنی نکالے جا سکتے ہیں تو وہ یہی ہیں کہ استاد کی شخصیت کو مؤثر ہونا چاہیے اور طلباء کو بذریعہ قرب استاد سے کچھ حاصل کرنا چاہیے۔ بات استاد کی شخصیت پر ہی آتی ہے کہ وہ فیض رساں اور نفع بخش نہیں، ورنہ استاد شاگرد کی گستاخی و بے ادبی کا گلہ نہ کرتا۔

۷۔ تعلیم نسواں:

معلم خیر نے اپنی تعلیم کو صرف ایک طبقہ تک محدود نہیں رکھا تھا بلکہ آپ ﷺ معاشرے کے ہر طبقے کو استفادہ کا موقع دیتے تھے۔ خواتین نے مطالبہ کیا کہ ہمیں بھی وقت ملنا چاہیے تو آپ ﷺ نے ان کے لیے علیحدہ وقت مقرر کیا اور ان کے مسائل کو بغور سنتے اور جواب دیتے۔ خواتین کے شغف علم کا احساس اس روایت سے ہوتا ہے:

عن ابی سعید الخدری قال: قالت النساء للنبی ﷺ غلبنا علیک الرجال فاجعل لنا یوما من نفسک فوعدهن یوما لقیهن فیه فوعظهن و امرهن بصدقة.

ترجمہ: "ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عورتوں نے آنحضور ﷺ سے کہا کہ مردوں نے آپ ﷺ سے ہماری نسبت زیادہ حصہ لیا ہے، آپ ﷺ ہمارے لیے ایک مخصوص دن رکھیں۔ آپ ﷺ نے ایک دن کا وعدہ فرمایا، اس میں آپ ﷺ ان سے ملے، انہیں نصیحت کی اور صدقہ کا حکم دیا۔"

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خواتین نے حضور ﷺ سے مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے ایک جگہ کا تعین فرمایا اور وہاں انہیں تعلیم دی۔ خواتین آپ ﷺ سے سوال کرتیں اور آپ ﷺ انہیں جواب عطا فرماتے۔ خاص اوقات میں مجلس منعقد ہوتی اور آپ ﷺ انہیں اسلامی تعلیمات سے روشناس کراتے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

www.CSSExamPoint.com

نعم النساء نساء الانصار لم يمنعهن الحياء ان يتفقهن في الدين۔

ترجمہ: ''انصار خواتین بہت اچھی ہیں کہ انہیں دینی بصیرت حاصل کرنے میں حیا مانع نہیں ہوتی۔''

تعلیم نسواں کے سلسلے میں اور بہت کچھ مروی ہے جس کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔ حضور ﷺ کے اس طرز عمل سے دو نتیجے نکلتے ہیں:

۱۔ اسلامی نظام تعلیم میں عورتوں کی تعلیم کا انتظام علیحدہ ہونا چاہیے۔

۲۔ عورتوں کا نصاب بھی مختلف ہونا چاہیے کیونکہ ان کی عملی زندگی مردوں سے مختلف ہے۔ دور حاضر کی عالمی تہذیب نے جو اثرات ڈالے ہیں ان میں ایک مخلوط نظام تعلیم اور نصابات کی یکسانیت ہے۔ اب یہ مسلم سوسائٹی کے راہنماؤں پر منحصر ہے کہ وہ اسلامی معاشرت کے استحکام کے لیے کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ تعلیم نسواں ایک اہم موضوع ہے جو علیحدہ توجہ کا طالب ہے۔

ہم نے اوپر حضور نبی کریم ﷺ کی شخصیت کا تعلیمی پہلو بیان کیا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے قول و عمل سے تعلیمی نظام کے متعلق بے نظیر مثالیں قائم کی ہیں۔ بطور معلم آپ ﷺ کا رویہ، آپ ﷺ کا کردار اور طرز عمل ایک نمونہ اور ایک مثال ہے ان لوگوں کے لیے جو معلوم بننا چاہتے ہیں یا رہنا چاہتے ہیں۔ ہم اس گفتگو کو ارشاد خداوندی پر ختم کرتے ہیں:

لقد كان لكم في رسول الله ﷺ اسوة حسنة لمن كان يرجو الله واليوم الاخر وذكر الله كثيرا.

ترجمہ: ''تم کو پیغمبر خدا ﷺ کی پیروی (کرنی) بہتر ہے (یعنی) اُس شخص کو جسے اللہ (سے ملنے) اور روز قیامت (کے آنے) کی امید ہو اور وہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہو۔''

۸۔ خود عملی نمونہ پیش فرماتے:

حضور ﷺ کے طریقہ تعلیم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جس چیز کی دوسروں کو تعلیم دی۔ پہلے اس پر خود عمل فرمایا اور اس چیز کا بے نظیر عملی نمونہ پیش کیا۔ عقائد کی تعلیم دی تو مابعد الطبیعاتی حقائق پر سب سے پختہ ایمان آپ ﷺ کا تھا جس کا اظہار آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے ہر لمحے میں ہوا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی مدد اور رحمت پر بھروسہ کرنے کی تعلیم دی تو خود اس کا بے مثال نمونہ پیش کیا۔ غار ثور میں جب دشمن غار کے دہانے پر آ گیا، غزوہ بدر میں، غزوۂ احد میں جب مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی۔ غزوۂ حنین میں جب اسلامی لشکر میں افراتفری پھیل گئی۔ عبادات کی تعلیم دی تو خود سب سے زیادہ ان پر عمل فرمایا۔ رات بھر نماز میں قیام فرمانے سے پاؤں مبارک پر ورم آ جاتا، بکثرت نفلی روزے رکھتے۔ حقوق العباد کی ادائیگی کا یہ عالم کہ اللہ کے رسول ﷺ اور اتنی بڑی مملکت کے حکمران ہونے کے باوجود اگر کوئی قرض خواہ آ کر قرض کا تقاضا کرنے میں سختی اور بدتمیزی سے کام لیتا ہے اور صحابہ اس قرض خواہ کو سزا دینا چاہتے ہیں تو آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایسا کرنے سے منع فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ اسے تقاضا کرنے کا حق ہے، تمہیں چاہیے تھا کہ مجھے حسن ادائیگی کے لیے کہتے، مرض الموت میں اعلان فرماتے ہیں کہ اگر میں نے کسی کے ساتھ کبھی کوئی زیادتی کی ہو تو اسی دنیا میں وہ مجھ سے انتقام لے لے۔ مکارم اخلاق کی معراج تھے۔ آپ ﷺ نے اخلاق فاضلہ کو کمال تک پہنچا دیا۔

۹۔ نرم اور شیریں لہجے میں بات فرماتے:

نبی اکرم ﷺ نرم اور شیریں لہجے میں بات فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی میٹھی میٹھی باتیں سامع کے دل میں اتر جاتیں۔ ہر شخص کو آپ ﷺ کی باتیں سننے کا اشتیاق رہتا تھا، حالانکہ آپ ﷺ کی باتیں اکثر اوامر و نواہی زیادہ ترغیبات و ترہیبات پر مشتمل تھیں۔

www.CSSExamPoint.com

۱۰۔ کلام میں فصاحت و بلاغت:

آپ ﷺ کی گفتگو فصاحت و بلاغت کی جان ہوتی تھی۔ الفاظ کا چناؤ، جملے کی ترکیب وغیرہ اس طرح ہوتی کہ مفہوم کا مکمل ابلاغ ہو جاتا جو کچھ آپ ﷺ سمجھانا چاہتے سامع بھی وہی مفہوم اخذ کرتا، کسی قسم کا ابہام پیدا نہ ہوتا۔ حضور پاک ﷺ کو تمام عرب افصح العرب قرار دیتے تھے یعنی عربوں میں فصیح ترین۔

۱۱۔ متعلم کا معیار و نفسیات ملحوظ رکھتے:

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے شاگرد تھے۔ آپ ﷺ جب بھی کسی سے خطاب فرماتے مقصد تعلیم ہی ہوتا تھا۔ آپ ﷺ اپنے ہر مخاطب کی نفسیات اور معیار کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے جس شخص میں جو کمزوری پاتے اس کی مناسبت سے بات فرماتے۔ ایک شخص نے اپنے اندر جھوٹ کے علاوہ شراب، بدکاری وغیرہ کی برائیاں بتائیں اور عرض کیا کہ ان میں سے کس کو چھوڑ دوں۔ آپ ﷺ نے اس کی نفسیات کو پیش نظر رکھ کر اسے صرف جھوٹ چھوڑنے کی تلقین فرمائی۔ جھوٹ چھوڑا تو باقی سب برائیاں بھی چھوٹ گئیں۔

۱۲۔ مثالوں کا استعمال:

آپ ﷺ اکثر اپنے کلام میں مثالیں استعمال فرماتے تاکہ بات سننے والے کے اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنو فزارہ کا ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میری بیوی نے ایک سیاہ فام بچے کو جنم دیا ہے جسے میں تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ (ماں باپ دونوں سفید رنگ کے ہیں تو ان کے ہاں سیاہ فام بچہ کیونکر پیدا ہو سکتا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے اونٹ ہیں؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں! فرمایا: ان کے کیا رنگ ہیں؟ عرض کیا: سرخ۔ فرمایا: ان میں کوئی سیاہی مائل بھی ہے؟ عرض کیا: جی ہاں، سیاہی مائل ہے۔ فرمایا: وہ کہاں سے آ گیا؟ عرض کیا! ہو سکتا ہے کہ اس کی اصل، نسب میں کوئی ایسا ہو، آپ ﷺ نے فرمایا: ہو سکتا ہے کہ اس کی اصل، نسب میں بھی کوئی ایسا ہو۔

۱۳۔ دلآزار تنقید سے پرہیز:

معلم کو بسا اوقات اصلاح کے لیے تنقید کرنا پڑتی ہے لیکن اگر اس تنقید میں دلآزاری کا پہلو ہو یا اس سے دوسروں کے سامنے طالب علم کی ہتک اور بدنامی ہوتی ہو تو اصلاح کا مقصد حاصل نہیں ہوتا، بلکہ وہ طالبعلم ڈھیٹ یا گستاخ ہو جاتا ہے یا معلم سے متنفر ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ کبھی کسی پر دلآزار تنقید نہ فرماتے۔ اگر تنقید کرنا ہوتی تو کسی کا نام لیے بغیر فرماتے کہ بعض لوگوں کو نجانے کیا ہوا کہ ایسا ویسا کرم کرتے ہیں۔

۱۴۔ نرمی اور شفقت:

حضور ﷺ لوگوں کے ساتھ (جو سب کے سب آپ ﷺ کے متعلم تھے) نرمی اور شفقت کا سلوک فرماتے۔ اگر کوئی بدوی غیر مہذب زبان میں گفتگو کرتا، کوئی گنوار مسجد میں پیشاب کر دیتا تو آپ ﷺ سختی نہ فرماتے بلکہ پیار سے سمجھاتے۔ آپ ﷺ جن صحابیوں کو دوسرے علاقوں میں معلم بنا کر بھیجتے انہیں بھی لوگوں کے ساتھ نرمی اور شفقت کا سلوک کرنے کی ہدایت فرماتے۔

۱۵۔ بے جا تعظیم کی ممانعت:

آپ ﷺ اپنے شاگردوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کو نہ تو اپنی تعریف کرنے کی اجازت دیتے اور نہ کسی طرح بے جا تعظیم کرنے

www.CSSExamPoint.com

کی۔ آپ ﷺ نے اپنی تشریف آوری پر اپنی تعظیم میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعظیماً کھڑے ہونے سے منع فرما رکھا تھا۔ اپنے لیے تعریفی القاب بھی پسند نہ فرماتے تھے۔

۱۶۔ مرد و زن سب کو تعلیم فرماتے:

حضور ﷺ تعلیم کے معاملے میں مرد اور عورت میں کوئی امتیاز روا نہ رکھتے تھے۔ آپ ﷺ جس طرح مردوں کو تعلیم فرماتے، اسی طرح عورتوں کو بھی تعلیم فرماتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے عورتوں کے لیے ہفتہ میں ایک دن مخصوص کر دیا تھا۔

۱۷۔ تعلیم کا مقام اور وقت:

حضور ﷺ نے تعلیم کے لیے نہ کوئی وقت مقرر کر رکھا تھا اور نہ ہی جگہ۔ ہر وقت اور ہر جگہ آپ ﷺ تعلیم فرماتے رہتے تھے۔ اگرچہ خصوصی حلقۂ درس مکہ میں حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں اور مدینہ میں مسجد نبوی اور صفہ میں قائم ہوتے لیکن آپ ﷺ کے ساتھ جس وقت اور جہاں بھی کوئی صحابہ رضی اللہ عنہ یا صحابہ رضی اللہ عنہم ہوتے آپ ﷺ تعلیم فرماتے اگر کوئی شخص کوئی مسئلہ پوچھنے کے لیے حاضر ہوتا تو آپ ﷺ اسے خوش آمدید فرماتے۔

بحیثیت سربراہ مملکت تعلیم کا انتظام

حضور ﷺ نے مدنی زندگی میں سربراہ مملکت کی حیثیت سے بھی فرائض سرانجام دیئے۔ اب ہم مختصر طور پر بیان کریں گے کہ حضور ﷺ نے اس حیثیت میں تعلیم کے فروغ کے لیے کیا اقدامات کیے۔

۱۔ اہمیت علم اور تعلیم کی ترغیب:

حضور ﷺ نے علم کی اہمیت پر بہت زور دیا اور اس کی بڑی فضیلت بیان فرمائی۔ آپ ﷺ نے علم حاصل کرنے اور علم سکھانے کی بھی اپنی امت کو بہت ترغیب دی۔ اس ضمن میں حضور ﷺ کے چند ارشادات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ جو شخص علم کی جستجو میں (گھر سے) نکلے، وہ اللہ کی راہ میں ہے جب تک لوٹ نہ آئے۔

۲۔ علم حاصل کرو، خواہ اس کے لیے چین جانا پڑے کیونکہ طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔

۳۔ جو شخص حصول علم کے لیے سفر کرے اللہ اسے (اس کے بدلے میں) جنت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلاتا ہے اور فرشتے طالب علم کی خوشنودی کے لیے اس پر اپنے پروں کا سایہ کر دیتے ہیں۔

۴۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

۵۔ عالم کی فضیلت عبادت گزار پر ایسی ہے جیسے چودھویں کا چاند ستاروں پر فضیلت رکھتا ہے۔

۶۔ تجھے اس حال میں صبح کرنی چاہیے کہ یا تو عالم ہو یا متعلم ہو، علم سننے والا ہو، یا علم سے محبت کرنے والا ہو۔ (ان چار کے علاوہ) کوئی پانچویں صورت اختیار نہ کرو، ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

۷۔ عالم اور متعلم دونوں اجر میں شریک ہیں۔

۸۔ عالم کو عابد پر وہی فضیلت حاصل ہے جو مجھے تم میں سے ادنیٰ شخص پر حاصل ہے۔

۹۔ طلب علم کی حالت میں اگر طالب علم کو موت آ جائے تو وہ شہید کی موت مرتا ہے۔

www.CSSExamPoint.com

تعلیم کا انتظام

حضور ﷺ نے تعلیم کے لیے متعدد عملی اقدامات فرمائے۔

۱۔ صفہ۔ مسجد نبوی میں ایک احاطہ تھا جسے صفہ کہتے تھے۔ یہ ایک اقامتی درس گاہ تھا۔ یہاں مقامی اور دوسرے علاقوں سے آئے ہوئے طالب علم تعلیم پاتے اور قیام بھی یہیں کرتے۔ ان کی خوراک وغیرہ کا بندوبست بھی کیا جاتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ خود اس کی نگرانی فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہاں تعلیم دینے کے لیے مقرر کر رکھا تھا۔ یہاں مقیم طلبہ کی تعداد ستر تک بھی بتائی گئی ہے۔

۲۔ مدینہ منورہ میں نو مسجدیں تھیں (حضور پاک ﷺ کے زمانے میں) ہر مسجد میں طلبہ کی تعلیم کا کام ہوتا تھا۔

۳۔ جو قبیلہ اسلام قبول کرتا حضور پاک ﷺ ان کی تعلیم کے لیے ان کے ہاں معلم بھیجتے تھے۔ ہجرت سے قبل مدینہ منورہ میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو معلم بنا کر بھیجا تھا۔

۴۔ صوبائی عاملوں کو آپ ﷺ حکم فرماتے کہ وہ اپنے علاقے میں لوگوں کی تعلیم کا بندوبست کریں۔

۵۔ آپ ﷺ کو تعلیم کا اس قدر خیال تھا کہ غزوۂ بدر کے موقع پر کفار کے جو آدمی جنگی قیدی بنے مگر زر فدیہ دے کر رہائی پانے سے قاصر تھے۔ آپ ﷺ نے ان کا فدیہ مقرر فرمایا کہ جو قیدی لکھنا جانتا ہے وہ مدینہ کے دس بچوں کو لکھنا سکھا دے تو اسے آزاد کر دیا جائے گا۔

حضور ﷺ کے زمانے میں نصاب تعلیم

ظاہر بات ہے کہ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں سب سے زیادہ زور قرآن حکیم کی تعلیم پر ہی دیا جاتا تھا لیکن اس کے علاوہ حضور ﷺ نے حکم دیا تھا کہ شاہ بازی، تیراکی، تقسیم ترکہ کی ریاضی، مبادیٔ طب، علم ہیئت، اور علم تجوید قرآن کی تعلیم دی جایا کرے۔ حضور ﷺ نے عورتوں کے لیے چرخہ کاتنا سب سے اچھا مشغلہ قرار دیا تھا۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ عربوں میں اسلام سے قبل تعلیم و تعلم کا کم ہی رواج تھا۔ انہیں سب سے زیادہ شغف زبان دانی سے تھا۔ مختلف علوم کی طرف ان کا میلان بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس لیے قرآن حکیم کے علاوہ وہاں کسی علم پر کوئی کتاب شاید ہی کہیں موجود ہو، نہ ہی دیگر علوم و فنون رکھنے والے کوئی خاص علماء موجود تھے۔ عربوں کی رسائی زیادہ سے زیادہ مذکورہ علوم و فنون تک ہی ممکن تھی۔ اس لیے آپ ﷺ نے ان علوم و فنون کی تعلیم کا حکم فرمایا۔ اگر ان کے علاوہ نفع بخش علوم سے عرب واقف ہوتے تو یقینی بات ہے کہ نبی اکرم ﷺ ان علوم کی تعلیم کا حکم بھی ضرور فرماتے۔ عرب صنعتوں سے بھی قطعی نابلد تھے۔ چرخہ کاتنے کا تھوڑا بہت رواج ہوگا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے عورتوں کو اس ہنر کی ترغیب دلائی۔ اگر عرب میں مفید صنعتیں ہوتیں اور عرب ان کی مہارت رکھتے تو لازماً حضور ﷺ ان صنعتوں کی تعلیم کی بھی تلقین فرماتے۔

آپ ﷺ نے قرآن حکیم کے علاوہ جن علوم و فنون کی تعلیم کی ہدایت فرمائی اور جن کی تلقین نہیں فرمائی اس سارے معاملے کو اس وقت کے معروضی حالات کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ یہ سمجھ لینا کہ اسلام صرف دینی علوم کی تعلیم کا حکم دیتا ہے اور علم، معلم اور متعلم کی جو فضیلت قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہے وہ صرف دینی علوم کے لیے مخصوص ہے نہایت غلط بات ہے۔ آج ہم جدید علوم، بالخصوص فزیکل سائنسز اور جدید ٹیکنالوجی کو حاصل کیے بغیر نہ صرف یہ کہ خوشحال نہیں ہو سکتے، بلکہ فرض ہونے پر نہ جہاد کر سکتے ہیں، اور نہ اپنی معاشی و سیاسی آزادی برقرار رکھ سکتے ہیں۔ ہر چیز میں غیر مسلموں کے محتاج رہیں گے۔

www.CSSExamPoint.com

حضور ﷺ کا طریق تعلیم:

نبی ﷺ کی دعوت سرتاپا تعلیم تھی۔ ایسی تعلیم جو علم غیب کی طرف سے آرہی تھی۔ قرآن کی صورت میں جو کچھ آپ ﷺ پر اترتا تھا آپ ﷺ اسے بلا کم وکاست اپنے شاگردوں تک پہنچا دیتے تھے جس طرح قرآن پاک کا نزول آپ ﷺ کی زندگی کے تیس برسوں پر پھیلا ہوا ہے اسی طرح آپ ﷺ کی تعلیم وتعلم کی مشغولیت بھی تیس برس پر مشتمل ہے۔

آپ ﷺ کے پیش نظر دو کام تھے۔ ایک اس معاشرے کی اصلاح جو فکری وعملی لحاظ سے بے شمار الجھنوں میں گھرا ہوا تھا، دوسرے اس معاشرے کے پسندیدہ افراد کو مجتمع کر کے نئی اجتماعیت کی بنیاد جس میں انفرادی اور اجتماعی طرز عمل مثالی ہو۔ اس پس منظر میں ہم آپ ﷺ کے طریق تعلیم کو دو حصوں میں منقسم کرتے ہیں۔ پہلا طریق یہ کہ آپ ﷺ قرآنی تعلیمات کو عمومی انداز میں پیش فرماتے اور نئی اجتماعیت مین شمولیت کی دعوت دیتے۔ تعلیم کے اس طریق میں آپ ﷺ اجتماعات کو بھی خطاب کرتے اور افراد کو انفرادی طور پر بھی قائل کرنے کی سعی فرماتے۔ تاریخ کی کتابوں میں یہ تفصیل بھی موجود ہے کہ آپ ﷺ قبائل کے پاس بھی گئے اور ان کے رؤسا کو بھی مخاطب کیا۔ تعلیم کے اس حصے میں آپ ﷺ آیات پڑھ کر سناتے اور مختلف مسائل قرآنی نقطۂ نظر سے واضح کرتے۔ قرآن کریم کے اسلوب سے شناسائی رکھنے والا ذہن جانتا ہے کہ آپ ﷺ نے تدریجی طریق اختیار کیا، عقائد فاسدہ، ضرر رساں عادات اور ناپسندیدہ جھگڑوں کی برائی کو پیش کیا اور آہستہ آہستہ درست خیالات، صحیح عبادات، مناسب احکام اور عمدہ اخلاق و آداب کی طرف دعوت دی۔ گویا قرآن پاک نے تنقیدی وتعمیری دونوں انداز ہائے تعلیم کو پیش نظر رکھا اور رسول اکرم ﷺ نے بھی تعلیمی زندگی میں یہی و عمومی وخصوصی رنگ اختیار کیا۔

تعلیم کا دوسرا طریق یہ کہ منتخب افراد کو مجتمع کیا اور ان کی تعلیم وتربیت کا انتظار کیا۔ آپ ﷺ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے۔ اس کے الفاظ و معانی کی درست تعبیر فرماتے اور اگر کہیں کوئی الجھن پیش آتی تو اسے دور فرماتے۔ جب تک دعوت کا سلسلہ مخفی تھا آپ ﷺ نے ارقم کے گھر کو مرکز قرار دیا تھا۔ یہاں تمام اولین رفقاء جمع ہوتے، کتاب اللہ کو یاد کرتے، آپ ﷺ سے اسلام کے بنیادی مسائل اخذ کرتے اور مختلف معاملات میں راہنمائی لیتے، ازاں بعد آپ ﷺ کا اپنا گھر مسلمانوں کو مرکز بن گیا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اکٹھے ہوتے، قرآن یاد کرتے، اس کی تفہیم ہوتی، پیش آمدہ معاملات پر بحث ہوتی اور اس عظیم معلم (ﷺ) سے راہنمائی حاصل کر کے یہ لوگ اپنے کام کاج میں مشغول ہو جاتے۔ اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے گھروں، دکانوں اور انفرادی واجتماعی مواقع پر خود بخود اپنے اسباق دہراتے رہتے اور قرآن وتشریح قرآن کا ذکر ایک دوسرے سے کرتے رہتے لیکن اس مرکز سے کبھی غافل نہ ہوتے۔ حضور اکرم ﷺ کے سامنے یہ حضرات اپنے تمام مسائل رکھتے اور ان کے صحیح جوابات سے اطمینان حاصل کرتے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم چلتے پھرتے بھی قرآن پاک کو یاد کرنے اور اس کی تفسیر یعنی حدیث کو محفوظ کرنے میں مشغول ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ بتاتا ہے کہ مسلمان اپنے گھروں میں قرآن کی تلاوت کرتے اور فہم دین کے لیے کوشش کرتے۔ بعد ازاں مسجد کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی۔ یہی وہ مقام تھا جہاں تمام تعلیمی امور طے پاتے تھے۔ مسجد میں تو باقاعدہ علمی حلقے ہوتے جسے آج کی زبان میں کلاس کہہ سکتے ہیں۔ اس معلم اکبر ﷺ نے اس مرکز تعلیم میں اشاعت تعلیم کا اہتمام کیا۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا مقالہ نگار مسجد کی تعلیمی حیثیت پر بڑی دلچسپ بحث کرتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضور ﷺ اپنی تعلیم کو صرف مرکز تک محدود نہیں رکھتے بلکہ جہاں کہیں بھی کسی کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا آپ ﷺ اس کی وضاحت کرتے۔ مناسب مقامات کے علاوہ آپ ﷺ نے کئی مرتبہ راہ چلتے بھی مسائل کا حل بتایا۔ اس انفرادی کوشش کے علاوہ وہ حلقے خصوصی اہمیت رکھتے ہیں جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن وحدیث اور مسائل حیات پر مذاکرہ اور تبادلہ خیال کرتے نظر آتے ہیں۔

www.CSSExamPoint.com

یقول انس رضی اللہ عنہ: انما کانوا اذا صلوا الغداۃ فعدوا حلقا یقرؤن القرآن ویتعلمون الفرائض والسنن.

ترجمہ: ''انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جب صبح کی نماز پڑھ لیتے، حلقوں کی صورت میں بیٹھ جاتے، قرآن پڑھتے اور فرائض وسنن سیکھتے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیات علمیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ اکثر ان مجلسوں میں تشریف فرما ہوتے اور ان کے تعلیمی وتربیتی معاملات کو درست فرماتے۔ بطور معلم آپ ﷺ کا ایک خصوصی انداز تھا۔ تعلیم انفرادی ہو یا اجتماعی معلم کو کچھ اصول وقواعد پیش نظر رکھنا پڑتے ہیں جن سے زیادہ سے زیادہ افادہ واستفادہ ہو سکے۔ نبی کریم ﷺ نے تعلیم میں ایک اسلوب اختیار فرمایا۔ آپ ﷺ کی پوری تعلیمی زندگی سے اس اسلوب کی خصوصیات کا پتہ چل سکتا ہے۔ ذیل میں ہم چند اہم نکات دے رہے ہیں۔ ایک طالب علم دیکھے گا کہ بطور معلم آپ ﷺ نے کیا طریق اختیار کیا:

www.CSSExamPoint.com

حضور ﷺ بطور معلم اخلاق

قرآن مجید میں ہے: ﴿ وانک لعلی خلق عظیم ﴾

محبت کے یہاں جس نے دریا بہائے
دل ان کا چھینا جو سر لینے آئے
یہ بندہ نوازی کے جوہر دکھائے
کہ خود کھا کے جو اور جواہر لٹائے
خوشی ساری اوروں کے غم میں بھلا دی
دیا دکھ جس نے اسے بھی دعا دی

دہلیز پہ پڑے ایک ٹوٹے ہوئے جام کے لیے ماضی کو آواز دینا بڑا دردناک ہوتا ہے۔ وقت کا سیل رواں ایک مدت مدید سے جوئے آب کی مانند جو خرام ہے اس کی نیم ناز نگاہوں نے بڑے بڑے مصلحین کی تعلیم سے پیدا ہونے والے انقلابات دیکھے لیکن بے رحم وقت کے جھونکے ان کے نقوش کو مٹاتے چلے گئے۔ لیکن رسول مکرم ﷺ کی اخلاقی تعلیم نے جو انقلاب پیدا کیا، انسانیت کو جو معراج بخشی اس نیلگوں آسمان کے ستارے آج بھی دنیا کے کسی نہ کسی خطے میں ضرور اس کی بہار دیکھ رہے ہیں اور دیکھتے رہیں گے اور آج میں اس معاشرے کی گری ہوئی دیواروں پر کھڑا ہو کر اس معلم اخلاق کی تعلیم حجازی لے میں چھیڑنا چاہتا ہوں کہ وہ تو وہ معلم تھا جس کے نقش پا میں بھی مستقبل کے مسافروں کے لیے کئی منزلیں پوشیدہ ہیں..... قول کا اثر اس وقت اپنا رنگ دکھاتا ہے جب اس کے ساتھ فعل کو بھی اسی رنگ میں سجا دیا جائے، زبان کی باتوں اور دل و نگاہ مین تفاوت پیدا ہو جائے تو باتیں اور اصول اپنا اثر کھو دیتے ہیں۔

وہ خود اپنی تعلیم کا آپ نمونہ تھا، انسانوں کے مجمع عام میں جو کہتا تھا گھر کے خلوت کدہ میں اسی طرح نظر آتا تھا، اس کو جب طائف میں پتھر پڑے تو اس کے ہاتھ اللھم اھد قومی کہتے ہوئے اٹھے اس کے شفیق چچا کو ذبح کیا گیا لیکن وہ وحشی کو معاف کر جنت کے راستے پر ڈالتا ہوا نظر آیا اس کی راہوں میں کانٹے بچھائے گئے۔

گندگی پھینکی گئی لیکن وہ ایسے لوگوں کے بیمار ہونے پر تیمارداری کرتا ہوا نظر آتا ہے، اس کی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو حمل کی حالت میں ھبار نے نیزہ مار کر ہلاک کر دیا لیکن معلم اخلاق کی بارگاہ سے اس کے لیے معافی نامہ جاری ہوا اور وہ تو ایسا تھا کہ جب اس کے پاس اختیار تھا اقتدار تھا قوت تھی، غلبہ تھا، کفار کی نگاہیں شرم سے جھکی ہوئی تھیں، ان کے ظلم ان کی نگاہوں کے سامنے رقص کر رہے تھے تو معلم اخلاق نے دیکھا کہ آج کا دن ان کی اخلاقی تربیت کرنے کا دن ہے زبان اطہر سے فرمادیا لا تثریب علیکم الیوم اور جب وہ اس دنیا سے رخصت ہو رہا تھا آخرت کی تیاریوں میں مصروف تھا تو ایک چھڑی کا بدلہ دینے کے لیے بھی اپنے جسم سے کپڑا ہٹا رہے ہیں۔

لے گیا فوق انبیاء پر خلق میں اور خلق میں
کس میں اس کا علم تھا اور کس میں اس کا کرم

انہی باتوں کو دیکھتے ہوئے قرآن نے آپ ﷺ کو سرٹیفکیٹ دے دیا کہ اے شاہ دو جہاں آپ ﷺ کا رحم ایسا ہے کہ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ آپ ﷺ کی تعلیم ایسی ہے ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ اور آپ ﷺ کا خلق ایسا ہے انک لعلی خلق عظیمہ یہ کائنات کی نگاہیں نہ آپ ﷺ جیسا کوئی معلم اخلاق دیکھیں گی اور نہ پیدا ہوگا۔

www.CSSExamPoint.com

رخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزم خیال میں نہ دوکان آئینہ ساز میں

ہنلر نے آپ ﷺ کے اخلاق کا مطالعہ کیا تو پکار اٹھا:

"MUHAMMAD (PBUH) is a blessing for world."

اور جرمن مصنف گستاف وائل نے لکھا:

"MUHAMMAD (PBUH) is a bright example for humanity and an example of morality."

پھر گھر کی گواہی معتبر ہوا کرتی ہے جہاں آدمی تصنع کو ایک طرف رکھ کر اصل روپ میں دکھائی دیتا ہے اور جب اس معلم کے گھر والوں سے پوچھا گیا تو جواب ملا:

کان خلقه القرآن

تیری خلق کو حق نے عظیم کیا
تیرے شہر و کلام و بقاء کی قسم

آج بہار ہم سے روٹھ گئی، اس لیے کہ ہم نے چمن انسانیت میں بہار لانے والے معلم اخلاق کی تعلیم کو چھوڑ دیا جہاں سے اخلاقیات کی تعلیم رخصت ہو جائے وہاں پھر جرائم ہی جنم لیتے ہیں، دہشت گردی کی آگ معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے، انسان انسانیت سے گر کر حیوانیت کی دہلیز پر پہنچ جاتے ہیں، آج اگر امن چاہتے ہو ملک کی بقا چاہتے ہو تو اخلاقیات اور دین محمدی ﷺ کے بہترین اصولوں کو نافذ کرنا ہوگا۔ اس لیے کہ

سنا ہے کہ جب تک نہ ہو دین محمد ﷺ سے اجالا
چمن میں بہاروں کا بسیرا نہیں ہوتا

بلغ العلی بکماله　　کشفت الدجی بجماله
حسنت جمیع خصاله　　صلو علیه و آله

☆☆☆☆☆

www.CSSExamPoint.com

باب 3: اسلام میں انسانی حقوق اور خواتین کا مقام و مرتبہ

آؤٹ لائن

- انسانی حقوق اور اسلام میں خواتین کا مقام و مرتبہ
- وقار انسانی (مرد و خواتین کا انسانی وقار، عزت و احترام)

www.CSSExamPoint.com

انسانی حقوق کا پہلا منشور

خطبہ حجۃ الوداع

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ یہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں سے متعلق ہدایت و رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ یہ بنیادی انسانی حقوق کا ایک جامع منشور عطا کرتا ہے۔ یہ دو حصوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں:

1- بنیادی انسانی حقوق

2- اسلامی ریاست کے اندر کے غیر مسلموں کے حقوق

یہ حقوق قرآن مجید، سیرت النبی ﷺ اور خلافت راشدہ کے شاندار نمونہ حقوق سے اخذ کئے گئے ہیں۔ اسلام عام طور پر دو قسم کے حقوق کی نشاندہی کرتا ہے:

1- حقوق اللہ (جو کہ عبادات پر مشتمل ہیں)

2- حقوق العباد (جو کہ زیادہ تر معاملات پر مشتمل ہیں) اس لئے اسلام ان کو بنیادی اہمیت دیتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے 9 ذی الحجہ (10 ہجری) کو یوم عرفہ کے موقع پر اونٹنی پر سوار ہو کر جو خطبہ دیا اسے خطبہ حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ اس موقع پر تکمیل دین کا اعلان بھی فرمایا اس حج کے 3 ماہ بعد آپ ﷺ رحلت فرما گئے۔ اس کو انسانی حقوق کا پہلا منشور کہا جاتا ہے۔

وقال ان دماء كم واموالكم حرام عليكم كحرمة يومكم هذا فى شهركم هذا فى بلدكم هذا. الا ان المسلم اخوالمسلم فليس يحل لمسلم من اخيه شيء الا ماأحل من نفسه. أيها الناس إن ربكم واحد واباكم واحد. الا لا فضل لعربى على عجمى ولا لعجمى على عربى ولا لأسود على أحمر ولا لأحمر على اسود إلا بالتقوىٰ. الا كل شيىء من امر الجاهلية تحت قدمى موضوع ودماء الجاهلية موضوعة وان اول دم اضع من دمائنا دمر ابن ربيعة بن الحارث كان مسترضعا فى بنى سعد فقتلته هذيل. وربا الجاهلية موجوع واول ربا اضع ربانا ربا عباس بن عبدالمطلب فانه موضوع كله. فاتقوا الله فى النساء فانكم اخذتموهن بامان الله واستحللتم فروجهن بكلمة الله ولكم عليهن ان لا يوطئن فرشكم احدا تكرهونه فان فعلن ذلك فاضر بوهن ضربا غير مبرح. ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف. الا لا يجنى جان الا على نفسه ولا يجنى والد على ولده ولا ولد على والده. وقد تركت فيكم مالن تضلو بعده ان اعتصمتم به كتاب الله وانتم تسألون عنى فما انتم قائلون؟ قالو نشهد انك قدبلغت واديت ونصحت فقال باصبعه السبابة يرفعها الى السماء وينكتها الى الناس اللهم اشهد اللهم اشهد اللهم اشهد ثلاث مرات.

ترجمہ: ”پس آپ ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا، بے شک تمہارے خون اور تمہارے مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جیسے آج کے دن کی حرمت ہے اس مہینے اور اس شہر میں۔ آگاہ رہو، بے شک مسلمان مسلمان

www.CSSExamPoint.com

کا بھائی ہے تو کسی مسلمان کے لیے اپنے بھائی کی کوئی چیز حلال نہیں جب تک وہ خود اپنی مرضی سے حلال قرار نہ دے۔ اے لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ سنو! کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر ہے اور نہ کسی گورے کو کسی کالے پر ہے سوائے تقویٰ کے۔ جاہلیت کے تمام کام میرے قدموں کے نیچے پامال ہیں اور جاہلیت کے تمام خون ساقط ہیں اور اپنے خونوں میں سے سب سے پہلا خون جو میں ساقط کرتا ہوں وہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے، وہ بنوسعد میں دودھ پی رہا تھا اور اسے بنوھذیل نے قتل کر ڈالا اور جاہلیت کے سود ساقط ہیں اور اپنے سود میں سے سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلب کا سود ساقط کرتا ہوں وہ سب معاف کر دیا گیا۔ تم لوگ عورتوں (یعنی بیویوں) کے بارے اللہ سے ڈرنا کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امان سے لیا ہے اور اللہ کے حکم سے ان کی شرمگاہوں کو اپنے لیے حلال کیا ہے اور تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارا بستر کسی کو روند نے نہ دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو اور اگر وہ ایسا کریں تو انہیں اس طرح مارو کہ چوٹ شدید نہ ہو (ہڈی نہ ٹوٹے نشان نہ پڑے)۔ یاد رکھو ہر جرم کرنے والا خود ہی اپنے جرم کا ذمے دار ہے اور کوئی باپ اپنے بیٹے کے جرم کا ذمے دار نہیں اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے جرم کا ذمے دار ہے۔ اور دستور کے مطابق ان کی خوراک اور ان کا لباس تمہارے ذمے ان کا حق ہے اور میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر اسے مضبوطی سے پکڑے رہو تو کبھی گمراہ نہ ہو گے (اور وہ ہے) اللہ کی کتاب اور تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے، وہ سب بولے ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے (پیغام) پہنچا دیا ہے اور حق ادا کر دیا اور خیر خواہی کی۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھا کر اور لوگوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا، تین بار۔"

خطبہ حجۃ الوداع کے اہم نکات:

خطبہ حجۃ الوداع کو درج ذیل عنوانات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے:

1- معاشرتی احکامات 2- معاشی اصلاحات 3- سیاست سے متعلق ہدایات

4- دین سے متعلق ہدایات 5- عمومی گواہی

اللہ کی حمد و ثنا کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

لوگو! میری بات غور سے سنو۔ میرا خیال ہے کہ شاید اس سال کے بعد میں تم کو اس جگہ نہ مل سکوں۔

1- معاشرتی احکامات:

i- جاہلیت کی مخالفت:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"خبردار! زمانہ جاہلیت کی تمام رسمیں میرے قدموں کے نیچے روند دی گئی ہیں۔ زمانہ جاہلیت کے تمام خون معاف ہیں۔ سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں۔"

www.CSSExamPoint.com

''لوگو! بے شک تمہارا رب ایک اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فوقیت نہیں مگر تقویٰ کے سبب''

ii- غلاموں کے حقوق:

''تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ تم خود جو کچھ کھاؤ انہیں بھی کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو وہی انہیں پہناؤ۔''

iii- عورت کے حقوق:

''عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔''

''اے لوگو! تمہاری عورتوں پر تمہارے کچھ حقوق ہیں اسی طرح تم پر ان کے حقوق ہیں۔''

iv- جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لوگو! (خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ) ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔''

''لوگو! تمہارے خون، مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسی ہی محترم ہیں جیسا کہ تمہارے لئے آج کا یہ دن۔ یہ شہر اور یہ حرمت والا مہینہ محترم ہے۔''

2- معاشی اصلاحات:

i- سود کی حرمت:

''دور جاہلیت کا ہر سود معاف ہے۔ (اس قانون کی ابتداء بھی اپنے خاندان سے کرتا ہوں) اور اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کا سود معاف کرتا ہوں۔''

ii- قرض کی ادائیگی:

ارشاد فرمایا۔ ''قرض ادا کیا جائے گا۔ امانتیں واپس کی جائیں گی۔ ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔''

3- سیاست کے متعلق ہدایات:

ارشاد فرمایا: ''اگر کوئی ناک کٹا اور سیاہ فام حبشی بھی تمہارا امیر بنا دیا جائے اور وہ کتاب اللہ (قرآن مجید) کے مطابق تمہاری قیادت کرے تو تم پر اس کی اطاعت لازمی ہے۔''

4- دین اسلام کے متعلق ہدایات:

ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور تمہارے بعد اب کوئی نئی امت نہیں۔''

''میں تم میں ایک نعمت چھوڑے جا رہا ہوں۔ اگر تم مضبوطی سے اسے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ نعمت اللہ کی کتاب (قرآن مجید) ہے۔ مزید ارشاد فرمایا: ''لوگو مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو کیونکہ تم سے پہلی بہت سی قومیں مذہب میں غلو کے سبب برباد ہو گئیں۔''

www.CSSExamPoint.com

تکمیل دین:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حجۃ الوداع کے موقع پر تکمیل دین کے بارے میں آیت نازل فرمائی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط

''آج تمہارا دین مکمل ہوا۔ میں نے تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔''

(سورۃ المائدۃ آیت نمبر 3)

ارشاد فرمایا: ''خبردار جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ میری بات ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں۔ کیونکہ بہت سے لوگ جن کو میرا پیغام پہنچے گا وہ ان لوگوں سے زیادہ اسے محفوظ رکھنے والے ہوں گے جو اس وقت سننے والے ہیں۔''

اسلام میں بنیادی انسانی حقوق

(Basic Human Rights in Islam)

اسلام نے بنیادی حقوق کا تصور انسانی تمدن کے اس دور میں پیش کیا جب آزادی کا نظریہ انسانیت کے لیے بالکل اجنبی تھا۔ یہ عین ممکن ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک حقوق انسانی کے تصور کی ابتدا تاریخ انگلستان کے میگنا کارٹا یا یو این (اقوام متحدہ) کے چارٹر سے ہوئی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ بنیادی انسانی حقوق کے تصور کا آغاز دورِ اسلامی سے ہوتا ہے۔ اسلام نے محض نظریاتی طور پر ہی حقوق کا تصور پیش نہیں کیا، بلکہ مدینہ کی اسلامی ریاست میں تمام بنیادی انسانی حقوق کا باقاعدہ طور پر نفاذ کیا۔ اسلام کے تصورِ آزادی کی فضیلت اس کی اخلاقی اور روحانی قدروں میں پنہاں ہے۔ اسلام ایک ایسا اخلاقی نظام رائج کرتا ہے جو حقوق کے تحفظ کی پوری طرح ضمانت دیتا ہے اور جس میں حقوق و فرائض میں گہرا ربط برقرار رہتا ہے۔

فضیلت:

اسلام نے حقوق العباد کے احترام پر اتنا زور دیا کہ ان کو حقوق اللہ کی ادائیگی کے لیے لازمی شرط قرار دیا۔ ہر فرد پر یہ ذمہ داری عائد کر دی گئی ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق کا احترام کرے اور اپنے مفادات کو حاصل کرنے میں کبھی بھی مفاد عامہ کو پس پشت نہ ڈالے۔ اسلامی نظام حیات کے

اسلام نے حقوق العباد کے احترام پر اتنا زور دیا کہ ان کو حقوق اللہ کی ادائیگی کے لیے لازمی شرط قرار دیا۔ ہر فرد پر یہ ذمہ داری عائد کر
ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق کا احترام کرے اور اپنے مفادات کو حاصل کرنے میں کبھی بھی مفاد عامہ کو پس پشت نہ ڈالے۔ اسلامی نظام حیا
مطابق شہریوں کے تمام افعال احساس ذمہ داری کے تحت سرانجام پاتے ہیں۔ ایک اسلامی ریاست میں حکومت کو شہریوں کے حقوق کے نفاذ
محض قوت سے ہی کام نہیں لینا پڑتا، بلکہ رائے عامہ اس سے پورا تعاون کرتی ہے۔

حقوق کا ڈھانچہ:

اسلام میں شہریوں کے بعض حقوق تو شرعی قوانین میں واضح طور پر موجود ہیں جن کو نافذ کرنا ہر اسلامی ریاست پر فرض ہے۔ اس
ایسے تمام حقوق بھی اسلامی ریاست میں نافذ کیے جا سکتے ہیں جو موجودہ ریاست نے زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق تسلیم کر لے
اس میں کوئی شک نہیں کہ حقوق کی ایک ایسی جامع لسٹ جو آج کے سیاسی حالات کے مطابق مرتب شدہ ہو، شرعی قوانین میں نہیں ملتی، کیونکہ دور
ایسے پیچیدہ انسانی مسائل تیرہ سو سال پہلے کے تمدن انسانی کو درپیش نہ تھے، جن کی وجہ سے حقوق کا دائرہ کار آج کے صنعتی دور میں بہت زیاد
اختیار کر چکا ہے۔

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com

www.CSSExamPoint.com